شیعان حیدر کرار کیلئے نایاب تحفہ

معیار شرافت

مصنف

علامہ حسین بخش جاڑا اعلی اللہ مقامہ

(النور)

 دوسرا ایڈیشن جنوری سنہ ۱۹۸۴ء

معیارِ شرافت

ازقلم حقیقت رقم

حُجۃ الاسلام والمسلمین استاد العلماء والمجتہدین،
آیۃ اللہ العلامہ حسین بخش جاڑا۔ مدظلہ العالی

بانی

① جامعہ علمیہ بابُ النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

② درسگاہِ امامیہ۔ دریاخان ضلع بھکر

ناشر

مکتبہ انوارُ النجف دریاخانُ ضلع بھکر

(ثنائی پریس سرگودھا)

قیمت ___80___ روپے صرف

-/10

(کاتب محمد شفیق سرگودھا)



تمثال :- محسنِ قوم الحاج ملک اللہ بخش جاڑا مرحوم طاب ثراہ والدِ ماجد حضرت
علامہ حسین بخش صاحب جاڑا مدظلہ

تعارف :- جنہوں نے تقریباً نوے برس کی عمر میں ۳۱ اگست ۱۹۷۶ء مطابق ۱۵ ماہِ رمضان مبارک ۱۳۹۶ھ بدھوار ۱۰ بجے شب کو دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی اور جمعرات ۱۰ بجے دن کو بستی جاڑا کے قبرستان میں سپردِ خاک کیے گئے۔

آپ بہت بڑے عزادار تھے آپ کے علمی شغف کا شاہکار جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا موجود ہے جو آپ کی باقیاتِ صالحات میں سے ایک ہے آپ کی اولاد میں سے علامہ حسین بخش صاحب جاڑا موجود ہیں جو اپنے دور کے بہترین مصنف و مدرس و واعظ ہیں جبکہ ان کے دوسرے فرزند مولوی مشتاق احمد مولوی فاضل تک کی تعلیم رکھتے ہیں اور مولانا کاظم حسین صاحب اثیر جاڑوی، فاضل قم پرنسپل جامعہ حسینیہ جھنگ صدر آپ کے نواسہ ہیں مومنین سے فاتحہ اور دعائے مغفرت کی استدعا ہے

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

انسان
زندگی کی پہلی منزل میں

فرزند آدم جب کتم عدم اور پردہ نیستی سے منصۂ شہود اور صفحۂ ہستی پر قدم رکھتا ہے تو اس کی آنکھ بالکل ایک نئے اور اجنبی ماحول میں کھلتی ہے جبکہ نہ اس کے مشاعر وحواس میں سمجھنے کی اہلیت ہوتی ہے اور نہ اعضاء وجوارح میں گردوپیش کے ناموزوں حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور نہ موزوں ومناسب اشیاء کے استعمال کا طریقہ اُسے معلوم ہوتا ہے۔

شکم مادر سے جنم لینے کے بعد اس کی زندگی صرف اپنے چاہنے والوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونے کی حیثیت سے شروع ہوتی ہے جو اُسے ہر لحاظ سے خوش رکھ کر اپنے لئے تسکین جذبات محبت کا سامان فراہم کرنے میں سرور محسوس کرتے ہیں آہستہ آہستہ اس کے شعور واحساس میں حرکت وبیداری پیدا ہو کر روز افزوں روبترقی رہتی ہے۔ پس وہ اپنے فطری خدا داد قوٰی وجوارح کے خواص کی بدولت جذب مناسب اور دفع منافر کا جذبہ اپنے اندر محسوس کرنے لگتا ہے لہذا ہر وہ شئے جو اسے پسند ہو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ماں باپ اور اس کے باقی تمام چاہنے والے اس کی کسی خواہش کو ٹھکرانا اپنی محبت کی توہین سمجھتے ہیں پس ہر وہ کھلونا مہیا کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو اس کے لئے جاذب نظر ہو۔ ہر وہ آواز اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے بچے کے کان مانوس ہوں اس کے ماکول ومشروب میں ہر اس چیز کو لانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے اس کی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کے ذوق کی مناسبت موجود ہو اور اس کی تن آسانی کے لئے ہر ممکن طریقہ سے ہر ممکن الحصول سامان سہولت فراہم کرنے میں بخل نہیں کرتے گویا اس کی زیبائش آسائش کے لئے اپنی

حسب حیثیت کسی قسم کی کوشش سے دریغ نہیں کرتے۔

اپنے چاہنے والوں کی ناز برداریوں کو بچہ بھی پوری طرح محسوس کر لیتا ہے پس وہ بھی اپنی من مانی منوانے میں سرور محسوس کرتا ہے اور اپنے ہر مطالبہ پر ڈٹ کر اُسے ہر قیمت پر منوالینے میں اپنی ذہنی فتح سمجھتا ہے پس اس کے اندر جذبہ خود پرستی خود غرضی خود کوشی خود بینی خود نمائی خود ستائی اس کی زندگی کی منازل کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا جاتا ہے پس ہر مرغوب کا حاصل کرنا اور ہر ناپسند کو دُور کرنا وہ اپنا فطری حق سمجھتا ہے خواہ اس کے حصول مقصد کے ذرائع جائز ہوں یا ناجائز حتیٰ کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کیلئے معمولی سی دیر بھی گوارا نہیں کرتا۔ لہٰذا متانت صبر حوصلہ ایثار سخاوت فکر صلاح شرافت سچائی، شرم حیا دیانت امانت حلال وغیرہ تمام اچھی صفات جو اس کی نفس پرستی اور عیش کوشی کے راستہ میں سنگ گراں بننے والی ہوں کو اپنی آزادی کا دشمن سمجھتے ہوئے ان سے گریزاں رہتا ہے اور ان کے مقابلہ میں چھچھورا پن جلد بازی لالچ بخل بے فکری فساد گالی گلوچ جھوٹ بے شرمی، بے حیائی، بددیانتی خیانت، حرام وغیرہ تمام اوصاف بد جو اس کی عیاشی طبع کیلئے ممد و معاون ہوں کو اپناتے ہوئے زندگی کی منازل میں قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے پس وہ اپنی مرغوب چیز کی تحصیل میں نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی سے ہر اس صفت بد کو اپناتا ہے جس سے اس کی مطلب براری آسان ہو۔ مثلاً پہلے تو حکم کر کے مانگے گا پھر منت سماجت کرے گا اور رو کر مانگے گا اگر کام نہ چلا تو جھوٹ بول کر حتیٰ کہ لڑ جھگڑ کر مطلب نکالنے کی کوشش کرے گا اور آخر میں چوری کر کے اپنا کام چلائے گا اور اپنے گھر سے مطلب پورا نہ ہو تو ہمسایہ سے مانگ کر یا چوری کر کے اپنی نفس پرستی کی عادت کو پورا کرے گا اور اس کی غلط کاریوں کو اس کے چاہنے والے اس کے بچپنے کے دامن میں جگہ دیکر چشم پوشی کر لیتے ہیں۔ جس سے اس کے حوصلے بڑھتے جاتے ہیں اور عالم شباب تک پہنچتے پہنچتے وہ پوری طرح حرص و ہوس کا بندہ بن جاتا ہے۔

ادھر دماغ میں عقلی شعور و احساس جب متحرک ہوتا ہے تو پہلے پہل صرف بدیہیات و وجدانیات تک محدود رہتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اس کے اندر اپنے معلومات کو بڑھانے کا جذبہ تیز سے تیز تر

ہوتا چلا جاتا ہے اور کچھ وقت کے بعد اسے محسوس ہونے لگتا ہے کہ میرا یہ مطالبہ غلط ہے یا صحیح لہٰذا اپنے غلط اقدامات کو اپنے چاہنے والوں سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور صحیح افعال کو نمایاں طور پر پیش کرتا ہے تاکہ اس کے ساتھ محبت کرنے والوں میں اس کی چاہت مزید بڑھے۔ اور وہ اس کی ناز برداری میں مزید دلچسپی کا اظہار کریں دس برس کی عمر میں بچہ طفل ممیز کہلاتا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اچھی اور بری کو سمجھنے کے قابل ہوجاتا ہے لیکن اس کی ناتواں عقل اس کی نفسی خواہشات و جذبات میں کنٹرول لانے سے قاصر ہوتی ہے لہٰذا وہ خواہشاتِ نفس کا مقابلہ کرنے کے بجائے ان کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی آزادی کے تصور سے بے نیاز ہوتے ہوئے مکمل طور پر ان کے قیدی کا روپ دھار لیتی ہے پس خواہشات کے ہر غلط فیصلے پر تنقید کرنا تو بجائے خود اپنی ضمیر و غیرت کے خلاف اسے اپنانے میں اپنی بھلائی سمجھتا ہے گویا طائرِ عقل خواہشات نفس کے آہنی پنجرے میں مستقل طور پر ایک قیدی کی سی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ جب انسان سن بلوغ کو پہنچتا ہے جس کی حد مرد کے لئے پندرہ برس ہے، تو اس کی عقل میں بھی نیک و بد کی پہچان کی پوری صلاحیتیں موجود ہوجاتی ہیں پس وہ اپنے آپ کو ایک قیدی کی حیثیت سے دیکھتی ہے جس کے گرد خواہشات نفس کی ناقابل شکست سلاخوں کا ایک پنجرہ ہو جن کو توڑ کر نکلنا اور آزادی کے ماحول میں قدم رکھ کر آگے بڑھنا اس کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔

لیکن اس دور میں یہ عقل، عقل ناتواں نہیں ہوتی بلکہ توانا ہوتی ہے وہ صحیح فیصلہ کرکے خواہشاتِ نفس کے جذباتی پنجرہ کی جس سلاخ سے ٹکرائے اس کو توڑ سکتی ہے اور شرعی حیثیت سے انسانی عقل کو رسول باطنی کا نام بھی دیا گیا ہے اور جس تاریک ماحول میں کسی رسول کو نورِ ہدایت کی ضیا پاشیوں کے لئے مبعوث کیا جاتا ہے اسے ایسی تمام صلاحیتوں سے آراستہ اور تمام ایسے ہتھیاروں سے مسلح کرکے بھیجا جاتا ہے جن کی اس تاریک اور مخالف ماحول میں ضرورت محسوس کی جاسکے۔

حقوق کا احساس

اس مقام پر انسان عقل کی روشنی میں سوچنے پر مجبور ہوتا ہے یہ کہ میں کیا ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ خود آیا ہوں یا لایا گیا ہوں؟

...کون لایا ہے؟ کیوں لایا ہے؟ جس ماحول میں میں نے آنکھ کھولی ہے یہ خود بنا ہے یا بنایا گیا ہے؟ اور کس نے بنایا ہے؟ کیوں بنایا ہے؟ اور میں چونکہ عام مخلوق کی طرح نہیں ہوں بلکہ اپنے گردوپیش کی تمام موجودات میری خدمت کے لئے ہیں اور میں ان پر حق حکومت رکھتا ہوں لہٰذا زندگی کے سفر میں میرے ضروریات جس طرح جداگانہ ہیں میرے فرائض بھی جداگانہ ہونے چاہئیں لہٰذا سوچنا ہے کہ مجھے کیا یا کیسا ہونا چاہیئے؟ مجھے اس مقام پر لا کھڑا کرنے والے خالق محسن سے کیا سلوک کرنا چاہیئے؟ اور انسانی معاشرہ میں مجھے زندگی کی منازل کیسے طے کرنی چاہئیں؟ اور باقی مخلوق عالم میں اس بلندی مقام کے پیش نظر میری طرز زندگی کی حدود کیا ہونی چاہئیں؟

بہرکیف انسان پر تخلیق قدرت کے عظیم شاہکار کی حیثیت سے فرائض و ذمہ داریوں کا ایک بہت بڑا بوجھ عائد ہوتا ہے جس کی جزئیات کی تفصیلات ایک عظیم طومار کی شکل میں ظاہر ہو سکتی ہے تاہم ان تمام تر فرائض کو بصورت اصول اجمالی طور پر تین حدوں میں بند کیا جاسکتا ہے (۱) حقوق نفس (۲) حقوق اللہ (۳) حقوق الناس۔ پس حقوق النفس کی دوسری تعبیر اخلاقیات ہے اور حقوق اللہ کی تفصیل عبادات ہے اور حقوق الناس کو دوسرے لفظوں میں معاملات کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں ہم اخلاقیات کا تذکرہ کریں گے اس کے بعد عبادات و معاملات کو سپرد قلم کرنے کی نوبت آئے گی

اصلاحِ نفس

حقوق النفس کا پہلو صرف تعمیر کردار کے لئے عائد شدہ حدود و قیود اور فرائض و اعمال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور سلجھانے پر مشتمل ہے اور تعمیر کردار میں مثبت و منفی دونوں پہلوؤں کی رعایت نہ ہو تو مقصود تک رسائی صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتی ہے مثبت پہلو یہ ہے کہ انسان کو کیسا ہونا چاہیئے؟ اور منفی یہ ہے کہ انسان کو کیسا نہیں ہونا چاہیئے پس وہ اوصاف رذیلہ اور عادات خبیثہ جو صحیفۂ انسانیت اور وقار شرافت کو داغدار کرتے ہیں ان سے

بچنا ضروری ہے اور یہ تخلیہ کی منزل ہے اور وہ اوصاف جمیلہ اور عادات علیہ جو انسان کو حضیض ناسوت سے بلند کر کے اوج ملکوتی تک لے جانے کے لئے پیش خیمہ بنتے ہیں ان سے آراستہ ہونا انسانی شرافت کا تقاضا ہے تحلیہ کا مقام ہے۔ پس عظمت کردار کے اس روشن میدان میں قدم رکھنے کے لئے عقل انسانی نظریاتی طور پر پوری بے چینی سے آمادہ رہتی ہے لیکن اپنے نظریات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے گردوپیش کی مخالف قوتوں سے یکبار ٹکرانا بھی اس کے لئے ایک عظیم جنگ لڑنے کے مترادف ہوتا ہے لہذا عقل کی مشکلات میں سے ایک مشکل یہ بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ تاسن بلوغ اپنی مخالف قوتوں میں دب کر رہنے اور قہراً خواہشات نفسانیہ کے فیصلوں کو مسلسل قبول کرتے رہنے کے باعث اس کے اپنے نظریات میں بھی صحت و صداقت مخدوش ہو جاتی ہے اور فطری طور پر اگرچہ وہ پورے خلوص کے ساتھ انسانیت کے حق میں یہ صحیح فیصلہ چاہتی ہے تاہم بعض اوقات خواہشات سے مغلوبیت کی بنا پر لغزشوں کی امکان سے مبرا بھی نہیں قرار دی جاسکتی

پس خداوند کریم نے اپنے کمال فضل و کرم اور لطف و احسان سے اپنی طرف سے ظاہری رسولوں اور نبیوں کا انتظام فرمایا اور ان کے بعد ان کی قائم مقامی کے لئے نائبین کا سلسلہ جاری کیا تاکہ ہر دور کے انسانوں کے لئے ان کی عقول کی خالق کائنات کی منشاء کے مطابق رہنمائی کی جاسکے تاکہ اوصاف رذیلہ اور اوصاف حمیدہ کو ان کی ہدایات کے ماتحت سمجھنے کے بعد عقل کی روشنی میں ذلت و پستی کی خار دار اور پرخطر وادی سے نکل کر عزت و رفعت کی پرسکون و پربہار و پرامن فضا کی طرف منتقل ہو سکے۔ پس ایسے عادات و اطوار سے بچے جو زمانہ بچپن میں جذبات و ہیجانات نفسیہ کی پیداوار تھے جن کو وہ اپنے چاہنے والوں کی نازبرداریوں کی بدولت قدغن نہ ہونے کی وجہ سے اپنا فطری حق اور آزادی نفس سمجھ بیٹھا تھا اور اسی کا نام تخلیہ ہے اور بد عادات سے گریز کرنے کے بعد ان اوصاف حسنہ کو اپنے اندر جذب کرے جو عقل کے عین مطابق ہیں اور خالق کائنات کے نمائندوں کے ذریعے سے انسان کو سمجھا دیئے گئے ہیں اور یہ ہے منزل تحلیہ۔ اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ خواہشات نفس کے ساتھ عقل کی یہ جنگ ایک جہاد عظیم کا درجہ رکھتی ہے جو

کفار و مشرکین و منافقین کے ساتھ ظاہری جنگوں کی بہ نسبت سخت تر ہے

جس طرح ظاہری جسم کو زینت دینے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے میل کچیل سے اس کو پوری طرح صاف کرے پھر عمدہ لباس زیورات اور خوشبویات وغیرہ سے اس کی زیب و زینت کا سامان کرے کیونکہ صفائی کے بغیر جسم کی آرائش ایک احمقانہ اقدام ہے یا جس طرح بیمار کی تندرستی کے لئے دوا و غذا کے استعمال سے مُضر اور نقصان دہ اشیاء سے پرہیز کا درجہ مقدم ہے

مثال کے طور پر وہ زمین زرخیز جو مدت سے بنجر چلی آرہی ہو۔ اسمیں قسم قسم کے خاردار و نامناسب پودے اور جھاڑیاں پیدا ہو کر جہاں اس کی افادیت کو ختم کر دیتی ہیں وہاں وہ حیوانات صحرائی اور درندگانِ جنگلی کا مستقل مسکن بن کر انسانوں کے لئے ایک خطرناک وحشتناک اور قابلِ نفرت خطہ قرار پاجاتی ہے اب اگر کوئی باہمت انسان اسے ایک وادی حسین یا خوشنما و دلکش گلستان کی شکل میں ڈھالنا چاہے تو کافی محنت سے اسے پہلے تمام نامناسب پودوں اور خاردار جھاڑیوں کو مناسب آلات و اسباب کی مدد سے ہٹانا پڑے گا پھر اس زمین کی ناہمواری کو ہل چلا کر آلات مناسبہ کے ذریعے سے دُور کر کے اُسے قابلِ کاشت بنانا ہوگا خواہ اس عمل میں اسے کس قدر ہی محنت یا مدت خرچ کرنا پڑے۔ جب یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے تو مناسب موسم کے لحاظ سے اسمیں مُثمرے اور نفع مند بیج کاشت کئے جائیں گے تب بارانِ رحمت کا نزول زمین کی قوتِ نامیہ کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرے گا اسی اندوہناک خطۂ ارض کو ایک قابلِ رشک سیرگاہ اور دلکش سبزہ زار کی حیثیت میں ڈھال دے گا پس وہی درندگانِ صحرائی کی آماجگاہ انسانوں کے لئے تفریحِ طبع کا موجب ہوگی اور خطرناک وادی ایک زرخیز اور سونا اگلنے والی زمین کہلائے گی اور ٹکوں کے بدلے میں بکنے والی زمین اب زر و جواہر کی تھیلیوں کے بدلے فروخت کئے قابل ہوگی

بعینہٖ اسی طرح انسانی قوتیں اور مشاعر جو انسانی جسم میں خالقِ فطرت کی جانب سے سموئے گئے ہیں جن کی بدولت انسان کو اشرف المخلوقات کے زرین تاج کے اہل قرار دیا گیا ہے بچپنے کی آزادیوں اور چاہنے والوں کی ناز برداریوں کی بدولت ہر قسم کی بے راہ رویوں کے ماتحت جذبات و خواہشات کا مرکز بن جاتی ہیں گویا معنوی طور پر انسانی وجود کی یہ فضیلت خیز اور شرافت آفرین زمین خواہشات و جذبات

کی خاردار جھاڑیوں کے نشوونما کا مرکز بن جاتی ہے۔ پس وقار انسان اور ناموس شرافت کے دشمن درندے غصہ کینہ لالچ جھوٹ حرام خوری بخل جلد بازی فساد حسد وغیرہ وہاں اپنا مستقل مسکن بنا لیتے ہیں حتاکہ متاع انسانیت شرافت حیا دیانت و متانت کا تصور بھی ادھر سے نہیں گذر سکتا۔ جب سن بلوغ تک پہنچ کر عقل کی آنکھ کھلتی ہے تو متاع شرافت انسانیہ کا قابل کاشت رقبہ اور ناموس کرامت بشریہ کا قابل قدر ملکوتیت پذیر علاقہ اسے خطرناک و اندوہناک بلکہ مسکن صفات درندگی نظر آتا ہے پس اگر عقل رسول ظاہری اور حجت معصوم سے ہدایات حاصل کر کے اس کی تعمیر کی طرف توجہ دے تو اس میں شک نہیں کہ اسے جہادِ عظیم کا سامنا تو ہوگا لیکن اس کی خداداد فاتحانہ قوتیں ایک دن ضرور اسے نفس مطمئنہ کے مرتبہ تک پہنچا دیں گی۔ سب سے پہلے خواہشات و جذبات کے جنگلات کو متانت و شرافت کے آلات سے مناسب انداز میں کاٹنا ہوگا۔ پھر ذہن و خرد کی قلبہ رانی سے اسے ہموار کرنا ہوگا چنانچہ صفات خبیثہ و خسیسہ کی درندہ حیثیت یقیناً ختم ہو جائے گی اور عقل خدائی نمائندگان کی ہدایات کی روشنی میں صفاتِ جمیدہ اور عادات اصیلہ کی کاشت کریگی ادھر توفیقات الٰہیہ بارانِ رحمت کی حیثیت سے برسیں گی اور قوائے انسانیہ اپنی خداداد استعدادات کے ماتحت اپنے جوہر نمو و ارتقاء کو ظاہر کریں گی۔ پس یہ زمین پر بسنے والا انسان اپنے ملکوتی صفات میں نمایاں ترقی کر کے عالم بالا کے سکان کے لئے قابلِ رشک ہستی بن کر ابھرے گا۔

عقل کی تخریب کاری یا تعمیر کاری

انسانی دماغ صفحہ گیتی پر جنم لینے کے بعد ابتدائی طور پر ایک ساکن و جامد چربی نما مادہ کی حیثیت سے کاسہ سر میں محفوظ ہوتا ہے جسمیں ایک وقت معین کے بعد حرکت پیدا ہوتی ہے اور اس کے خلیوں میں احساس و شعور کی پوشیدہ قوتیں ظاہر ہونا شروع ہوتی ہیں۔ گویا اس تاریک و تار فضا میں بیرونی اثرات کے دباؤ سے یا اندرونی تحریک کی بدولت قندیل دماغ میں نور عقل کی ایک شعاع جنم لیتی ہے جسمیں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور عقل عقل ہیولانی کے مرتبہ سے نکل کر آہستہ آہستہ عقل مستفاد عقل بالملکہ اور عقل بالفعل کی منازل کو طے کرتی ہے گویا عقل ناتوانی سے توانائی تک

تدریجاً پہنچ جاتی ہے جس زمانہ میں عقل بالکل ناتوانی کے عالم میں گوشہ ہائے دماغ کے تنگ و تار خلیوں میں چمک کر ذہنی فضا کے دھندلکوں میں ضیا پاشی کرتی ہے اس وقت جذبات و خواہشات کی تکمیل میں دنیا کا یہ نووارد مولود پورے طور پر مطلق العنانی سے خود بینی خود غرضی خود پرستی کا دلدادہ ہوتا ہے اور اس کے چاہنے والے اس کی جائز و ناجائز ہر آواز پر لبیک کہنے میں سرور محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کا نازک مزاج اور نازنین طبع تکمیل خواہش اور نفس پرستی کی راہ میں کسی بھی رکاوٹ کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کیونکہ وہ پوری طرح خواہش نفس کے ہاتھوں میں ایک کھلونے کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا عقل ناتواں کو نفسانی خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی پڑتا ہے پس جب عقل عالم شباب و توانائی میں قدم رکھتی ہے تو خواہشاتِ نفسانیہ کے سامنے مسلسل اور طویل جھکاؤ کے بعد اسمیں ہمت ہی نہیں رہتی کہ خواہشات نفس کے غلط فیصلوں کے سامنے صدائے احتجاج بلند کر سکے۔

ادھر رسول باطنی کی حیثیت سے وہ اپنے فرائض کا احساس بھی رکھتی ہے اور باقی مخلوق سے اپنی امتیازی شان کو بھی سمجھتی ہے لیکن قوائے جسمانیہ پر جن خواہشات و جذبات نے مدت سے قبضہ جما رکھا تھا ان کے قبضے کو چیلنج کرنا اور اس سے ٹکر ا پاسکہ جمانا بھی ایک بہت بڑی ہمت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ تو عقل کے لئے اس دشوار گذار مرحلہ پر پہنچ کر دو راستے ہیں یا تو مستقل طور پر خواہشات کے سامنے جھک کر ان کے ماتحت زندگی کے لمحات بسر کرنے پر رضامند ہو جائے اور یا اپنی خداداد قوت و قابلیت کے بل بوتہ پر خواہشات نفس کے ناجائز قبضہ کو چیلنج کر کے ان کے ساتھ نپٹنے کے لئے ہر ممکن ذرائع کو عمل میں لائے اور بالآخر انسانیت کو نفسانی قید و بند سے آزاد کرا لینے کے بعد اسے روح انسانیت اور شرافت آدمیت کے بلند ترین منازل تک لے جانے کی سعادت حاصل کرے۔

پس اس دوراہے پر اگر عقل کو صحیح قیادت میسر آگئی اور خدائی نمائندوں کی بدولت اسے اپنے صحیح فرائض کا احساس اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا جذبہ مل گیا تو وہ خواہشات نفس کے

خلاف علم جہاد بلند کرنے میں بخل نہ کرے گا پس زمین انسانیت پر پیدا ہونے والی خواہشات و جذبات کی تمام خاردار جھاڑیوں کو اپنی دیانت و متانت و شرافت و نجابت کی افواج کی مدد سے کاٹ دے گا تاکہ عادات رذیلہ و صفات ردئیہ سے صفائی کر کے صفات جمیلہ اور عادات حسنہ سے اس کی تعمیر میں جان توڑ کوشش کر کے وجود انسانی کو عالم ملکوت کے باسیوں کی نظروں میں بھی ایک قابل رشک ہستی بنا دے گا کیونکہ عقل کی صحیح تربیت انسانی کردار میں تعمیر کاری کا زینہ ہے

لیکن اگر خدانخواستہ عقل کو اس منزل پر صحیح قیادت دستیاب نہ ہو سکی اور خواہشاتِ نفس کی اسیری اس کا مقدر بن گئی تو یہی عقل خواہشاتِ نفس کی وکالت میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کرے گا پس خواہشات نفس کی ترجمانی میں وقارِ انسانیت اور شرافتِ آدمیت کو روندڈالنے میں اپنا زور لگائے گا اور یہی وجہ ہے کہ عقل انسانی کی تربیت اگر ہادیان دین کی تعلیمات کی روشنی میں ہو تو خواہشاتِ نفس سے جہاد کر کے تعمیر انسانیت میں وہ بہترین کردار ادا کر سکتی ہے لیکن اگر تربیت صحیح نہ ہو تو یہی عقل تخریب کاری میں بھی بھیانک اقدام کا موجب ہو سکتی ہے اسی لئے ذہین ترین انسان جس طرح صحیح خطوط پر چل کر کے انسانیت کے لئے بہترین تعمیر کار ہو سکتا ہے اس کے برعکس ذہین ترین انسان ہی اگر غلط راستہ پر چل نکلے تو دنیا کا بدترین تخریبکار بھی بن سکتا ہے۔

خوف و رجا

بکثرت احادیث محمدؐ و آل محمدؑ علیہم السلام سے وارد ہیں کہ مومن کا ایمان خوف اور رجا کے دونو پہلوؤں میں ہوتا ہے پس مومن وہ ہے جس کے دل میں جس قدر خوف خدا ہو اسی قدر امید رحمت بھی ہو اگر دل میں خوف ہو اور امید رحمت نہ ہو تب بھی مومن نہیں ہوتا اور برعکس اس کے اگر اُمید رحمت ہو اور اس کی گرفت کا کوئی ڈر نہ ہو تب بھی مومن نہیں ہوتا اسی بناء پر اللہ کی گرفت سے نڈر ہونا اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا گناہان کبیرہ میں سے ہیں، چنانچہ جب ہمام نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے متقین کے اوصاف بیان کرنے کی درخواست کی تھی تو مولائے کائنات نے اپنے

ایک تفصیلی بیان میں متقین کے اوصاف بیان فرمائے جن کا حال اور بازگشت انہی دو پہلوؤں کی طرف ہے یعنی متقی وہ ہوتا ہے کہ خوف جہنم اور گرفت پروردگار کا تصور اس پر اتنا غالب ہو کہ گویا جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے اس کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور جہنمیوں کی چیخ و پکار اور فریاد واویلا اس کی کانوں میں پہنچ رہے ہیں اور اس کی گرمی سے اس کا بدن جھلسا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ امید بخشش اور طمع جنت کا تصور اس قدر ہو کہ گویا نسیم جنت کی خوشبو اس کے مشام سے آ رہی ہے اور نعمات جنت سے وہ بہرہ ور ہو رہا ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ خوف کا درجہ رجا سے مقدم ہے کیونکہ خوف آنے والے خطرات و مصائب کے تصور سے ہوتا ہے اور رجا حاصل ہونے والے منافع و فوائد کے تصور کی بناء پر ہوتی ہے اور عقلاء کے نزدیک حاصل ہونے والے نفع کی بہ نسبت رونما ہونے والی مصیبت سے بچاؤ کا سامان مہیا کرنا زیادہ اہم و ضروری ہوا کرتا ہے تو گویا مقام خوف کے مقدم ہونے کا مقصد یہ ہے کہ انسان نفس کی ان غلطیوں اور لغزشوں سے کنارہ کشی کرے جو آنے والے مصائب کا پیش خیمہ ہوں اور پھر ایسے اوصاف اپنے اندر پیدا کرے جو آنے والے منافع کا سبب ہوں۔ پس غلطیوں سے رکنا جہنم سے نجات حاصل کرنے کا پروانہ ہو گا اور نیکیوں کی بجا آوری جنت میں داخلہ کی ٹکٹ ہو گی۔ پس عملی طور پر متقی لوگ وہی ہو سکتے ہیں جو نامناسب کردار سے بچنے والے ہوں اور مناسب و موزوں عادات و اطوار سے آراستہ ہونے والے ہوں پس خوف و رجا کے درمیان مومن کے ایمان کی تحدید اسی نکتہ کے پیش نظر ہے۔

قرآن میں اِتَّقَوْا اور اَحْسَنُوْا کی بندش بھی اسی مقصد کو ظاہر کر رہی ہے کیونکہ اِتَّقَوْا لغوی معنی کے اعتبار سے منزل خوف کو ظاہر کرتا ہے اور اَحْسَنُوْا منزل رجا کا پیش خیمہ ہے گویا تکمیل انسانیت کے لئے رفتار عمل اسی طریقے سے ہونی چاہیئے کہ پہلے نفس کو منزل خوف پر لا کھڑا کرے تمام ان اوصاف خسیسہ سے گریز کرے جو ناراضگی پروردگار کی موجب ہیں اور جہنم تک جانے کی محرک ہیں اس کے بعد پھر وجود انسانی کو نیکیوں کے زیور سے آراستہ کرنے کی کوشش

کرے جو اہل جنت کے شایان شان ہیں اور رضائے پروردگار کا زینہ ہیں اور وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ کا جملہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہوجانے کی سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

نیز ارشاد پروردگار! يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہوجاؤ۔ یہی اسی مقصد کی دوسری تعبیر ہے کہ تعمیر کردار میں غلطیوں اور برائیوں سے بچنا پہلے ہوتا ہے اور صادقین کی ہدایات کے ماتحت اوصاف حسنہ سے آراستگی کی نوبت بعد میں آتی ہے کیونکہ صفائی کا درجہ آرائش سے مقدم ہے اور بیماری کا علاج کرنا اور تندرستی حاصل کرنا غذا کی افادیت کا مقدمہ اور پیش خیمہ ہوا کرتا ہے

عقل و جہل کی افواج

اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ عقل انسانی بذات خود رسول باطنی کی حیثیت سے تعمیر کردار کیلئے ہی پیدا ہوئی ہے اور اس کے مقابلہ میں جہالت تخریب کاری کی اصل جڑ ہے پس عقل اوصاف حسنہ اور اخلاق جمیلہ کے ساتھ موزونیت رکھتی ہے جو انسانی تمدنی زندگی کے لئے خوشگوار فضا پیدا کرنے کی ضامن ہیں اور جہالت اوصاف خسیسہ اور اخلاق رذیلہ کو جنم دینے کی موجب ہوتی ہے جو تمدن انسانی کیلئے تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور روایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ عقل کے وزراء و معاونین پچھتر ہیں (ان سے مراد وہ اوصاف حسنہ ہیں جن کو عقل کے ساتھ مناسبت ہے) اور اس کے مقابلہ میں جہالت کے وزراء و معاونین بھی پچھتر ہیں (ان سے مراد وہ اوصاف رذیلہ ہیں جو جہالت کی پیداوار ہیں)

۱۔ عقل کو صفت خیر عطا ہوئی جو عقل کی وزیر ہے اور جہالت کو صفت شر ملی جو جہالت کی وزیر ہے

۲۔ عقل کے لئے صفت ایمان	جہالت کے لئے صفت کفر
۳۔ عقل کے لئے تصدیق	جہالت کے لئے انکار
۴۔ عقل کے لئے رحمت پروردگار سے پُرامید ہونا	جہالت کے لئے مایوسی
۵۔ عقل کے لئے صفت عدل و انصاف۔	جہالت کے لئے جور و ستم

۶۔	عقل کے لئے	اللہ کے فیصلہ پر رضامندی	جہالت کے لئے	ناراضگی
۷۔	″	صفت شکر نعمت	″	کفرانِ نعمت
۸۔	″	طمع رحمت	″	نااُمیدی
۹۔	″	توکّل بر خدا	″	حرص
۱۰۔	″	نرم دلی	″	سنگدلی
۱۱۔	″	رحیم ہونا	″	غصہ کرنا
۱۲	″	علم	″	بے علمی
۱۳	″	صفت دانائی	″	صفت حماقت
۱۴	″	پاکدامنی	″	پردہ دری
۱۵	″	پرہیزگاری (عاداتِ بد سے)	″	رغبت (عاداتِ بد کی طرف)
۱۶	″	نرمی (رفق)	″	سختی (خرق)
۱۷	″	خوف خدا	″	جرأت (گناہ پر)
۱۸	″	فروتنی (تواضع)	″	بڑائی (تکبر)
۱۹	″	سنجیدگی	″	جلدبازی
۲۰	″	حلم	″	بے وقوفی
۲۱	″	خاموشی	″	فضول گوئی
۲۲	″	اطاعت شعاری	″	سرکشی
۲۳	″	تسلیم	″	شک
۲۴	″	درگذر	″	کینہ پروری
۲۵	″	صبر و حوصلہ	″	جزع (شور واویلا)
۲۶	″	چشم پوشی	″	انتقام

۲۷۔ عقل کے لئے	خودداری	جہالت کے لئے	احساس کمتری
۲۸۔ "	نصیحت کو قبول کرنا	"	فراموشی
۲۹۔ "	حفظ	"	نسیان
۳۰۔ "	صلہ رحمی	"	قطع رحمی
۳۱۔ "	کفایت شعاری	"	لالچ
۳۲ "	صفت ہمدردی	"	خودغرضی
۳۳ "	دوستی	"	عداوت
۳۴ "	وفا	"	غداری
۳۵ "	نیکی	"	گناہ
۳۶ "	خضوع	"	اوچھاپنی
۳۷ "	سلامتی	"	مصیبت
۳۸ "	حب	"	بغض
۳۹ "	سچائی	"	جھوٹ
۴۰ "	حق	"	باطل
۴۱ "	امانت	"	خیانت
۴۲ "	اخلاص	"	ملاوٹ
۴۳ "	ذکاوت (ذکی ہونا)	"	بلادت (بلید ہونا)
۴۴ "	ذہانت (ذہین ہونا)	"	غباوت (غبی ہونا)
۴۵ "	معرفت	"	انکار
۴۶ "	دلجوئی	"	سخت کلامی
۴۷ "	غائبانہ خیرخواہی	"	فریب کاری

۴۸۔	عقل کے لئے رازداری	جہالت کے لئے افشار راز
۴۹۔	" نماز گذاری	" ترک نماز
۵۰۔	" روزہ	" ترک روزہ
۵۱۔	" جہاد	" فرار کرنا (بزدلی)
۵۲۔	" حج کرنا	" عہد میثاق کی خلاف ورزی
۵۳۔	" بات کو محفوظ رکھنا	" چغلخوری
۵۴۔	" والدین کے ساتھ نیکی	" والدین کے ساتھ نافرمانی
۵۵۔	" حقیقت	" ریاکاری
۵۶۔	" معروف	" منکر
۵۷۔	" پردہ داری	" ھتک پردہ
۵۸۔	" تقیہ	" اذاعت
۵۹۔	" انصاف	" بے انصافی
۶۰۔	" اصلاح	" بغاوت
۶۱۔	" صفائی	" میلا کچیلا رہنا
۶۲۔	" حیا	" بے حیائی
۶۳۔	" میانہ روی	" حد سے بڑھنا
۶۴۔	" آرام	" تھکان
۶۵	" سہولت	" صعوبت
۶۶	" برکت	" بے برکتی
۶۷	" عافیت	" بلاء
۶۸	" اعتدال	" بے اعتدالی

۶۹۔ عقل کے لئے	حکمت	جہالت کے لئے	خواہش
۷۰۔ ″	صفتِ وقار و متانت	″	صفت چھچھورا پن
۷۱۔ ″	سعادت (نیک بختی)	″	شقاوت (بدبختی)
۷۲۔ ″	توبہ	″	گناہ پر اصرار کرنا
۷۳۔ ″	استغفار	″	خود فریبی
۷۴۔ ″	اپنی ذمہ داری کا احساس	″	غفلت
۷۵۔ ″	دعا	″	سرتابی
۷۶۔ ″	ہوشیاری	″	کاہلی و سستی
۷۷۔ ″	فرح (کشادہ روئی)	″	حزن (ترشروئی)
۷۸۔ ″	الفت	″	فرقت
۷۹۔ ″	سخاوت	″	بخل

حدیث میں ان اوصاف کو اجناد سے تعبیر کیا گیا ہے اور اجناد جمع ہے جند کی جس کا معنی ہے فوج گویا عقل کی فوجوں کے مقابلہ میں جہالت کی فوجیں ہیں جو ہر وقت برسر پیکار رہتی ہیں۔ یعنی عقل اور جہل میں کسی وقت بھی مصالحت کا امکان نہیں اور دونو طرف سے فوجیں ہر وقت میدانِ کارزار میں مصروفِ جنگ ہوتی ہیں۔

حدیث کے آخر میں یہ تصریح موجود ہے کہ عقل کی یہ تمام فوجیں (تمام اوصاف حسنہ) انبیاؑ و اوصیاء میں مکمل طور پر پائی جاتی ہیں اور بعض ایسے مومنوں میں بھی یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ جن کا ایمان امتحان کی کسوٹی پر جانچا اور پرکھا جا چکا ہے اور باقی جو عام موالی و محب ہوتے ہیں۔ ان میں بعض صفات کا وجود ضروری ہے پس وہ کوشش کر کے باقی صفات کو بھی اپنے اندر پیدا کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ وہ جہالت کی فوجوں کو نیست و نابود کر دیا کرتے ہیں پس ایسے لوگوں کا انجام انبیاء و اوصیاء کے ہمراہ جنت کے بلند درجات میں ہوگا اور یہ تب

ہی ہو سکتا ہے کہ عقل اور اس کی فوجوں کی معرفت ہو اور جہالت اور اس کی فوجوں کا پتہ ہو۔

غلط فہمی کا ازالہ

حدیث مذکور میں معصوم نے افواج عقل اور افواج جہل کی تعداد پچھتر ۷۵ پچھتر ۷۵ بیان فرمائی ہے لیکن شمار میں اناسی ۷۹ ہو گئی تو اس کی وجہ راوی کے حافظہ کی کمزوری بھی ہو سکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض صفات کو لفظی تغیر دیکر مکرر بیان کرنے سے تعداد میں فرق آگیا ہو اور یہ بھی راوئ حدیث کے عدم ضبط کا نتیجہ ہے۔

مزید تشریح

مقصد یہ ہے کہ ہر انسان فطری طور پر اپنے اندر ہر بری صفت کے اپنانے کی قوت اور جذبہ رکھتا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں عقل کے پاس اس کا متبادل انتظام بھی خالق فطرت کے فیض خفیہ کا مرہون منت ہے بلکہ جس طرح فرمان ہے۔ وَسِعَتْ رَحْمَتُهٗ غَضَبَهٗ یعنی اس کی رحمت اس کے غضب سے وسیع ہے۔ اسی طرح عقل انسانی پر صفات حسنہ کی افواج کی فیاضی اس کی رحمت بے پایاں اور فضل نمایاں کی ناقابل فراموش دلیل ہے اور اسی کی بدولت ہی تو انسان کو باقی تمام مخلوقات کے مقابلہ میں تاج کرامت کا اہل قرار دیا گیا ہے۔

صفحہ ہستی پر جنم لینے کے بعد ابتداء میں چونکہ عقل ایک سربمہر خزانہ کی طرح دماغ کے خلیوں اور پردوں میں مکتوم و محفوظ بلکہ ساکن و ساکت ہوتی ہے اور اعضاء جسم کی تدریجی ترقی کے ساتھ ساتھ اسمیں بھی حرکت نمودار ہوتی ہے اور دماغ کے پردوں سے جھانک جھانک کر کبھی کبھار وہ مملکت جسم میں ہونے والی ان دھاندلیوں کا جائزہ لیتی رہتی ہے جو جہالت کی افواج کی پیداوار ہوتی ہیں لیکن اپنی انتہائی ناتوانی سے بے بس ہو کر اس کا ایکشن لینے کی جرأت نہیں کرتی اور جسم کے سن بلوغ تک پہنچتے پہنچتے عقل بھی جوانی کے میدان میں قدم رکھتی ہے لیکن اس سفر میں باوجود خاموش رہنے کے مملکت انسانی کے اندر واقع ہونے والی ہر خرابی اور افواج جہالت کی لائی ہوئی ہر غلط پالیسی کا نوٹس لے چکی ہوتی ہے پس اس مرحلہ پر اگر اس کو صحیح قیادت مل جائے اور حکومت الٰہیہ کے معصوم نمائندگان کی ہدایت سے بہرہ اندوز

ہو جائے تو عقل کو مقصود زندگی بھی نظر آجاتا ہے اور اپنی افواج کی طاقت کا اندازہ کر کے اس میں افواج جہالت سے ٹکرانے کا جذبہ بھی تیز سے تیز تر ہو جاتا ہے کیونکہ بچپنے میں عقل خود بھی بے بس اور دم بخود تھی تو اس کی افواج و عساکر بھی دم بخود تھے پس جہالت اور اس کی افواج بچپنے میں بلا مقابلہ مملکت جسم پر قابض تھے گویا حرص و ہوس بخل و غفلت اور جلد بازی بلکہ تمام اوصاف خسیسہ کا دور دورہ تھا اب جو عقل نے آنکھ کھولی اور وہ سمجھی کہ اس مملکت کا پایۂ تخت میری جاگیر ہے اور جہالت ناجائز طور پر قابض ہے تو اس نے اپنی طاقت اور افواج کی پختگی و عظمت کا جائزہ لے کر حکومت جہالت کو چیلنج کر دیا (بشرطیکہ اس کی قیادت خدائی نمائندوں کے ہاتھ میں ہو)

یہ یاد رکھئے کہ جاہلانہ صفات منفی پہلو ہیں جبکہ عاقلانہ صفات انسانی کردار میں مثبت پہلو کا درجہ رکھتی ہے یعنی عقلی صفات وجودی ہیں اور جہالت کی صفات عدمی ہیں۔۔۔۔۔۔

مثلاً علم و جہالت میں سے علم مثبت اور جہالت منفی حیثیت رکھتی ہے جس طرح روشنی کے مقابلہ میں تاریکی اور یہ ظاہر ہے کہ جب مثبت و منفی کا مقابلہ ہو تو کبھی منفی پہلو مثبت پہلو سے ٹکرایا نہیں کرتا بلکہ مثبت کو دیکھتے ہی وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ جس طرح علم کے آتے ہی جہالت خود بخود بھاگ جاتی ہے روشنی کو دیکھتے ہی تاریکی خود بخود کافور ہو جاتی ہے اور حیا کے آتے ہی بے حیائی اپنی موت خود مر جاتی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ پس افواج عقل کے مقابلہ میں افواج جہل کا ذکر صرف افہام و تفہیم کے لئے ہے ورنہ جب افواج عقل مملکتِ انسانی میں پیش قدمی کرتی ہیں تو افواج جہالت خود بخود میدان چھوڑ کر بھاگ جاتی ہیں بلکہ اپنی موت خود مر جاتی ہیں۔ لہٰذا افواج عقل کے لئے افواج جہل سے ٹکر لینے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

البتہ مشکل یہ ہے کہ عرصۂ شباب میں قدم رکھتے تک یا عقل کے اپنی افواج کی کمان سنبھالنے کے عرصہ تک، جو اس مملکت میں افواج جہالت نے دھاندلی مچائی ہوئی تھی حتیٰ کہ خواہش نفس نے نسناؤں، ترتوں کو جہالت کے زیر سایہ رہ کر اپنا مطیع و فرمانبردار بنایا ہوا تھا اس کے

اثرات کو یکسر ختم کر دینا اور ان کے مزاج کو فوراً بدل دینا اس علل و اسباب کی دنیا میں اگر محال نہیں تو دشوار ضرور ہے اس لئے عقل کی تمام افواج کا بیک... وقت اپنے اپنے مخصوص محاذ کا رخ کرنا ظاہراً اشد دشوار امر ہوتا ہے پس انبیاء و اوصیاء کے لئے تو یہ بات اس لئے مشکل اور دشوار نہیں کہ وہ ابتدا ہی سے جہالت اور اس کی افواج کی دسترس سے بحفظ خدا مامون و مصون ہوتے ہیں لیکن عام انسانوں کے لئے یہ امر وقت طلب ہے پس سب سے پہلے آسان ترین محاذ پر قدم جمانا ہو گا پھر رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے پوری مملکت پر قبضہ جمانے کی نوبت آئے گی کیونکہ ہر صفتِ خیر کی آمد صفتِ شر کی موت کا باعث ہو گی اور مومن وہ ہے جو نیکیوں کی طرف قدم بڑھاتا ہے پس اس کے وجود سے تدریجاً برائیاں ختم ہو جائیں گی یہاں تک کہ وہ اپنے مقصود اصلی تک پہنچ جائے گا جو ارتقاء انسانی کی آخری منزل ہے اور افواج عقل کی افواج جہل کے ساتھ جنگ کا دوسرا نام جہاد اکبر ہے۔

جہادِ اکبر

حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے مضبوط انسان وہ ہے جو اپنے نفس کی عیب جوئی کرے اور مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبرؐ نے ایک لشکر کسی محاذ پر بھیجا جب وہ فاتح ہو کر پلٹا تو آپ نے بطور تحسین و آفرین کے فرمایا۔ مرحبا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے جہاد اصغر کا فریضہ انجام دیا کیونکہ جہاد اکبر ابھی ان کے ذمہ ہے لوگوں نے عرض کی۔ حضور! جہاد اکبر کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہے اپنے نفس سے جہاد کرنا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے منقول ہے آپ نے فرمایا جو شخص رغبت خوف شہوت اور غصہ کے مقامات پر اپنے نفس کو پوری طرح اپنے قابو میں رکھے خداوند کریم نے ایسے شخص کے جسم پر آتش نار کو حرام کیا ہے۔

دشمنانِ دین کے مقابلہ میں میدانِ کارزار میں جاکر لڑنے کا نام جہادِ اصغر اور خواہش نفس کا مقابلہ کرکے بری عادات کا قلع قمع کرنے اور صفات حسنہ سے متصف ہونے کا نام جہادِ اکبر ہے اور اس کی وجہ صاف ظاہر ہے، کہ دوسروں کو قوت بازو اور طاقت جسمانی کا مظاہرہ کرکے کلمہ حق کا قائل کرنا یا دینی اقدار کا پابند کرنا آسان ہے لیکن اپنے نفس کے ابھرے ہوئے جذبات و خواہشات پر کنٹرول کرنا اور اپنے غصہ کو ضبط کرکے تعلیمات اسلامیہ کے ماتحت نفس کو رام کرنا نہایت مشکل ہے جس کی معقول وجہ میرے گذشتہ بیان سے آشکار ہو چکی ہے کیونکہ جس طرح ایک طویل عرصہ تک ایک زمین کو بنجر چھوڑ دیا جائے تو اس میں نشیب و فراز اور خار دار جھاڑیاں اور غیر مقصود گھاس وغیرہ کا پیدا ہونا قرین قیاس اور مطابق واقع ہے پس ایسی حالت میں وہ زمین جنگلی حیوانات اور خونخوار درندوں کا مسکن بن جاتی ہے حتیٰ کہ راہگذاروں کے لئے اس کے پاس سے گذرنا بھی دشوار ہو جاتا ہے اسی اندازہ سے انسانی بچہ روزِ پیدائش سے تا سن بلوغ مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے زندگی گذارتا ہے اور اس کے چاہنے والے اس کی ہر جائز و ناجائز بات پر تحسین و آفرین کی آوازیں بلند کرکے اس کی ہمت بڑھاتے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کا نفس ایک بدلگام اور بے مہار حیوان کی طرح اپنی ہر خواہش کی تکمیل کو اپنا فطری و پیدائشی حق تصور کرنے لگتا ہے اور اس غیر معمولی مدت میں اس کے وجود کی کردار آفرین زمین صفات حسنہ اور اعمال صالحہ سے محروم ہو کر پوری طرح بنجر ہو جاتی ہے پس اس کی ناہمواری اور خواہشات و جذبات ناشائستہ کی بے روک ٹوک فراوانی غصہ کینہ ظلم بغض اور حسد وغیرہ جیسی خونخوار درندہ صفات کا اس کو مسکن بنا دیتی ہے اور عقل قبل از بلوغ جب اپنی ناتوانی کے زمانہ میں مملکت انسانیہ پر افواجِ جہالت کی یلغار کا معائنہ کرتی ہے تو اپنی بے بسی کے پیشِ نظر جہالت کی ظالمانہ حکومت اور اس کی افواج کے استبدادی رویّے سے مرعوب ہو کر اس سے مقابلہ کرنا تو درکنار اس کی آنکھ میں آنکھ ڈالنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتی بلکہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتی ہے کیونکہ اس کے ہر فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کئے بغیر اس کے لئے کوئی اور چارۂ کار بھی نہیں ہوتا۔

پس عالم شباب میں قدم رکھنے کے بعد ہادیانِ برحق کی ہدایت کے ماتحت جب اپنی زندگی کے قیمتی مقصد کو دیکھتی ہے اور وجود انسانی پر جہالت کی اجارہ داری کا بھی جائزہ لیتی ہے جو انسان کو اپنے مقصودِ اصلی سے غافل کر کے کسی ناموزوں اور غیر مناسب انجام تک پہنچانے کی موجب ہے تو اب عقل کے سامنے علی الترتیب دو مرحلے ہیں پہلا یہ کہ مدت مدید تک جہالت کے جن فیصلوں کو اپنی بے بسی کے زمانہ میں حق کہہ کر تسلیم کر چکی ہوتی ہے اور جن جاہلانہ نظریات کی تصدیق کر چکی ہوتی ہے اور خاندان یا ماحول کے زیر اثر جس مسلک و مذہب کو زندہ باد کے نعروں کا مستحق قرار دے چکی ہوئی ہے یا گردوپیش کی ہاؤ ہو سے متاثر ہو کر جس سیاسی تحریک کو ملک و ملت اور قوم و وطن کے لئے مفید سمجھ چکی ہوتی ہے۔ ان کے خلاف زبان کشائی کرنا اور اپنی سابقہ روش کو غلط قرار دینا اور اپنے سابق مسلک کو زندہ باد کے بجائے مردہ باد کا مستحق قرار دینا۔ اس قدر بھیانک دلدل ہے جس میں پھنسنے کے بعد خیریت سے نکل آنا انتہائی کٹھن اور مشکل مرحلہ ہے اور یہ جہادِ نفس کا پہلا خار دار مرحلہ ہے جو نہایت دشوار گذار ہے اور اس مرحلہ پر قدم جما لینے اور اپنے موجودہ نظریہ پر ڈٹ کر سابق جاہلانہ نظریہ کو گردن زدنی قرار دینے کے بعد دوسرا مرحلہ ہے میدانِ عمل میں قدم رکھنا اور نظریاتی و عملی طور پر میدانِ جہاد میں کود پڑنا اور یہ پہلے مرحلہ سے بھی کٹھن اور مشکل تر ہے اور یہ جہادِ اکبر ہے گویا قبل از بلوغ کے عادات و نظریات استقلالی طور پر عقل سلیم کے فیصلے کے ماتحت نہیں ہوتے بلکہ ان پر خواہشات و جذبات کا سایہ ہوتا ہے خواہ وہ نفسِ امارہ کی پیداوار ہوں یا خاندان و ماحول و تربیت کا شاخسانہ ہو یا گردوپیش کی ہاؤ ہو کا نتیجہ ہوں۔ ہاں بعض عادات و نظریات بعینی برصحت بھی ہوتے ہیں جن کو عقل سلیم بعد از بلوغ بھی تسلیم کر کے ان پر مہر تصدیق ثبت کر دیتی ہے اور وہ یا تو ذاتی و فطری رجحان کی بدولت ہوتے ہیں یا حسن تربیت کا نتیجہ قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ پس عقل بعد از بلوغ صحیح نظریات اور اچھی عادات کو مملکت انسانیہ میں اپنا پایہ تخت قرار دے کر اسی مملکت میں رونما ہونے والے غلط نظریات اور بری عادات کو چیلنج کر کے ان سے نبرد آزما ہو تو یہ اس کا نام جہادِ اکبر ہے۔

حقیقتِ نفس اور اس کے اقسام

محمد بن حسن عاملی کی کتاب "اثنا عشریہ" سے بروایت کمیل بن زیاد منقول ہے کہ میں نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے عرض کی کہ مجھے آپ نفس کی پہچان کرائیں آپ نے فرمایا تو کون سے نفس کی پہچان چاہتا ہے؛ تو میں نے عرض کی حضور! نفس ایک ہی تو ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے کمیل! نفس چار ہیں۔ (۱) نفس نامیہ نباتیہ (۲) نفس حسیہ حیوانیہ (۳) نفس ناطقہ قدسیہ (۴) نفس ملکیہ الٰہیہ۔ یا کلیہ الٰہیہ (اور دوسری جگہ روایت میں نفس الٰہیہ ملکوتیہ بھی کہا گیا ہے) ہر نفس کی پانچ قوتیں ہیں اور دو خاصیتیں ہیں۔ ۱۔ نفس نامیہ نباتیہ کی پانچ قوتیں ہیں۔ قوتِ جاذبہ۔ قوتِ ماسکہ قوتِ ہاضمہ قوتِ دافعہ۔ قوتِ مربیہ اور اس کی دو خاصیتیں ہیں کمی اور زیادتی۔ یہ جگر سے ہے اور نفس حیوانی کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے (اور دوسری روایت میں ہے کہ اس کی ابتدا نطفہ کے متغیر ہونے سے ہوتی ہے اس کی قرارگاہ جگر ہے اس کا مادہ لطیف غذائیں ہیں اور اس کا فعل نمو و زیادتی ہے ۲۔ نفس حسیہ حیوانیہ اس کی پانچ قوتیں یہ ہیں۔ سامعہ باصرہ۔ ذائقہ۔ شامہ۔ لامسہ۔ اور اس کی دو خاصیتیں ہیں۔ رضامندی اور ناراضگی (غضب) یہ دل سے ہے۔ اور نفس انسانی سے مشابہ تر ہے (اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ قوت فلکیہ ہے اور یہی حرارت غریزیہ ہے جس کی اصل افلاک سے ہے یہ جسمانی پیدائش (وضع حمل) کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اس کے افعال ہیں۔ زندگی حرکت ظلم وجور غلبہ کسب اموال اور شہوت رانی اور اس کی قرارگاہ دل ہے ۳۔ نفس ناطقہ قدسیہ کی پانچ قوتیں یہ ہیں۔ ذکر۔ فکر۔ علم۔ حلم۔ نباہت (زیرکی) یہ نفس ملائکہ یا نفوس ملکیہ سے مشابہ تر ہے اس کی دو خاصیتیں ہیں۔ ناپسندیدہ امور سے پرہیزگاری، پاکیزگی اور حکمت (دانائی) (دوسری روایت میں ہے کہ قوت لاہوتیہ ہے اس کی ابتدا دینی پیدائش سے ہے" یعنی جب انسان جوان ہو کر مکلف ہوتا ہے اور علوم دینیہ کی تحصیل کی طرف قدم بڑھاتا ہے گویا یہ نفس ناطقہ قدسیہ عقل کی زمین سے پیدا ہوتا ہے۔

اس کی قرارگاہ علوم حقیقیہ و دینیہ ہیں اس کا مادہ تائیدات عقلیہ ہے اور اس کا فعل معارف ربانیہ ہیں)
(۴) نفس ملکوتیہ الہیہ یا نفس کلیہ الہیہ یا دوسری روایت کے اعتبار سے نفس الہیہ ملکوتیہ۔ اس
کی پانچ قوتیں ہیں۔ فنا میں بقا۔ تنگی میں خوش حالی۔ ذلت میں عزت۔ غنا میں فقر اور مصیبت
میں صبر اور اس کی دو خاصیتیں حلم و کرم یا رضا و تسلیم ہیں اور یہ وہی نفس ہے جس کی ابتداء
اللہ سے ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ وَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا اور اس کی بازگشت بھی اللہ کی طرف
ہے چنانچہ فرماتا ہے يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً
اور عقل ان تمام نفوں کے درمیان ہوتی ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ نفس الہیہ ملکوتیہ جوہر
بسیط ہے بالذات زندہ ہے اور اس کی اصل عقل ہے (اس جگہ عقل سے مراد عقل کل اور
فطری ہے جس کے متعلق وارد ہے أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ" پس اس کی ابتداء بھی عقل
ہے اور عقل سے ہی اس نے سب کچھ پایا ہے اور اس کی انتہا بھی عقل ہے الخبر)

انسان فرشتہ اور حیوان

حدیث سابق کی رو سے حیوانات میں دو نفس نامیہ نباتیہ اور نفس حسیہ حیوانیہ ہیں لہذا
ان میں ان دونوں نفسوں کے خواص و افعال موجود ہوتے ہیں پس ان میں رضا و غضب بھی
ہے لیکن ان کے پاس عقل نہیں ہے جو ان کو غلط اور صحیح یا جائز و ناجائز ظلم و انصاف اور
حلال و حرام میں فرق کرنے کی دعوت دے پس جہل کے تمام تر اوصاف ان میں پائے جاتے
ہیں کیونکہ علم عقل کے تابع ہے اور وہ عقل سے خالی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ملائکہ ہیں جو نفس
ناطقہ قدسیہ کو اپنے اندر رکھتے ہیں لیکن نباتیہ و حیوانیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے غضب، جور، ظلم
اور شہوت وغیرہ جیسی عادات خبیثہ سے پاک ہیں گویا حیوانات کے پاس نفسی خواہشات و جذبات
اور عادات رذیلہ ہیں لیکن ان پر کنٹرول کرنے والی عقل نہیں ہے لہذا وہ بروز محشر عادات
خبیثہ کی باز پرس سے مستثنا ہیں اور ملائکہ میں قوت عاقلہ تو ہے لیکن اس کا مقابلہ کرنے والی

افواج جہل نہیں ہیں۔ جن کو نفسی خواہشات اور جذبات جنم دیتے ہیں لہٰذا وہ روز حساب کی باز پرس سے بے نیاز ہیں۔

انسان کو پروردگار نے نفس نباتیہ اور نفس حیوانیہ کے علاوہ نفس ناطقہ قدسیہ کی دولت سے بہرہ ور فرمایا ہے لہٰذا تمام حیوانی قوتیں اور خاصیتیں بھی اس کے اندر موجود ہیں۔ اور دوسری طرف ان حیوانی قوتوں پر کنٹرول کرنے والی عقل بھی اس کے پاس موجود ہے لہٰذا اگر حیوانی کردار ادا کرے گا تو عقل کو نظر انداز کرنا پڑے گا اور اگر ملکوتی کردار اپنائے گا تو خواہشات و جذبات حیوانیہ پر کنٹرول کر کے اپنائے گا۔ گویا اس کی نیکی خواہشات نفس سے جہاد کرنے کے بعد معرض وجود میں ظاہر ہو گی اور اس کی برائی عقل کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر منظر شہود پر آئے گی۔ پس انسان ہی اخروی باز پرس کا سزاوار ہے اگر نیکی کرے گا تو اس کی جزا پائے گا اور برائی کرے گا تو اس کی سزا پائے گا بلکہ نیکی کرے گا تو اس کا مقام ملائکہ سے بلند تر ہو گا کیونکہ ملائکہ کی عبادت میں مقابل کی قوتوں سے لڑائی نہیں ہے اور ان کی نیکی بلا مقابلہ ہے اور انسان کی نیکی افواج جہل سے جنگ کرنے کے بعد سرزد ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت کا درجہ فرشتہ کی عبادت سے بلند تر ہے لیکن اگر انسان برائی کرے گا، تو اس کا مقام حیوانوں سے پست تر ہو گا کیونکہ حیوانوں کی غلط کاری قابل عفو ہے اس لئے کہ ان کو برائی اور غلط کاری سے روکنے والی عقل عطا نہیں کی گئی۔ پس ان کو غلطی کی پاداش میں داخل جہنم نہیں کیا جائے گا اور انسان کی غلطی موجب جہنم اس لئے ہے کہ اس کو غلط کاری سے روکنے والی عقل دی گئی اور اس نے عقل کے فیصلہ کو ٹھکرا کر غلط کام انجام دیا اور اس کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ حضور! یہ بتائیں ملائکہ افضل ہیں یا بنو آدم؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام فرماتے تھے:۔ اِنَّ اللّٰہَ رَکَّبَ فِی الْمَلَائِکَۃِ عَقْلًا بِلَا شَھْوَۃٍ وَ رَکَّبَ فِی الْبَھَائِمِ شَھْوَۃً بِلَا عَقْلٍ وَرَکَّبَ فِیْ بَنِیْ اٰدَمَ کِلْتَیْھِمَا فَمَنْ غَلَبَ عَقْلُہٗ شَھْوَتَہٗ فَھُوَ خَیْرٌ مِّنَ الْمَلَائِکَۃِ وَمَنْ غَلَبَ شَھْوَتُہٗ عَقْلَہٗ فَھُوَ شَرٌّ مِّنَ الْبَھَائِمِ

ترجمہ :- تحقیق پروردگار نے ملائکہ کو عقل دی ہے شہوت نہیں دی اور حیوانات کو شہوت دی ہے عقل نہیں دی اور اولادِ آدم کو دونوں قوتیں عطا کی ہیں پس جس انسان کی عقل اس کی شہوت پر غالب ہو وُہ فرشتوں سے برتر ہے اور جس کی شہوت اس کی عقل پر غالب ہو وہ حیوانوں سے بدتر ہے۔

صفاتِ مذمومہ کے اُصول

بروایت بحار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نقل فرمایا کہ لوگوں سے جس قدر افعال مذمومہ سرزد ہوتے ہیں اُن کی محرک (اصول) چار صفات ہیں۔ حسد ۔ حرص ۔ غضب ۔ شہوت ۔ اوّل اس میں شک نہیں کہ انسان عالم شباب میں قدم رکھنے سے پہلے ان چاروں صفتوں میں حسب منشاء آزاد ہوتا ہے وہ جو چاہتا ہے۔ اپنے چاہنے والوں سے منوانے کی کوشش کرتا ہے اور چاہنے والے اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا اپنی محبت کا فریضہ سمجھتے ہیں وہ اپنے ہمسن بچوں کو حاسدانہ نگاہ سے دیکھتا ہے کیونکہ وہ برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی اچھی چیز کسی دوسرے کے پاس ہو۔ جب عقل کی بدولت انسان مکلف ہوتا ہے تو یہ چاروں صفات بھی اپنے شباب پر ہوتی ہیں اور نفس انسانی کو پوری طرح اپنے کنٹرول میں لئے ہوئے جسم انسانی پر حکمرانی کرتی ہیں۔

شہوت یہ صفاتِ مذمومہ کی اصل ہے اور اسی کی مطلق العنانی ہی غضب حرص اور حسد کو بلکہ فروعی تمام قسم کی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ شہوت سے مراد نفس کی چاہت۔ اور انسان دنیا میں قدم رکھتے ہی اس صفت میں اپنی آزادی منوانے کا عادی چلا آیا ہے اور زمانہ بچپن سے بزرگوں کی ناز برداریاں اس کا حوصلہ بڑھاتی چلی گئی ہیں پس وہ سمجھتا ہے کہ میں جو چاہوں میرا حق فطری ہے اور اس پر کنٹرول لانا میرے اوپر ظلم ہے پس خواہش نفس کا پورا نہ ہونا غضب کا باعث بنتا ہے اور خواہش کی تکمیل مزید تحصیل کا لالچ اور حرص پیدا کرتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ حرص بخل کا پیش خیمہ ہے پس جب انسان دیکھتا ہے کہ جو چیز میری مرغوب ہے وہ دوسرے

کے پاس موجود ہے تو اس میں حسد پیدا ہوتا ہے چنانچہ ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اصول الکفر ثلثۃ الحرص والاستکبار والحسد یعنی کفر کے اصول تین ہیں۔ حرص، تکبر اور حسد اور حدیث میں ہے کہ تکبر ہی غضب و غصہ کی بنیاد ہوا کرتا ہے۔ بہر کیف خواہش نفس ہی ان تینوں خرابیوں کی اصل ہے۔

غضب (غصہ) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے ایک نبی کو وحی کی۔ یَابْنَ اٰدَمَ اُذْکُرْنِیْ فِیْ غَضَبِکَ اَذْکُرْکَ فِیْ غَضَبِیْ یعنی اے اولاد آدم اپنے غضب (غصہ) کے وقت مجھے یاد کر لیا کر میں بھی اپنے غضب کے وقت تجھے یاد رکھوں گا یعنی اگر تو میری خاطر اپنے غضب پر کنٹرول کر کے درگذر کرے گا تو میں بھی غضب کے وقت تجھ سے درگذر کروں گا۔ پس جب لوگوں کو عذاب میں گرفتار کروں گا تو تجھے معافی دے دوں گا اور فرمایا وَارْضَ بِیْ مُنْتَصِرًا فَاِنَّ انْتِصَارِیْ لَکَ خَیْرٌ مِّنْ انْتِصَارِکَ لِنَفْسِکَ اور میرے انتقام لینے پر راضی ہو جا کیونکہ تیرے لئے میرا انتقام لینا اس سے بہتر ہے جو تو اپنے نفس کے لئے لے گا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآب کا ارشاد ہے کہ غصہ ایمان کو اس طرح خراب کرتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کرتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب انسان غصہ کرتا ہے تو غصہ کو لے کر ہی داخل نار ہو جاتا ہے پس انسان کو غصہ آئے تو فوراً بیٹھ جائے (اگر کھڑا ہو) کیونکہ اس عمل سے شیطانی سازش کمزور ہو جاتی ہے اور اگر انسان کو کسی اپنے رشتہ دار پر غصہ آجائے تو اس کے قریب جا کر اس کے جسم کو چھوئے کیونکہ اس عمل سے اس کے غصہ میں سکون پیدا ہو جائے گا۔ اور آپ نے فرمایا کہ غصہ شیطانی آگ کا شعلہ ہے جو انسان کے دل میں بھڑک اٹھتا ہے اور غصہ کے وقت آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں رگیں پھول جاتی ہیں اور ان میں شیطان داخل ہو جاتا ہے پس جب یہ کیفیت پیدا ہو تو زمین پر بیٹھ جاؤ کیونکہ اس عمل سے شیطانی نحوست دور ہو جاتی ہے اور فرمایا

کہ جو شخص لوگوں سے اپنے غصّہ کو روک لے گا خداوند تعالیٰ اس سے قیامت کے عذاب کو ٹال دے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا مومن کی شان یہ ہے کہ غصّہ اس کو حق سے دُور نہ کر دے اور رضامندی اس کو باطل میں داخل نہ کر دے اور جب اس کو قدرت حاصل ہو تو اپنے حق سے تجاوز نہ کرے اور آپ نے فرمایا غصّہ ہر برائی کی کنجی ہے اور جو شخص اپنے غصّہ کو روک لے خدا اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے اور فرمایا غصّہ دانا انسان کے دل کو مار دیتا ہے اور جو شخص اپنے غصّہ کو کنٹرول نہ کرے اس کی عقل کنٹرول سے باہر ہو جاتی ہے۔ اور فرمایا کہ ایک دفعہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ سخت ترین چیز کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ کا غضب تو حواریوں نے عرض کی کہ اللہ کے غضب سے بچنے کا کیا ذریعہ ہے تو آپ نے فرمایا تم کسی پر غصّہ نہ کیا کرو۔ انہوں نے پوچھا کہ غصّہ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اپنی بڑائی کے تصور سے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک نبی کو حکم ہوا کہ صبح سویرے دورانِ سفر میں جو چیز سب سے پہلے تیرے سامنے آ جائے اس کو کھا جانا چنانچہ جب وہ چلے تو سب سے پہلے پہاڑ سامنے آیا دل میں سوچا کہ اس کو کھانے کا کیا مطلب پس رُک گئے پھر سوچا کہ اگر ممکن نہ ہوتا تو خدا حکم نہ دیتا پس روانہ ہوئے جوں جوں قریب ہوتے گئے وہ پہاڑ چھوٹا ہوتا گیا حتیٰ کہ جب بالکل اس کے پاس پہنچے تو وہ بالکل چھوٹا تھا اور جب ہاتھ بڑھایا اور اس کو پکڑا تو ہاتھ میں سما گیا اور جب منہ میں ڈالا تو ایک لقمہ کے برابر ہو گیا اور نہایت شیریں ذائقہ دیکر حلق سے اتر گیا۔ اس نبی نے عرض کی کہ اے پالنے والے اس کا راز کیا تھا تو ارشاد قدرت ہوا کہ پہاڑ سے مراد غصّہ ہے کہ جب انسان کو پیش آتا ہے تو اس کا پی جانا ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے لیکن اگر ہمت کر کے اس کو پی جائے تو اس کا انجام بہت شیریں اور خوشگوار ہوتا ہے۔

حسد | خواہش نفس کی مطلق العنانی کے بدترین اثرات میں سے ہے کہ انسان دوسروں پہ

اللہ کی نعمت کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس میں شک نہیں حاسد ہمیشہ حسد کی آگ میں خود ہی جلتا رہتا ہے اور مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ حاسد اپنے اندر محسوس ہی نہیں کرتا کہ میں حسد کر رہا ہوں اور بعض اوقات دوسروں کو نصیحت کرنے والے اور حسد کی برائی بیان کرنے والے خود حسد کی آگ میں جلا کرتے ہیں اور حسد اسی پر کیا جاتا ہے جسکے پاس اللہ کی نعمتیں ہے کچھ نہ کچھ ہو ورنہ جس کے پاس کچھ نہ ہو اس پر حسد کون کرتا ہے خدا فرماتا ہے اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ حاسدین کی مذمت میں فرماتا ہے کہ وہ لوگوں پر اس لئے حسد کرتے ہیں کہ خدا نے ان کو اپنے فضل سے نوازا ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اَلْحَسَدُ يَاْكُلُ الْاِيْمَانَ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ یعنی حسد ایمان کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح خشک لکڑی کو آگ کھاتی ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حسد کرنا انسان کا اختیاری فعل نہیں ہے بلکہ کسی پر اللہ کی نعمت کو دیکھ کر یہ بیماری دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور جو فعل انسان کے اختیار میں نہ ہو اس پر وہ سزا کا مستحق نہیں ہو سکتا ہاں حسد سے متاثر ہو کر اس کے نقصان کے درپے ہونا یا اس کو ضرر پہنچانا۔ یہ اختیاری فعل ہے پس احادیث معصومین میں حسد سے نہیں روکا گیا۔ اس لئے کہ انسان کے اختیار سے باہر ہے بلکہ حسد سے متاثر ہو کر اس کے مقتضا پر عمل کر کے محسود کو نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے اور حدیث معراج میں جن نو چیزوں کو امت محمدیہ سے اٹھا لیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک حسد بھی ہے کہ خداوند کریم کسی انسان کو حسد کی سزا نہیں دے گا بلکہ حسد پر عمل کرنے کی سزا دے گا جو اس کے اختیار میں ہے ایک روایت میں ہے کہ علماء حسد کی وجہ سے گرفتار عذاب ہوں گے۔ اور اس میں شک نہیں کہ نعمت جس قدر پر عظیم ہو گی اس پر حسد بھی اتنا ہی سنگین ہو گا چونکہ نعمتِ علم باقی تمام نعمتوں سے برتر ہے لہذا اپنے سے بڑے عالم پر حسد کرنا کم ظرف کم ہمت اور کم علم طبقہ کے لئے ناگزیر ہے چنانچہ شیخ احمد احسائی قدس سرہ کا محسود ہونا اسی بنا پر ہے حالانکہ اکابر علماء مثلاً علامہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء نے آیات بینات میں نہایت وقیع الفاظ میں ان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور فرمایا کہ زہد و تقویٰ میں یہ شخص اپنی نظیر آپ تھا اسی طرح آقا

شیخ بزرگ طہرانی مرحوم نے الذریعہ میں اور آقا محمد باقر خوانساری نے روضات الجنات میں ان کی خدمات کو سراہا ہے ورنہ بات واضح ہے کہ حاسد اپنے حسد کی آگ میں خود ہی جلا کرتا ہے۔ اس کا محسود کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور دور حاضر میں حسد کا افسوسناک پہلو یہ بھی سامنے آیا ہے کہ جو شخص شیخ احمد احسائی مرحوم کو مسلمان و مومن سمجھے اس کو بھی شیخی کہنا دیانت داری سمجھتے ہیں خواہ اس کے عقائد میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ ہو۔ بہرکیف حسد کا پیدا ہونا فطری امر ہے اور اس کا استعمال انسان کا اختیاری فعل ہے اس لئے معصوم نے حسد کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغْبِطُ وَلَا يَحْسُدُ وَ الْمُنَافِقُ يَحْسُدُ وَلَا يَغْبِطُ۔ یعنی مومن رشک کرتا ہے اور حسد نہیں کرتا اور منافق حسد کرتا ہے لیکن رشک نہیں کرتا اور رشک کا معنی یہ ہے کہ دوسروں پر اللہ کی نعمت کو دیکھ کر اللہ سے دعا مانگے کہ اے پروردگار اس جیسی نعمت مجھے بھی عطا فرما اور اس کے حق میں دعا کرے اور بددعا نہ دے اور یہ بھی آزمودہ امر ہے کہ حسد اپنوں میں بہ نسبت بیگانوں کے زیادہ ہوتا ہے کہ عموماً خاندان کے گھٹیا مزاج لوگ اپنے ہی خاندان میں سے کسی پر خداوند کریم کی نعمات کا وجود برداشت نہیں کر سکتے۔ بہرکیف حسد کو استعمال کرنا اور محسود کے درپے آزار ہونا گناہ کبیرہ ہے۔ خداوند کریم مومنین کو محفوظ رکھے۔

ہم نے جب تفسیر انوار النجف کا لکھنا شروع کیا اور مقدمہ تفسیر چھپ کر منظر عام پر آیا تو حاسدین کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ پس انہوں نے میری تفسیر کے خلاف ہنگامہ آرائی شروع کر دی اور اس کی خوبیوں پر پردہ دے کر اس میں سے عیوب نکالنے شروع کر دیئے اور لوگوں کو متنفر کرنا اپنا دستور العمل بنا لیا تاکہ جب کراچی یونیورسٹی میں تفسیر انوار النجف داخل کی گئی تو حاسدین نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن خدا نے حاسدین کی ہر تجویز کو فیل کر دیا اور تفسیر انوار النجف بفضل پروردگار چودہ جلدوں میں مکمل ہو کر چھپ گئی اور تا قیامت انشاء اللہ مومنین کے لئے استفادہ کا باعث بنتی رہے گی۔ اس لئے صاحبانِ فضل کو حاسدین کے حسد سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے ایسی نعمت سے نوازا ہے جو لوگوں کے لئے حسد کا

باعث بن گئی ہے۔ و بالجملہ حسد نفس کے برُے صفاتِ بدیں سے ہے اور اس کا استعمال کرنا قطعاً ناجائز ہے اور محسود کو بھی چاہیئے کہ تنگدلی کا مظاہرہ نہ کرے بلکہ اپنے حاسد کے حق میں دعا کرے کہ خدا اس کو اس مرض سے نجات عطا فرمائے اور حسد کے بجائے اس کو رشک کی توفیق دے

زنا شہوت کے بدترین اثرات میں سے ہے یہ فعل انسانی نسل کی پاکیزگی کے سخت منافی ہے اور غیرت انسانیہ کا کھلم کھلا دشمن ہے کوئی شریف انسان اس کو اچھا نہیں کہہ سکتا شریعت مقدسہ اسلامیہ سے وابستگی رکھنے والوں کا اس کی حرمت پر اتفاق کامل ہے

حضرت رسالتمآب سے مروی ہے کہ جب زنا عام ہو جائے تو اچانک موت زیادہ ہو جایا کرتی ہے
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ خبردار زنا نہ کرنا؟ ورنہ میری ذات کا نور تجھ سے غائب ہو جائے گا، اور تیری دعا کے آگے آسمانوں کے دروازے بند ہو جائیں گے (خطاب اگرچہ موسیٰ کو ہے لیکن اس سے مراد امت ہے کیونکہ نبی معصوم ہوا کرتے ہیں اور ان سے اس قسم کے افعال بد کا ارتکاب نہیں ہوا کرتا) دوسری روایت میں ہے اے موسیٰ۔ جو شخص کسی کی اہلیہ سے زنا کرتا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کی اپنی اہلیہ سے بھی زنا کیا جاتا ہے اگر اس کی اپنی عورت ایسا کام نہ کرے یا مر چکی ہو تو اس کی اولاد میں یہ کام ہوگا اے موسیٰ! تم پاکدامن رہو تو تیری اہلیہ بھی پاکدامن رہے گی۔ اے موسیٰ! اگر تم اپنے گھر میں اچھائی دیکھنا چاہتے ہو تو زنا سے بچ کر رہو۔ ورنہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ زمانہ داؤدؑ میں ایک عورت کے پاس کوئی مرد آ کر اس سے جبریہ زنا کرتا تھا تو خدا نے اس عورت کے دل میں ایک بات ڈال دی۔ اس نے اس مرد سے کہا کہ جس طرح تم میرے ساتھ بدفعلی کرتے ہو کوئی دوسرا شخص تیری گھر والی کے ساتھ بھی بدفعلی کرتا ہے چنانچہ جب وہ واپس گھر پہنچا تو دیکھا کہ کوئی مرد اس کی عورت پر سوار ہے تو اس کو پکڑ کر حضرت داؤدؑ کے پاس لایا اور شکایت کی کہ اس نے میری عورت کے ساتھ زنا کیا ہے پس خداوند کریم کی جانب سے حضرت داؤدؑ پر وحی ہوئی کہ اس آدمی

سے کہہ دو کہ جس طرح تم دوسروں کے ساتھ کرتے ہو تمہارے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا جاتا ہے

حضرت رسالتمآب نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت پر زنا کی قدرت رکھتا ہو لیکن اللہ کا خوف کر کے اس سے فعل حرام نہ کرے تو خداوند کریم اس کے جسم کو آتش جہنم سے محفوظ کرے گا اور اس کو بڑی گھبراہٹ کے دن امن میں رکھے گا اور اس کو جنت کرامت فرمائے گا لیکن اگر فعل حرام کرے گا تو اس پر جنت کو خدا حرام کر دے گا اور جہنم میں ڈال دے گا۔

آپ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرو تاکہ تمہارے بچے تمہارے ساتھ نیکی کریں اور تم دوسروں کی عورتوں سے بچ کر رہو تاکہ تمہاری عورتیں دوسرے مردوں سے بچ کر رہیں (ایک روایت میں ہے کہ غیور انسان کبھی زنا نہیں کرتا)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا پیٹ اور شرمگاہ کی پاکیزگی سے بڑھ کر کوئی بھی عبادت نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بروز محشر حساب خلائق سے فارغ ہونے تک تین قسم کے آدمی بالکل باامن رہیں گے (۱) وہ شخص جس نے کبھی زنا کا ارادہ نہ کیا ہو (۲) وہ آدمی جس نے سود کے ذریعے مال نہ بڑھایا ہو (۳) وہ آدمی جس نے چغلخوری نہ کی ہو۔

حضرت رسالتمآب نے فرمایا زانی کے لئے پانچ عذاب ہیں (۱) زنا چہرہ کی رونق کو ختم کر دیتا ہے (۲) فقر کا موجب ہوتا ہے (۳) عمر کو گھٹا دیتا ہے (۴) خدا کی ناراضگی کا باعث ہے (۵) ہمیشہ کے لئے جہنم کے عذاب کا موجب بنتا ہے۔

ایک شخص نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی، میں خوبصورت عورت کو دیکھنے کا شیدائی ہوں مجھے اس کی طرف دیکھنا بھلا معلوم ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا جب تیری نیت ٹھیک ہو تو حرج نہیں لیکن خبردار زنا نہ کرنا کیونکہ اس کی وجہ سے برکت چلی جاتی ہے اور دین تباہ ہو جاتا ہے (ممکن ہے اتفاقی منظر مراد ہو واللہ اعلم)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے

حواریوں سے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جھوٹی قسم سے منع فرمایا تھا اور میں تمہیں ہر قسم سے روکتا ہوں خواہ سچی ہو یا جھوٹی۔ انہوں نے عرض کی کچھ اور بھی فرمایئے تو آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے صرف زنا سے منع کیا تھا اور میں کہتا ہوں کہ زنا کرنا تو بجائے خود زنا کا تصور بھی نہ کرنا کیونکہ زنا کا تصور کرنا ایسا ہے جیسا کہ ایک خوبصورت سفید مکان میں آگ جلائی جائے اگرچہ وہ مکان جلے گا نہیں لیکن میلا ضرور ہو جائے گا۔ آپ سے منقول ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ ایک لحاف میں سویا ہوا پکڑا جائے تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایسے آدمی کو ایک سو کوڑے کی سزا دیا کرتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ کچھ نہ کچھ زنا تو ہر آدمی سے ہو جایا کرتا ہے کیونکہ کسی نامحرم کی طرف عمداً دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے اس کو بوسہ دینا منہ کا زنا ہے اس کو ہاتھ لگانا ہاتھوں کا زنا ہے خواہ شرمگاہ ان افعال کی تصدیق کرے یا نہ کرے (خواہ شرمگاہ کا زنا واقع ہو یا نہ ہو)

حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مسلمان عورت یا یہودیہ یا نصرانیہ یا مجوسیہ سے بھی زنا کرے اور اسی فعل بد پر اصرار کرتا رہے یہاں تک کہ توبہ کے بغیر مر جائے تو اس کی قبر میں اس کی طرف جہنم کی طرف سے تین سو دروازے کھل جائیں گے جن سے سانپ بچھو اور آگ کے اژدہا نکلیں گے پس وہ قیامت تک عذاب میں گرفتار رہے گا اور جب قبر سے اٹھے گا تو اس کی بدبو سے تمام اہل محشر کو تکلیف پہنچے گی اور تمام اہل محشر کو اس کی بدکاری کا پتہ چل جائے گا پھر وہ جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔ اللہ نے حرام کو حرام کیا ہے اور اس نے حدیں مقرر کی ہیں نیز اللہ سے زیادہ غیور کوئی نہیں ہے اور غیرت کے پیش نظر ہی اس نے زنا کو حرام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر عورت کسی سیٹ پر بیٹھی ہو اور وہاں سے اٹھے تو کسی مرد کو وہاں نہیں بیٹھنا چاہیئے جب تک کہ جگہ ٹھنڈی نہ ہو جائے۔

استمناء (یعنی ہر وہ فعل جس سے بوجہ شہوت منی نکل آئے) ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر کوئی کسی حیوان سے بدفعلی کرے یا اپنے آلہ کو رگڑے؟ آپ نے

فرمایا ہر وہ فعل جس سے منی نکل آئے یہ یا اس جیسا کوئی اور جو سب زنا ہے ایک حدیث میں ہے حضرت رسالتمآبؐ نے اس شخص کو ملعون قرار دیا ہے ۔ جو حیوانات سے بدفعلی کرے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تین قسم کے لوگوں کو خدا اپنی نظر رحمت تزکیہ اور کلام سے محروم رکھے گا (۱) جو اپنے سفید بالوں کو جڑ سے اکھیڑے (۲) وہ جو اپنے ہاتھ کے ساتھ زنا کرے (۳) وہ جو مفعول ہو۔

دیاثت حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کے فاصلہ سے سونگھی جا سکتی ہے لیکن اپنے والدین کا نافرمان اور دیوث جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہیں گے لوگوں نے دیوث کا معنی پوچھا تو آپ نے فرمایا دیوث وہ ہے جس کی عورت زناکار ہو اور اس کے علم میں ہو۔ ایک روایت میں ہے تین لوگ بروز محشر خدا سے دُور ہوں گے۔ بوڑھا زانی۔ دیوث۔ اور وہ عورت جو اپنے مرد کے حق میں خیانت کرے ایک روایت میں ہے کہ جنت دیوث پر اللہ نے حرام کی ہے۔

وہ عورت یا مرد جو زانی یا زانیہ کے درمیان وصل وصال کے موجب ہوں حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ ان پر جنت حرام ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری بازگشت ہے ایسے لوگ مرتے دم تک اللہ کے غضب میں رہیں گے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے اس عورت پر لعنت کی ہے جو اپنی جوانی میں خود زنا کرے اور بڑھاپے کے وقت عورتوں اور مردوں کو زنا کے لئے اکٹھا کرے۔

لواطہ یعنی لڑکوں اور مردوں کے ساتھ خلاف فطرت فعل کا مرتکب ہونا۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت کے ساتھ دُبر سے مجامعت کرے یا کسی لڑکے کے ساتھ بدفعلی کرے وہ جب قیامت کے دن محشور ہو گا تو مردار جانور کی بدبو سے بھی اس کی بدبو زیادہ ہو گی جس سے تمام اہل محشر کو اذیت ہو گی پس اس کو جہنم کے دردناک عذاب میں دھکیل دیا۔

جائے گا۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا جو لڑکوں کے ساتھ فعل بد کرے گا وہ خود بھی مفعول ہو کر مرے گا۔

ایک دفعہ ایک شخص جو اُبنہ کی بیماری میں مبتلا تھا حضورؐ کی بارگاہ میں آیا اور اُس نے سلام کہا حضرت نے اُس کے سلام کا جواب دیا اور اس کے بعد گردن جھکالی اور اِنَّا لِلّٰہِ الخ پڑھتے رہے اور فرمایا کہ کیا اس قسم کے لوگ بھی میری اُمت میں آگئے؟ اور فرمایا کہ جس اُمت میں ایسے لوگ (مفعول) موجود ہو جائیں وہ اُمت قیامت سے پہلے گرفتارِ عذاب ہوا کرتی ہے آپ نے فرمایا جو شخص کسی لڑکے سے خلافِ فطرت فعل کا ارتکاب کرے گا وہ بروزِ محشر حالتِ جُنُب میں محشور ہوگا کیونکہ کوئی دنیا کا پانی اس کو پاک نہیں کر سکتا۔ ایسے شخص پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور اس کے لئے خدا نے جہنّم کو تیار کر رکھا ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ آپ نے فرمایا جب ایک مرد (بد فعل کیلئے) مرد پر سوار ہوتا ہے تو اس سے عرش مجید کانپتا ہے آپ نے فرمایا مفعول انسان کو جہنّم کی پل پر روکا جائے گا اور حساب خلائق کے تمام ہونے تک وہ وہاں کھڑا رہے گا۔ پھر اس کو جہنّم میں دھکیل دیا جائے گا پس ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ کی طرف عذاب لیتا ہوا بڑھتا جائے گا۔ یہانتک کہ جہنّم کے آخری طبقہ میں پہنچے گا اور وہاں ہمیشہ رہے گا۔ حضورؐ نے مخنث (مفعول) لوگوں پر لعنت بھیجی اور فرمایا ایسے لوگوں کو گھروں سے نکال دیا کرو۔

حضورؐ نے فرمایا جو مرد اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ بناتے ہیں اور جو عورتیں مردوں کے مشابہ بنتی ہیں ان سب پر اللہ کی لعنت ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ جنت کی قالینوں پر وہ نہیں بیٹھ سکتا جس کو مفعولیت کی عادت ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا تین قسم کے آدمی شیعوں میں نہیں ہوتے (۱) جو ہاتھ پھیلا کر لوگوں سے سوال کرتے پھریں (۲) نیلگوں سبز چشم اور تیسرا (۳) وہ جو مفعول ہو اور ایک روایت

ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ (مفعول) بقیہ سدوم ہیں اور میری یہ مراد نہیں کہ یہ ان کی اولاد میں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ ان میں اُن ہی کی سی عادات ہیں۔ اور سدوم کے چار شہر تھے۔ سدوم۔ صریم۔ دما۔ عمیرا۔ جب جبرئیل ان کو عذاب کرنے کے لئے گیا تو اس نے اس حصہ زمین کو ایک پر کے ذریعے اکھیڑا اور اسقدر بلند کیا کہ اہل سما ان کے کتوں کی آوازیں سُن رہے تھے پس ان کو الٹا دیا۔ آپ نے فرمایا دبر کا گناہ فرج کے گناہ سے زیادہ ہے یعنی لواطہ کا گناہ زنا سے سخت ہے کیونکہ اللہ نے کسی امت کو زنا کے جُرم میں معذب نہیں کیا لیکن لواطہ کے جرم میں ایک امت کو معذب کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے ایسے لوگوں کو گھروں سے نکال دیا کرو کیونکہ یہ بدترین لوگ ہوا کرتے ہیں

گداگری یہ بیماری لالچ اور طمع کی پیداوار ہے حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے آزمایا ہے کہ تمام نیکی طمع کو ختم کر دینے میں مضمر ہے پس جو شخص لوگوں سے امیدیں وابستہ نہ کرے اور اپنے معاملہ کو اللہ کے سُپرد کر دے تو خداوند کریم اس کی ہر معاملہ میں دُعا کو مستجاب فرماتا ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے پاس جو کچھ ہے ان سے نہ لینے کی سخاوت اپنے ہاتھ سے دینے کی سخاوت اور خرچ سے بدرجہا بہتر ہے نیز فقرو فاقہ کی حالت میں صبر کرنا خودداری کرنا اور سوال نہ کرنا ایسی مروّت ہے کہ سخاوت کرنے کی مروّت سے اس کا درجہ بلند ہے پس انسان کی بہترین دولت ہے اللہ پر بھروسہ کرنا اور لوگوں کے مالی عطیہ سے مایوس رہنا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا مومن کا شرف ہے نماز شب اور لوگوں کی عطا سے مُستغنی ہو کر رہنا اور آپ نے فرمایا کہ جب تم چاہو کہ خدا میرے ہر سوال کو منظور فرمائے تو لوگوں سے بالکل مایوس ہو جاؤ اور اللہ کے علاوہ کسی سے اُمید وابستہ نہ کرو پس جب اس صفت میں صداقت پیدا کر لو گے تو جو مانگو گے اللہ عطا فرمائے گا آپ نے فرمایا کہ تین چیزیں مومن کے لئے فخر اور دنیا و آخرت میں اس کے لئے باعثِ زینت ہیں۔ آخر شب میں نماز لوگوں سے مایوسی (اللہ کا سہارا) اور آلِ محمدؐ کے امام کے ساتھ ولا رکھنا۔

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص اپنے نفس پر گداگری کا دروازہ کھولے گا، اس پر خدا ستر دروازے فقر کے کھول دے گا جس کو کوئی طاقت بند نہیں کر سکتی۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے خدا اس پر فقر کا دروازہ کھولتا ہے

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص بلاضرورت اگر کسی سے سوال کرے تو خدا کا عہد ہے کہ وہ ضرورت مند ہو کر ایک دن سوال کرے گا۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اگر گداگر کو معلوم ہو کہ گداگری کتنی بری چیز ہے تو کبھی کسی سے سوال نہ کرے گا اور اگر دینے والے کو معلوم ہو کہ سائل کو دینے میں کتنی بھلائی ہے تو کبھی کسی کو خالی نہ لوٹائے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص بلاضرورت سوال کرے گا وہ حاجتمند ہو کر مرے گا اور داخل جہنم ہو گا۔

آپ نے فرمایا جس شخص کے پاس تین دن کی خوراک موجود ہو اور پھر سوال کرے تو جب خدا کے پیش ہوں گے تو اس کے چہرے سے گوشت اترا ہوا ہو گا۔ آپ نے فرمایا جو شخص بلاضرورت سوال کرتا ہے گویا وہ آتش جہنم کے انگاروں سے پیٹ بھرتا ہے۔

حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص ہاتھ پھیلا کر سوال کرے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے ایک دن آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگ میری بیعت نہیں کر چکے؟ تو سب نے عرض کی حضور! ہم آپ کی بیعت کر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا میری اس شرط پر بیعت کرو کہ کسی سے سوال نہ کرنا اس کے بعد حالت یہ تھی کہ اگر کسی صحابی سے سواری کی حالت میں کوئی چیز گر جاتی تو کسی سے سوال نہ کرتا تھا کہ مجھے اٹھا دیجئے بلکہ خود سواری سے اتر کر اس کو اٹھا لیتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ کھانے پر بیٹھے ہوتے تھے اور پانی ایک کے قریب ہوتا تھا تو دوسرا شخص اس سے نہ مانگتا تھا بلکہ خود کھڑا ہو کر پی لیتا تھا۔ آپ نے فرمایا جو شخص ہم سے سوال کرتا ہے ہم اس کو دے دیا کرتے ہیں لیکن جو استغناء کو ظاہر کرے تو خدا خود اسے غنی کر دیتا ہے

حضورؐ نے فرمایا کہ ہاتھ تین ہیں۔ اللہ کا ہاتھ بلند ہے اس کے بعد دینے والے کا ہاتھ بلند ہے اور لینے والے کا ہاتھ سب سے پست ہے۔ پس سوال کرنے سے بچو۔ کیونکہ ملنے والے رزق کے آگے پردہ ہے پس جو شخص اپنے حیا کا پردہ قائم رکھے تو اس کو بھی رزق ملتا ہے اور جو شخص پردہ پھاڑ دے تو اس کو بھی رزق ملتا ہے اور مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں ایک آدمی رسہ اٹھائے اور پوری وادی میں چکر لگا کر لکڑیاں اکٹھی کرے اور گٹھا اٹھا کر بازار میں فروخت کرے اور اس کی قیمت اس کو ایک مد (تین پاؤ) کھجور میسر ہو پس دو تہائی صدقہ کر دے اور ایک تہائی خود لے لے لوگوں سے مانگنے کی بہ نسبت اس کے لئے بہت بہتر ہے خواہ اس کو کچھ دیں نہ دیں۔

سلمان سے روایت ہے کہ مجھے اپنے آقا اور دوست حضرت محمدؐ مصطفٰے نے سات چیزوں کی وصیت فرمائی کہ میں کسی بھی حالت میں ان کو ترک نہ کروں (۱) اپنے سے پست حالت والوں پر نگاہ رکھوں (۲) اپنے سے اوپر والے طبقہ پر نگاہ نہ کروں (۳) فقراء سے محبت کروں اور ان سے قرب حاصل کروں (۴) حق بات کہوں خواہ تلخ ہی ہو (۵) صلہ رحمی کروں اگر وہ مجھ سے بگڑے رہیں (۶) لوگوں کے سامنے دست سوال دراز نہ کروں (۷) لاحول ولا قوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھوں کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا حاجت کا ضائع ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ نا اہل سے سوال کیا جائے اور آپ نے فرمایا خودداری فقر کی زینت ہے اور شکر دولتمندی کا زیور ہے اور فرمایا تیرے چہرے کا پانی خشک ہے اور سوال کرنے سے پگھل کر ٹپکتا ہے لہذا پہلے دیکھ لیا کرو کہ کس کے سامنے اپنے چہرے کا پانی ٹپکا رہے ہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا لوگوں سے مانگنا عزت کا ضیاع اور حیا کا نقصان ہے اور لوگوں سے مایوس ہونا مومن کی عزت ہے اور لالچ فقر حاضر ہے اور خدا لیچڑ آدمی کو دوست نہیں رکھتا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو ہمارے شیعہ ہیں وہ سوال نہیں کرتے خواہ بھوک سے مر جائیں۔

فقر و فاقہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ اے فرزند! میں نے مصبر بھی چکھا ہے اور درختوں کے چھلکے بھی کھائے ہیں لیکن فقر جیسی تلخ چیز کوئی نہیں دیکھی پس اگر تمہیں فقر سے واسطہ پڑے تو لوگوں کے سامنے اظہار نہ کرنا کیونکہ ایک طرف تیرا وقار ان کی نظروں میں گر جائے گا اور وہ تجھے ذلیل سمجھنے لگ جائیں گے اور دوسری طرف وہ تیری مدد کر کے تجھے نفع بھی نہ پہنچائیں گے پس جس نے تم کو مبتلا کیا۔ اسی کی ہی طرف رجوع کرو وہ ہی تیری تکلیف کے رفع کرنے پر قادر ہے وہ کون ہے جس نے اس سے سوال کیا ہو پس اس نے اس کو عطا نہ کیا ہو اور اس پر بھروسہ کیا ہو پس اس نے نجات نہ دی ہو؟ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا جس نے اپنی تکلیف کا اظہار مومن کے سامنے کیا تو گویا اس نے اللہ کے سامنے وہ شکایت پیش کی اور جس نے کسی کافر کے سامنے اپنی تکلیف بیان کی تو گویا اس نے اللہ کا شکوہ کیا۔

بخل اس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے ۔ اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۔ وہ لوگ جو سونے اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور ان کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔ یعنی وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس مال کا جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دیا ہے۔ یہ نہ خیال کرو کہ اس میں ان کے لئے کوئی خوبی ہے بلکہ یہ تو الٹا ان کے لئے نقصان دہ ہے کیونکہ جس کا انہوں نے بخل کیا قیامت کے روز اس کا انہیں طوق پہنایا جائے گا تیسرے مقام پر ارشاد ہے۔ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ جو نفس کے بخل سے محفوظ رہا پس ایسے لوگ ہی کامیاب ہوں گے۔

حضرت رسالتمآب نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان میں بخل اور بد اخلاقی دونوں جمع ہو ہی نہیں سکتے آپ نے فرمایا ایمان اور بخل ایک آدمی میں قطعاً جمع نہیں ہو سکتے آپ نے فرمایا بخل سے

بچو کیوں کہ بہت سوں کو اس نے تباہ کیا ہے۔ یہ بخل جھوٹ کا حکم دیتا ہے پس لوگ جھوٹ برتتے ہیں اور بخل ظلم کا حکم دیتا ہے تو وہ ظلم کرتے ہیں اور بخل قطع رحمی کا حکم دیتا ہے تو وہ قطع رحمی کرتے ہیں

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمایا کہ ظالم بعض اوقات توبہ کر لیا کرتا ہے اور لوگوں کے حقوق بھی واپس کر دیتا ہے لیکن بخیل جب بخل کرتا ہے تو زکوٰۃ، صدقات، صلہ رحمی، مہمان نوازی، راہِ خدا میں خرچ اور جملہ خیرات کے دروازے بند کر دیتا ہے اس لئے جنت میں بخیل کا داخلہ ہی حرام ہے یعنی بخیل ظالم سے بھی بُرا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ تین درجات ہیں۔ تین کفارے ہیں۔ تین مہلکات ہیں۔ اور تین نجات دینے والی چیزیں ہیں۔ وہ تین جو درجات ہیں۔ فَاِفْشَاءُ السَّلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلٰوۃُ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَام۔ یعنی سلام کو عام کرنا، مہمان نوازی اور نمازِ شب جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں اور وُہ تین جو کفارے ہیں موسم سرما میں وضو کامکمل کرنا اور دن رات میں نماز کیلئے چل کر جانا اور نماز جماعت کی پابندی کرنا اور وہ تین جو مہلکات ہیں وہ یہ ہیں بخل کی اطاعت خواہش نفس کی تابعداری اور خود پسندی اور وہ تین جو نجات دہندہ ہیں وہ یہ ہیں اعلانیہ اور تنہائی میں خوفِ خدا دل میں رکھنا، خوش حالی اور فقر میں اعتدال پسندی اور ناراضگی و رضامندی کی دونوں حالتوں میں کلمۂ حق کہنا

چغل خوری

ایک مرتبہ خداوند کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ تیرے بعض ساتھی چغلخور ہیں ان سے بچو تو موسیٰ نے عرض کی اے پروردگار وہ کون ہے؟ تو اللہ نے وحی کی کہ میں تجھے چغلخوری سے منع کر رہا ہوں پھر میں خود چغلخوری کیسے کروں؟ البتہ تم اپنے اصحاب میں سے دس دس کی ٹولیاں بنالو اور قرعہ ڈال کر ایک ٹولی کو الگ کر لو جس پر قرعہ پڑ جائے پھر اس آدمی کو قرعہ کے ذریعے معلوم کر و کیونکہ قرعہ اُسی پر ہی پڑے گا جو چغلخور ہو گا۔ جب چغلخور نے دیکھا تو اس نے قبل از وقت ہی اقرار جرم کر کے معافی مانگ لی۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ جنت میں چغلخور داخل ہی نہیں ہو سکتا اور قیامت کے روز اس کو عذاب سے لحظہ بھر بھی آرام نہیں ملے گا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے رشتہ داروں کے حق میں ایسے شخص کی بات نہ مانو جس پر

اللہ نے جنت کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اس کی جگہ جہنم ہے کیونکہ چغلخور جھوٹا گواہ ہے اور لوگوں کو لڑانے بھڑانے میں ابلیس کا شریک کار ہے الخ

غیبت اللہ فرماتا ہے۔ وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا یعنی تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت نوچ کر کھائے، حضرت رسالتمآبؐ نے غیبت کرنے اور سننے سے منع فرمایا اسی طرح چغلی کھانے اور چغلخور کی بات سننے سے منع فرمایا کہ جنت میں چغلخور داخل نہ ہوگا اور ایسی بات سے منع کیا جو غیر اللہ کی طرف دعوت دے اور غیبت سے بھی منع کیا۔ آپ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی غیبت کرے اس کا روزہ باطل اور اس کا وضو برباد ہوگا اور بروزِ محشر اس سے جو بدبو نکلے گی وہ مردار کی بدبو سے بھی سخت تر ہوگی کہ اہلِ محشر کو اس سے اذیت پہنچے گی اور اگر وہ شخص توبہ کے بغیر مر گیا تو گویا اللہ کے ایک حرام کو حلال کر کے مرا البتہ جو شخص غیبت کو سن کر کھڑا ہو جائے اور غیبت کرنے والے کو روک دے تو خداوند کریم دنیا و آخرت میں اس سے برائی کا ایک ہزار دروازہ روک دے گا اور اگر روک سکنے کے باوجود نہ روکے تو کرنے والے سے اس کا گناہ ستر گنا زیادہ ہوگا۔ آپ نے ابوذر کو خطاب کر کے فرمایا اے ابوذر خبردار غیبت نہ کرنا کیونکہ غیبت کا گناہ زنا سے سخت تر ہے کیونکہ زنا سے توبہ ہو سکتی ہے لیکن غیبت سے توبہ نہیں ہو سکتی جب تک کہ صاحبِ حق خود اس کو معاف نہ کرے۔ اے ابوذر! مومن کو سب کرنا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے اور اس کا گوشت کھانا اللہ کی معصیت ہے اور مومن کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کے برابر ہے اور فرمایا جنت تین آدمیوں پر حرام ہے احسان جتلانے والا، غیبت کرنے والا اور شراب کا عادی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے: اَلْمُؤْمِنُ مَنْ ائْتَمَنَهُ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ السَّيِّئَاتِ یعنی مومن وہ ہے جس کو دوسرے مومن اپنے نفسوں اور مالوں کا امین سمجھیں اور مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف۔۔

نہ پہنچے اور جبار وہ ہے جو گناہوں کو چھوڑ دے اور مومن پر حرام ہے کہ مومن پر ظلم کرے یا اس کو ذلیل کرے یا اس کی غیبت کرے یا اس کو اچانک دھکا دے دے آپ سے غیبت کا معنیٰ دریافت کیا گیا تو فرمایا غیبت یہ ہے کہ تم کو اس کا جو عیب معلوم ہے اس کو لوگوں کے سامنے ذکر کرو لیکن اگر اس میں عیب نہ ہو اور تم بیان کرو تو اس کو بہتان کہا جاتا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ غیبت انسان کے دین کو اس طرح خراب کرتی ہے جس طرح اندر کا گوشت خور زخم انسان کو تباہ کرتا ہے ۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا غیبت سے بچو کہ یہ جہنم کے کتوں کی خوراک ہے آپ نے فرمایا جو شخص اپنے آپ کو خیال کرتا ہے کہ میں حلال زادہ ہوں تو وہ جھوٹا ہے اگر مومن کی غیبت کرتا ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب تم مومن کا وہ عیب بیان کرو جس کو اللہ نے چھپایا ہوا ہے تو یہ غیبت ہے اور اگر ایسی بات اس کے متعلق بیان کرو جو اس میں نہیں ہے تو یہ بہتان اور اثم مبین ہے جیسا کہ قرآن میں ہے ۔ بعض لوگ ایسے ہیں جن کی غیبت جائز ہے

(۲) حضرت رسالتمآب نے ارشاد فرمایا جو شخص شریک نماز جماعت نہ ہو اس کی غیبت جائز ہے اور اس کی عدالت ساقط ہے بلکہ اس کی قطع تعلقی ضروری ہے اور جب اس کی شکایت امام تک پہنچے تو امام اس کو حاضر دربار کر کے تنبیہ کرے اور چھوڑ دے اگر پھر وہ ترک جماعت کرے تو اس کے گھر تک کو جلا دینا جائز ہے ۔ (ملخص)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تین قسم کے آدمیوں کی غیبت جائز ہے ۔

(۲) صاحب بدعت (۳) امام جائر (۴) وہ شخص جو اعلانیہ فاسق ہو (۵) آپ نے فرمایا (جس کا مقصد یہ ہے) کہ مظلوم اپنے اوپر ظلم کرنے والے کی شکایت کر سکتا ہے ۔

علاوہ ازیں علماء نے (۶) اس شخص کی غیبت کو جائز قرار دیا ہے جو لوگوں میں غلط روایات کی بنا پر گمراہی پھیلانے کے درپے ہو پس اس کی غیبت اس لئے جائز ہے کہ لوگوں کے دلوں سے

اس کا وقار ختم ہو جائے تاکہ وہ اس کے گمراہ کن بیانات سے متاثر نہ ہوسکیں ⑦ ایسے شخص کی غیبت جائز ہے جسکی غیبت اسکی سرزنش کی باعث ہو اور امکان ہو کہ اس طریق کار سے وہ گناہ سے رک جائے گا۔

شراب نوشی

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت بھیجی ہے۔ کاشت کرنے والا، نگہبانی کرنے والا، نچوڑنے والا، پینے والا، پلانے والا، اٹھانے والا، جس کی طرف لے جایا جائے، بیچنے والا، خریدنے والا اور اس کی قیمت کو کھانے والا، کسی شخص نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے سوال کیا کہ حضورؑ! کیا آپ شراب نوشی کو زنا اور چوری سے بھی بدتر جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہاں کیونکہ زنا کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ شخص اس گناہ سے آگے نہ بڑھے گا لیکن شراب پینے والا صرف اسی ایک گناہ پر نہیں رکتا کیونکہ اس کے نتیجے میں وہ زنا بھی کرتا ہے چوری بھی کرتا ہے۔ قتل کے بھیانک جرم کا ارتکاب بھی کرتا ہے اور نماز بھی چھوڑ بیٹھتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جبکہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ تمام گناہوں میں بڑا گناہ کونسا ہے تو آپ نے فرمایا شراب نوشی اور ایک روایت میں ہے کہ ہر نشہ شراب ہے ہم نے نشہ کے اقسام اپنی تفسیر میں جلد ۶ صفحہ ۹۷ پر تفصیل سے درج کی ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ شراب کے نشے میں اگر ایک طرف تو انسان نماز کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور دوسری طرف ماں بہن اور بیٹی کو بھی نشانۂ شہوت بنا لیتا ہے۔

جوابازی شطرنج

چوسر اور تمام وہ کھیلیں جن پر بازی لگائی جائے۔ پس اس میں تاش بازی بھی شامل ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس کا فروخت کرنا اور اس کی قیمت کھانا حرام ہے اس سے کھیلنا شرک ہے کھیلنے والے پر سلام کہنا گناہ ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے اور اس میں ہاتھ ڈالنے والا ایسا ہے جیسا کہ خنزیر کے گوشت میں ہاتھ ڈال رہا ہو اور اس کو دیکھنا ایسا ہے جس طرح کہ اپنی ماں کی شرمگاہ کی طرف دیکھ رہا ہو اور کھیلنے

والوں پر سلام کرنا گناہ ہے اور ایسے لوگوں کی بازگشت جہنم ہے۔ الخبر

جناب رسالتمآبؐ سے دریافت کیا گیا کہ میسر (جوئے) سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ کھیل جس پر بازی لگائی جائے حتاکہ گوٹیاں اور اخروٹ بھی اس میں شامل ہیں۔ روایت میں ہے کہ قریش اپنی بیویوں اور مالوں کو داؤ پر رکھ لیتے تھے اور اللہ نے اس سے ان کو منع فرمایا

امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ اگر بچے جُوا کھیلیں مثلاً اخروٹ بازی کریں تو کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا ان کے جیتے ہوئے پیسوں سے کھانا حرام ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہر وہ فعل جو ذکر خدا سے روکے وہ لہو و لعب ہے اور اس میں شامل ہونا گناہ ہے۔

ناچ گانا

یہ قبیح امور شہوت کی پیداوار ہیں کیونکہ ان میں تسکین شہوت کا راز مضمر ہے اور آج کل کے مسلمانوں کے اذہان معکوسہ پر تعجب آتا ہے جنہوں نے اس قسم کی بیہودہ حرکات کو بھی اسلامی ثقافت کا نام دیگر اسلام کو بدنام کرنے کی جسارت کی ہے اور عورتوں کو محفلوں اور کلبوں میں نچانا یا عورتوں اور مردوں کا مل کر ناچنا حیوانیت کا بدترین مظاہرہ ہے جس سے شرافت و حیا اپنا منہ پیٹ کر رہ جاتے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ عیاش طبع مردوں اور حیا فروش عورتوں نے اس فحاشی کو بھی نسوانی آزادی کا ایک حصہ قرار دے رکھا ہے۔ جب قرآن مجید نے عورت پر نظر کرنا ہی ممنوع قرار دیا ہے تو عورت کے لئے ناچنا کہاں جائز ہو سکتا ہے جس میں مناظر حسن کو مردوں کے جاذب نظر انداز میں پیش کر کے عورتیں اپنے حسن فن کی داد و تحسین لیں اور ان کی دل کشی کا موجب بن کر ان کو اپنے مخفیہ اندام کا خریدار بنانے میں اپنی کامیابی سمجھیں اور بدترین ہیں وہ مرد جو عورتوں کی اس قسم کی ایمان سوز حرکات کو زندہ دلی اور روشن خیالی کا تمغہ دیکر ان کے حوصلے بڑھائیں۔

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں بعض اوقات حاجات ضروریہ کے لئے جاتا ہوں تو وہاں پڑوس میں کچھ عورتیں گانے بجانے میں مصروف ہوتی ہیں پس میں بھی سننے کے لئے کافی دیر تک وہاں بیٹھ جاتا ہوں تو اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ آپ نے فرمایا

ادا ساتھ کیا کرو ، اس نے پھر عرض کی کہ حضور ! میں ان کے پاس تو نہیں جاتا البتہ آواز کانوں میں پہنچتی ہے اور سُن لیتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا کیا قرآن میں نہیں ہے کہ بروز محشر کانوں ، آنکھوں اور دل سے بھی باز پرس ہوگی ۔ تیرا بہت برا حشر ہوتا اگر تو اسی حالت میں مرجاتا پس جاؤ اللہ کا شکر کرو اور آئندہ کے لئے توبہ کرو ہر اس امر سے جو اللہ کو ناپسند ہو اور اللہ قبیح کو ہی ناپسند فرماتا ہے پس ایسی چیزوں کو ان لوگوں کے لئے رہنے دو جو اس کے اہل ہیں کیونکہ ہر کام کے اہل الگ الگ ہوا کرتے ہیں ۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک شخص سے پوچھا کہ جب حق و باطل کو ایک دوسرے سے الگ کیا جائے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ گانا بجانا حق کی طرف ہوگا یا باطل کی طرف ہوگا ؟ تو اس نے جواب دیا کہ یقیناً باطل کی طرف ہوگا ۔ آپ نے فرمایا تو نے خود ہی فیصلہ کر دیا ہے یعنی گانا باطل امور میں سے ہے اور حق کے خلاف ہے لہذا اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے

ریڈیو یا ٹیلی ویژن

یہ دونوں چیزیں زمانہ حاضر میں ابلاغ عامہ کے بہترین ذرائع میں سے ہیں ۔ ان کے ذریعے سے اسلامی حقائق اور اس کی تعلیمات کو بڑی آسانی سے عام کیا جا سکتا ہے ۔ نیز عالمی حالات دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک فوری طور پر پہنچائے جا سکتے ہیں اور لوگ ایک دوسرے کی ہمدردی کا فریضہ باحسن طریق ادا کر سکتے ہیں لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دورِ حاضر کی عیاش طبع پود نے ان کی افادیت کو نظر انداز کر کے اُسے گانے بجانے تک ہی تقریباً محدود کر دیا ہے تلاوت قرآن یا ترجمہ یا ملکی خبریں برائے نام ہی رہ گئی ہیں ۔ ورنہ دن رات کے چوبیس گھنٹے رقص و سرود کے لئے وقف کئے جاتے ہیں اس بنا پر ان کی اصلی غرض وضع چونکہ افادی پہلو کے پیش نظر ہے ۔ لہذا افادی پہلو کے اعتبار سے ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہے اور ان کا گھر میں رکھنا بھی درست ہے کیونکہ ان کو آلات لہو و لعب سے شمار نہیں کیا جا سکتا ۔ لیکن گانا بجانا سننا ناجائز ہے اسی طرح ناچ دیکھنا بھی حرام ہے صرف خبروں یا دیگر جائز مقاصد کے لئے اس کو استعمال کیا جا سکتا ہے ۔

فلم بینی

صنعتِ فلم بھی اگرچہ افادیت کا اہم پہلو اپنے اندر رکھتی ہے ۔ نیز اسلامی اقدار

و روایات کی ترویج و اشاعت اس کے ذریعے سے کافی آسان ہے لیکن اس کو بھی کافی حد تک عیاشی تک ہی محدود کر دیا گیا ہے عموماً نوجوان طبقہ چونکہ آوارگی کا دلدادہ ہوتا ہے لہٰذا عوام نوجوانوں کے تسکینِ جذبات کے پیشِ نظر ایسے جاذبِ منظر اور دل کش افسانوں کو زیبِ فلم بنایا جاتا ہے۔ جو اخلاق باختہ اور حیا سوز ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کے لئے زہرِ قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض اچھے بھلے خاندان اسی فلم بینی ہی کی بدعادت کے نتیجے میں اپنی خاندانی شرافت و حیا کی روایات کو دفن کر کے پردہ بلکہ غیرت کی اہمیت کا انکار کر بیٹھے ہیں انسانی کردار پر جس قدر بُرے اثرات اس کے پیدا کردہ ہیں وہ ان گنت ہیں۔ عشقیہ مناظر اور محبت و پیار کے غیرت سوز طریقے جو نوجوان طبقے کے حُسنِ کردار کے لئے پیغامِ موت ہوتے ہیں فلم کی مقبولیت کے اسباب شمار ہوتے ہیں بلکہ چوری اور ڈاکہ کی نئی قسم کی وارداتیں بھی اکثر فلمی افسانوں کی تربیت کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں بہرکیف اس کا وجود معاشرہ انسانی کے لئے بالعموم اور اسلامی اقدار کے لئے بالخصوص ایک ناقابلِ اصلاح ناسُور کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ خدا جملہ مومنین کو اس قسم کی عاداتِ بد سے محفوظ رکھے۔

دھوکہ اور فریب کاری

انسانی عیوب میں سے دھوکا دہی اور فریب کاری ایک بدترین عیب ہے بلکہ انسانیت کے خوشنما چہرے پر اس سے زیادہ بدنما داغ کوئی بھی نہیں کیونکہ معاشرہ انسانی کی تباہ کاری اور امن و سکون کے بجائے بے چینی اور بدامنی کی ہمہ گیری و فراوانی میں اس صفتِ بد کو بہت زیادہ دخل ہے کیونکہ صفاتِ مذمومہ کے چاروں اصول یعنی حسد حرص، غضب اور شہوت اس کے محرک ہوا کرتے ہیں جبکہ باقی گناہ ان چاروں اصول میں سے کسی خاص ایک اصل کی ہی پیداوار ہوتے ہیں کیونکہ بعض گناہ صرف حسد کی وجہ سے ہوتے ہیں بعض گناہوں کو شہوت جنم دیتی ہے لیکن دھوکا اور فریب کاری ایسا گناہ ہے جس کا محرک بعض اوقات حسد ہوتا ہے کیونکہ جس کے ساتھ حسد ہوا سے دھوکا اور فریب کے ذریعے سے زیر کیا جاتا ہے بعض اوقات بلکہ عموماً اس بری عادت کا محرک حرص و لالچ ہوتا ہے کیونکہ دھوکا و فریب کے ذریعے جلبِ منفعت کو کامیاب زندگی تصور کیا جاتا ہے اور گھٹیا قسم کے لوگوں کے لئے انسانی معاشرہ میں کاروباری معاملات کیلئے

کامیاب ترین حربہ دھوکا و فریب ہی کو خیال کیا جاتا ہے۔ بلکہ اقتدار کی ہوس پرستی کا بھی کامیاب ترین زینہ یہی صفت بد ہے اور لطف یہ کہ آج کل کے بدلے ہوئے معیار شرافت کے پیش نظر بہترین سیاستدان اور عوام کی قیادت کے لئے موزوں ترین انسان اسی شخص کو سمجھا جاتا ہے۔ جو دھوکا اور فریب کاری میں اپنی مثال آپ ہو نیز بازاریوں کاروباریوں اور میدان سیاست کے کھلاڑیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اپنے قریب ترین ساتھی سے دھوکا کرنا بھی دانائی زندہ دلی اور روشن خیالی سمجھی جاتی ہے جبکہ ایسا نہ کرنا سادگی و فرسودگی شمار ہوتی ہے اور اگر آپ گہری نظر سے معاشرۂ انسانیہ کا جائزہ لیں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ بھائی بھائی سے دوست دوست سے باپ بیٹے سے بیٹا باپ سے ماں بیٹی سے بیٹی ماں سے شوہر بیوی سے بیوی شوہر سے ہمسایہ ہمسایہ سے حاکم محکوم سے محکوم حاکم سے استاد شاگرد سے شاگرد استاد سے وکیل موکل سے موکل وکیل سے مزدور کارخانہ دار سے کارخانہ دار مزدور سے بائع مشتری سے مشتری بائع سے زمیندار کاشتکار سے کاشتکار زمیندار سے ذاکر بانی مجلس سے بانی مجلس ذاکر سے عوام حکام سے اور حکام عوام سے دھوکا اور فریب کاری کا شکوہ کرتے نظر آئیں گے۔ غرضیکہ جس کو جس سے کسی حد تک واسطہ ہے تجربہ کرنے کے بعد وہ اس کی دھوکا دہی پر نالاں و پریشان دکھائی دیتا ہے جس کا نتیجہ انتقامی حالات کے پیش نظر فساد و فتنہ تک منتہی ہوتا ہے اور جس طرح ہمارے بیان کے مطابق حسد و حرص اس صفت بد کی تحریک کرتے ہیں اسی طرح غضب اور شہوت کو بھی دھوکا اور فریب کاری میں اساس و بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔

پھر دھوکا اور فریب کاری کن کن صورتوں میں نمایاں ہوتے ہیں؟ اس کی بھی لمبی فہرست ہے لیکن نمونہ کو سمجھ لینے کے بعد تفصیلات کی ٹوہ لگانا آسان ہے۔ چنانچہ عہد شکنی اسی دھوکا اور فریب کاری کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے ملاوٹ خواہ اشیاء خوردونی و نوشیدنی میں ہو یا زندگی کے باقی شعبہ جات کے لئے استعمال لائی جانے والی اشیاء میں ہو اسی دھوکا و فریب کاری کی بدترین مثالیں ہیں۔ دودھ میں پانی بلکہ پانی میں دودھ کی روایت تو ایک عام اور بہت پرانی رسم ہے

پرانی اور ردی گندم کو اچھی گندم میں ملا کر اعلیٰ نرخ پر فروخت کرنا بلکہ ہر ردی کو اعلیٰ میں ملا کر اعلیٰ کے دام وصول کرنا کاروباری دنیا کا اصول بن چکا ہے۔ گیکرے کو نئے پھول ڈبہ میں بند اور پیپری اعلیٰ سرخ مرچ کا لیبل ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ پسی ہوئی مٹی موٹی لفافہ میں بند کو نمک سمجھ کر ہم نے خود خریدا ہے۔ غرضیکہ جملہ صنعت کار سوائے شاذ و نادر افراد کے ردی مال کو کھرے مال میں ملا کر کھرے مال کے دام وصول کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ہمارے ملک میں اپنے ملک کی مصنوعات کو اسی لئے گری ہوئی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے کہ اس ملک کے صنعت کار دھوکا و فریب کاری کو جلب زر کا وسیلہ سمجھتے ہیں اور دوسرے ممالک کی مصنوعات کو بالعموم ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ ان کے صنعت کار کسی حد تک انسانی ہمدردی اور حقوق انسانی کی پاسداری کی پرواہ کرتے ہوئے ملاوٹ میں کم کرتے ہیں۔ اس گرانی کے دور میں تو زہر بھی خالص تلاش کرنا ناممکن ہے۔

پہلے کسی حد تک تسلی ہوا کرتی تھی کہ دوائیوں میں انسانی جانوں کی حفاظت کے پیش نظر کچھ نہ کچھ خیال رکھا جاتا ہے لیکن بدقسمتی سے دور حاضر نے یہی رہی سہی امید کی کرن بھی ناپید کر دی ہے خدا کرے انسان اپنی قدروں کو سمجھے اور اس صفت بد سے باز آنے کی سعادت حاصل کرے یقیناً وہ دن معاشرہ انسانی کے لئے عید کا دن ہو گا۔ جس دن دھوکا کی بجائے انسانی معاشرہ خلوص اور نیک نیتی کو بدل و جان اپنائے گا۔

جادوگری اور شعبدہ بازی بھی اسی صفت بد کی افسوسناک جزئیات میں سے ہیں۔ شیطان نے انسان کو پیسہ کمانے کے لئے کئی رستے دکھائے ہیں لیکن اگر انسان اپنی کرامت فطری اور شرافتِ ذاتی کا جائزہ لیتا تو یقیناً اس قسم کے غلط اقدامات کے بجائے بھوکا مرنا گوارا کر لینا اس کے لئے آسان ہوتا کیونکہ ذلت کی زندگی سے یقیناً عزت کی موت بہتر ہے اور خداوند کریم نے واضح طور پر فرمایا ہے۔ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ یعنی تم ایک دوسرے کا مال باطل اور غلط طریقہ سے نہ کھاؤ اور اسی قسم کی غلط کمائی کو سحت سے تعبیر کیا گیا ہے اور حرام کھانے والوں کے متعلق فرماتا ہے اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ہمارے علمار اعلام نے

جادوگری اور شعبدہ بازی اور ایسے فنون کی کمائی کو حرام قرار دیا ہے

فرائض سے کوتاہی

انسان پر عائد شدہ فطری ذمہ داریوں کے علاوہ کچھ ذمہ داریاں معاشرہ کی طرف سے بھی اس پر عائد ہوتی ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانا انسان کی معاشرتی زندگی کے اہم فرائض میں سے ہے اور معاشرتی تمدنی زندگی کے توازن کو قائم رکھنے کے لئے حکام اور عوام کے درمیان یا سلاطین و رعایا کے درمیان تقسیم کار کے طور پر جن فرائض کو تقسیم کیا گیا ہے ان سے عہدہ برا ہونا ہر فرد کے لئے ضروری ہے اور اسی کو امن و امان اور سکون و اطمینان کی فضا کی درستی اور قیام کے لئے بنیادی حیثیت حاصل ہے اور فرائض سے غفلت شعاری ہی بدامنی و بے چینی کی سنگِ بنیاد ہے۔

رشوت

فرائض سے کوتاہی کی بدترین محرک رشوت ہوا کرتی ہے جس کو شریعت مقدسہ اسلامیہ نے حرام اور سحت قرار دیا ہے پس رشوت لینا بھی حرام ہے کیونکہ فرائض ناشناسی اور انسانی اقدار کی پامالی کے لئے یہ پیش خیمہ ہے اور رشوت دینا بھی حرام ہے کیونکہ اس میں دوسروں کو زر و دنیا کی لالچ کے پھندے میں ڈال کر فرائض سے کوتاہی کا سبق دینا ہوتا ہے اور حدیث میں اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ کِلَاهُمَا فِی النَّارِ یعنی رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنم کا ایندھن ہیں اور حرص کی ہی کارستانی ہے کہ انسان کو اپنی فطری کرامت سے غافل کرکے اس کو ذلیل ترین حیوانات کی صفات کا دلدادہ بنا دیتا ہے اور اس کا افسوس ناک اور عبرتناک پہلو یہ دیکھئے کہ کتے کے حریص ہونے کی مذمت کرنے والے خود اسی حرص میں کتے کو بھی مات کر دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں

الزام تراشی اور عیب جوئی

اپنی دوکان کو چمکانے اور دوسروں کو زیر کرنے، گرانے اور بدنام کرنے کے لئے اپنی عیب پوشی اور دوسروں کی عیب جوئی کی جاتی ہے اپنے اندر نہ ہونے والی خوبی کو خوبی ظاہر کیا جاتا ہے اور دوسروں کی واقعی خوبی کو چھپایا جاتا ہے۔ بلکہ اپنی پاکبازی کے بیان کے ساتھ ساتھ دوسروں پر الزام تراشی

کو اپنی کامیابی کا زینہ سمجھا جاتا ہے اور اچھے خاصے مقدس لوگ بعض اوقات اس ناپاک کیچڑ میں ملوث نظر آتے ہیں۔

اس بدصفت کے محرک بھی برائی کے چاروں اصول ہوا کرتے ہیں۔ یعنی حسد، حرص، غضب اور شہوت اور یہ صفتِ بد انسانوں کے تمام طبقات میں پائی جاتی ہے۔ ایک دکاندار دوسرے دکاندار پر الزام تراشی کرتا ہے اور اس کی عیب جوئی کرتا ہے تو وکیل وکیل پر، کارخانہ دار کارخانہ دار پر، مولوی مولوی پر، ذاکر ذاکر پر، بلکہ ہر اقتدار پسند دوسرے اقتدار پسند کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے اس پر الزامات عائد کرنا اور اس کے عیوب کی قبریں کھودنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے اور زندگی کے جملہ شعبہ جات خواہ ان کا تعلق سیاست سے ہو یا دیانت سے ہو اور ان کا ربط حکومت سے ہو یا عوام سے ہو اُن میں ہر حریف اپنے حریف سے میدان جیتنا اسی صفتِ بد کے ذریعے سے ضروری سمجھتا ہے اور یہی عادتِ بد باہمی الفت و محبّت کے لئے زہر قاتل ہے اور بدظنی و باہمی فساد کی بنیاد ہے۔

جو لوگ الزام تراشی اور عیب جوئی کو گناہِ کبیرہ سمجھتے ہیں اور منبروں پر وعظ کرتے ہوئے نہیں تھکتے اپنی شہرت کو بڑھانے اور مقبولِ عوام بننے کے لئے اپنے مدّمقابل کے وقار کو گرانے کے لئے اسی ہی ناپاک حربے کا سہارا لیتے ہیں۔ حسد میں علماء کا حصہ اچھا خاصا ہے پس وہ نہایت مقدس بن الزام تراشی و عیب جوئی کرکے داد و تحسین کے مستحق بن جاتے ہیں اگر کوئی عالم ان کی منشا کے خلاف ہو تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ اس کو فلاں طرف سے ایڈ مل رہی ہے اور شیخ احمد احسائی مرحوم اسی قسم کے حاسد علماء کی الزام تراشی کے ہی زخم خوردہ ہیں، جن کو آج تک سستی شہرت حاصل کرنے والوں نے معاف نہیں کیا اور جو آدمی یہ کہہ دے کہ شیخ مرحوم نیک عالم دین تھے تو فوراً کہہ دیا جاتا ہے کہ اس آدمی کو خرید لیا گیا ہے (العیاذ باللہ)

چھ قسمیں اور چھ عیوب

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم چھ قسم کے لوگوں کو چھ قسم کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دے گا (۱) عربوں کو تعصب کی وجہ سے (۲) زمینداروں کو تکبر کی وجہ سے (۳) امراء کو ظلم کی وجہ سے (۴) فقہا کو حسد کی وجہ سے (۵) تاجروں کو خیانت کی وجہ سے (۶) دیہاتیوں کو جہالت کی وجہ سے۔

عرب اور تعصب

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر عرب میں تعصب ہو اور یہ مقصد بھی نہیں کہ صرف عربوں کا تعصب ہی موجب گناہ ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ تعصب ایک روحانی موذی مرض ہے وہ جس انسان میں پایا جائے برا ہے خواہ عرب ہو یا غیر عرب ہو اور جس طرح ممکن ہے کہ عرب ہو اور تعصب سے پاک ہو اسی طرح ہو سکتا ہے کہ غیر عرب ہو اور تعصب کے مرض کا شکار ہو۔

تعصب اور حسد

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تعصب اور حسد دو الگ الگ بیماریاں ہیں حسد یہ ہے کہ کسی انسان پر اللہ کی نعمت دیکھ کر جلتے رہنا اور پھر عملی طور پر اس سے زوال نعمت کی کوشش کرنا اور تعصب یہ ہے کہ کسی انسان پر خدا کی نعمت کو دیکھے اور اس نعمت کی تحقیر کرے اور صاحب نعمت سے ان لوگوں کو ترجیح دے جو اس نعمت سے بے بہرہ ہوں۔ مثلاً جاہل ہونے کے باوجود کسی عالم کے متعلق یہ کہے کہ میں اس سے زیادہ عالم ہوں۔ اسی طرح اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے کی تحقیر کرے اور کہے کہ میں اس سے بدرجہا بہتر ہوں بلکہ وہ تو میرے شاگردوں کی حیثیت بھی نہیں رکھتا یا یہ کہ دوسری قوم کے عالم سے اپنی قوم کے جاہل کو ترجیح دے اور میں نے صرف صفت علم کا ذکر کر دیا ہے۔ ورنہ تعصب صرف علم سے مخصوص نہیں بلکہ کسی کی اچھی صفت کی تحقیر کرنا اور اس صفت سے خالی لوگوں کو اس سے بڑھانا تعصب کہلاتا ہے یعنی دوسری اقوام کے شرفاء سے اپنی قوم کے غیر شریف افراد کو

افضل کہنا یہ تعصب ہی کی بدولت ہوا کرتا ہے اور تعصب چونکہ عصبہ سے ہے اور اس کے مفہوم میں کنبہ پرستی خاندان نوازی اور قوم پروری داخل ہے لہذا تعصب اپنے لئے یا اپنوں کے لئے ہی ہوا کرتا ہے کہ انسان کسی بھی باکمال شخص کو اپنے جیسا یا اپنی قوم و کنبہ و خاندان جیسا نہ سمجھے اور جس طرح غیظ و غضب تکبر کی پیداوار ہے اسی طرح تعصب بھی تکبر ہی کی پیداوار ہے اور یہ موذی مرض چونکہ عربوں میں عام تھا کہ اپنی فصاحت و بلاغت پر اتراتے ہوئے وہ پورے عالم کی تمام اقوام کو عجم یعنی گونگا تصور کرتے تھے اور کسی غیر عرب کو عرب پر ترجیح دینا ناجائز سمجھتے تھے پس اگر غیر عرب عالم و کامل ہوتا اور عرب شخص جاہل و ناقص ہوتا تب بھی وہ عرب کو غیر عرب پر ترجیح دیتے تھے ان کی اسی عمومی عادتِ بد کے پیشِ نظر تعصب کی عرب کی طرف نسبت دی گئی ورنہ تعصب بری صفت ہے خواہ کسی قوم میں پایا جائے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا:- مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ حَبَّۃٌ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ عَصَبِیَّۃٍ بَعَثَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَعَ اَعْرَابِ الْجَاھِلِیَّۃِ یعنی جس انسان کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تعصب ہوگا اس کو خدا بروز قیامت زمان جاہلیت کے عربوں (بدوؤں) کے ساتھ محشور کرے گا اور حسد کے لئے ضروری نہیں کہ قوم کے لئے ہو یا اپنی ذات کے لئے ہو بلکہ یہ موذی روحانی مرض دوسروں پر اللہ کی نعمت کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے اور اس کی نعمت کی تحقیر نہیں ہوتی بلکہ اس مرض میں اس کی نعمت کے زوال کی تمنا ہوتی ہے اور اس بیماری کے ہوتے ہوئے دل میں خواہش ہوتی ہے کہ فلاں شخص (محسود) کی نعمت اس سے زائل ہو جائے خواہ وہ نعمت یا اس جیسی نعمت مجھے ملے یا نہ ملے اور جب بھی اس شخص سے نعمت مذکورہ کے زوال کی خبر سنے یا زوال کے اسباب دیکھے تو دل میں خوشی محسوس ہو اور یہ بدترین روحانی بیماری ہے اور یہ بیماری غیروں کی بہ نسبت اپنوں میں زیادہ ہوتی ہے جس طرح کہ تعصب غیروں میں ہی ہوا کرتا ہے۔ پس اپنے خاندان کے کسی فرد کو فراوانیٔ نعمت میں سرشار دیکھ کر خاندان کے ہی گھٹیا قسم کے آدمی خواہش کرنے لگتے ہیں کہ اس کی نعمت زائل

ہو جائے اور پھر اس کی زوالِ نعمت پر خوشی بھی محسوس کرتے ہیں اور میرے خیال میں بڑا نیک بخت اور نیک نصیب ہے وہ انسان جو فراوانیٔ نعمتِ خدا کے باوجود اپنی قوم وخاندان کے حسد سے محفوظ رہے اور تاریخ شاہد ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ اپنی قوم قریش کے حاسدین سے زخم خوردہ ہو کر دنیا سے تشریف لے گئے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور ان کی اولاد امجاد پہلے قریشیوں اور پھر عباسیوں کے جور وظلم کا نشانہ صرف حسد ہی بدولت بنتی رہی اور بہت ہی نیک بخت ہے وہ انسان جو اپنے اندر حسد یا تعصب جیسے موذی روحانی امراض کو محسوس کرلے اور اس سے تائب ہو جائے۔

زمیندار اور تکبر

یہ ضروری نہیں کہ ہر زمیندار متکبر ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ زمیندار بھی ہو اور تکبر کے بجائے انکساری اور فروتنی اپنے اندر رکھتا ہو لیکن چونکہ عموماً زمیندار لوگ تکبر کے موذی مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اس لئے حدیث میں ان کا ذکر کر دیا گیا ہے اور زمیندار سے مراد مرلہ دو مرلہ یا کنال دو کنال کے مالک نہیں بلکہ ایسے لوگ مراد ہیں جن کے ماتحت چند مزارعین کام کرتے ہوں۔ ہم نے ایسے زمیندار بھی دیکھے ہیں جو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت کو اپناتے ہوئے غریبوں اور بے کسوں کے ساتھ بیٹھنا سعادت سمجھتے ہیں اور ایسے بھی دیکھے ہیں جو غریبوں کا پاس بیٹھنا اپنی توہین سمجھتے ہیں بلکہ ان سے ہاتھ ملانا تو درکنار ان کے سلام کا جواب دینا بھی کسرِ شان سمجھتے ہیں ان کا دربار فرعونیت کی یاد تازہ کرتا ہے۔ لہجے میں سختی چہرہ پر ترشی کردار میں پستی اور رفتار میں کبریائی کو وہ اپنی شان سمجھتے ہیں جب وہ کرسی یا چارپائی پر بیٹھے ہوں اور ارد گرد خالی کرسیاں یا چارپائیاں بھی ہوں تو کسی غریب کی مجال نہیں کہ ان کے سامنے کسی خالی کرسی یا چارپائی پر بیٹھنے کی جرأت کرے۔

بہر کیف تکبر نہایت بری صفت ہے جو اکثر برائیوں کی جڑ ہے خواہ متکبر زمیندار ہو یا غیر زمیندار اور جس طرح یہ ممکن ہے کہ زمیندار ہو اور متکبر نہ ہو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ زمیندار نہ ہو اور متکبر ہو۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے آپ نے فرمایا ثَلٰثَةٌ

لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ
شَيْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ جَبَّارٌ وَمُقِلٌّ مُخْتَالٌ یعنی تین قسم کے لوگوں کے ساتھ خداوند کریم
بروز محشر کلام نہ کرے گا (ازراہِ غضب) اور نہ ان پر نظر رحمت کرے گا اور نہ ان کے اعمال
کا تزکیہ کرے گا (یعنی ان کے اعمال قابل جزا نہ ہوں گے) اور ان کے لئے دردناک عذاب
ہوگا (۱) بوڑھا زانی (۲) ظالم بادشاہ (۳) غریب متکبر

اس میں شک نہیں کہ تکبر کی بدولت ہی ابلیس کی گردن میں ہمیشہ کے لئے طوقِ لعنت ڈالا گیا ہے چنانچہ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ تو نے ترکِ سجدۂ آدم تکبر کی وجہ سے کیا ہے یا تو عالین میں سے ہے تو اس نے عالین میں سے ہونے کی نفی کر دی اور کہنے لگا تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا یعنی جس میں بلندی ہے وہ اس خاک کے سامنے کیسے جھکے جس میں فطرتاً فروتنی و پستی ہے اور طبیعت میں انانیت کا پیدا ہو جانا تکبر ہے۔ خواہ اس کا تعلق کسی قوم سے ہو۔ پس اگر عالم اپنے علم پر تکبر کرے اور دوسروں کو حقیر سمجھ کر ان پر اپنی بالادستی کا اظہار کرے یا صاحب زر اپنی زر کی وجہ سے تکبر کرکے دوسروں کو حقیر سمجھے یا کوئی پیشہ ور اپنے کمال کی وجہ سے دوسروں کو ذلیل سمجھے یہ سب مذموم اور مبغوض خدا ہیں۔ تکبر ہی کی بدولت انسان حق کی بات کو ٹھکرا دیتا ہے کیونکہ جو بات اس کے منہ سے نکلے اور دوسرا شخص دلائل کے ساتھ اس کو سمجھانے کی کوشش کرے تو وہ چونکہ اپنے منہ سے ایک بات کہہ چکا ہوتا ہے لہٰذا دوسرے کی بات ماننا اپنی کسرِ شان سمجھتا ہے اور یہ علمی تکبر ہے اور تکبر کے تمام اقسام سے یہ قسم بدترین ہے چنانچہ حضرت رسالتمآب سے منقول ہے آپ نے فرمایا۔ وہ شخص ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا اور وہ شخص جہنم میں ہرگز داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ تو ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور! اچھے کپڑے پہننا اور اچھی سواری پر سوار ہونا بھی تکبر ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اپنے قول کی لاج رکھنے کے لئے ازراہِ تحقیر قولِ حق

کو ٹھکرا دینا تکبر ہے اور اپنی غلط رائے کو ٹھکرا کر قولِ حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لینے کا نام ایمان ہے اور اس مضمون کی روایات بکثرت وارد ہیں۔

عموماً جس انسان کی خوشامد کرنے والے موجود ہوں اس میں تکبر آ جاتا ہے اور بہت کم خوش نصیب ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی حیثیت کو خود سمجھیں اور جذبات و خواہشات کے طوفانی حملوں سے محفوظ رہیں حضرت رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے بچوں کی چند عادات بھاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بچے زمین پر بیٹھ جانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور میں محمدؐ بھی زمین پر بیٹھ جانے کو محبوب جانتا ہوں اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا دستور تھا کہ زمین پر بیٹھ کر ہی کھانا تناول فرماتے تھے اور غرباء طبقہ کے لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا پسند فرماتے تھے اور حضرت پیغمبرؐ جب مساکین کے پاس بیٹھتے تو یہ دعا مانگتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ اوکما قال یعنی اے اللہ مجھے مسکینوں کی زندگی اور مسکینوں کی موت عطا کر اور بروزِ محشر مساکین کے زمرہ میں مجھے محشور فرما۔

ضرار سے جب امیرِ شام نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت کے متعلق دریافت کیا تو ضرار نے اپنے جواب میں کہا کہ حضرت علیؑ کی ذاتِ ستودہ صفات کے متعلق کیا عرض کروں کہ وہ غریبوں کے ساتھ اس طرح بے تکلف بیٹھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا آپ بھی انہی کا ایک فرد ہیں اور ان کے ساتھ کھانا تناول کرنے میں کسرِ شان نہیں سمجھتے تھے۔ لمبی روایت میں سے صرف ایک جملے کا مفہوم میں نے پیش کیا ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے نیشاپور کے راستہ میں غلام نے عرض کی کہ حضورؐ کھانا تناول فرما لیجئے۔ آپ نے فرمایا سب ساتھیوں کو بلاؤ تاکہ مل کر کھالیں غلام نے عرض کی کہ ہم آپ کا پس خوردہ کھانے میں فخر محسوس کرتے ہیں آپ نے فرمایا جس کا مقصد یہ ہے کہ تنہا کھانا اور اپنا پس خوردہ دوسروں کو کھلانا تکبر کی علامت ہے اور شریعت مقدسہ میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنی حکومت کے زمانہ میں تنہا جاتے تھے۔ اگرچہ وہ لوگوں

کو راہ بتلاتے تھے اور کمزوروں اور ناتوانوں کی دست گیری کرتے تھے اور جب دکانداروں اور سبزی فروشوں کے سامنے سے گزرتے تھے تو قرآن مجید سے یہ آیت تلاوت فرماتے تھے۔ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ الآیہ یعنی وہ آخرت کا گھر (جنت) ہم ان لوگوں کے لئے قرار دیں گے جو زمین میں بڑائی کا ارادہ نہ کریں۔

(اندازہ کیجیے حضرت امیر المومنین علیہ السلام مملکتِ اسلامیہ کے تاجدار کی حیثیت رکھنے کے باوجود بازار میں اکیلے چلتے تھے کیونکہ اپنے پیچھے چند آدمیوں کو لگا کر چلنا بڑائی اور تکبر کی نشانی ہے لیکن دورِ حاضر میں اس کے الٹ لیا اکیلا چلنا اپنی توہین سمجھتے ہیں حتیٰ کہ علماء و فقہا بھی اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں کہ اکیلے چلیں اور میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ جس کے کان اپنے پیچھے جوتیوں کی کھنکھناہٹ کی آواز سننے کے عادی ہو جائیں وہ متکبر ہے) آپ نے آیت مجیدہ کے متعلق فرمایا کہ یہ انصاف پسند اور متواضع مزاج حکمرانوں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور عوام الناس میں سے صاحبانِ قدرت لوگ بھی اس میں شامل ہیں اور آپ نے فرمایا کہ انسان کی بڑائی اور خود پسندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر انسان چاہتا ہے کہ میرے جوتے کا تسمہ بھی دوسرے کے تسمے سے عمدہ ہو۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے۔ مَا لِابْنِ اٰدَمَ وَالْفَخْرُ اَوَّلُهٗ نُطْفَةٌ وَّاٰخِرُهٗ جِيْفَةٌ وَلَا يَرْزُقُ نَفْسَهٗ وَلَا يَدْفَعُ حَتْفَهٗ۔ یعنی آدم کی اولاد کا فخر و تکبر سے کیا واسطہ؟ جس کی ابتدا نطفہ ہے اور انتہا مُردہ ہے نہ وہ اپنے آپ کو رزق دے سکتا ہے اور نہ اپنی ذات سے موت کو دُور کر سکتا ہے۔

حضرت رسالتمآب نے بنی تمیم کے ایک شخص کو بطور نصیحت ارشاد فرمایا کہ چادر کو زمین پر گھسیٹ کر چلنے سے بچو کیونکہ اس میں تکبر پایا جاتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جہنم میں اکثریت تکبر کرنے والوں کی ہوگی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر قوم میں سے شریر قسم کے لوگ ہی تکبر کیا کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا جو شخص زمین پر تکبّر کی چال سے چلے تو اس پر زمین اور زمین سے نیچے رہنے والی اور اوپر بسنے والی سب مخلوق لعنت کرتی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ تکبر اللہ کی رداء ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے وہ اللہ کی رداء چھیننے کی کوشش کرتا ہے آپ نے فرمایا جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام صعدا ہے اور اس میں ایک وادی ہے جس کا نام سقر ہے اور وادی سقر میں ایک کنواں ہے جس کو ھبھب کہا جاتا ہے جب اس کا ڈھکنا کھولا جاتا ہے تو تمام اہل جہنم اس کی گرمی سے پناہ مانگتے ہیں اور وہی کنواں تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ بڑائی اللہ کی رداء ہے اور تکبر اس کا لباس ہے پس جو شخص ان دو میں سے کسی ایک صفت کو اپنائے گا خدا اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالے گا۔ آپ نے فرمایا وہ شخص ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر پایا جائے گا آپ سے سوال کیا گیا **الحاد** کا ادنیٰ درجہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ الحاد کا ادنیٰ درجہ تکبر ہے۔

اسم اعظم

اس میں شک نہیں کہ خواہش نفس ہی تمام بدعادات کا سرچشمہ ہے دیکھئے خداوند کریم کے اسماءِ طاہرہ میں سے ہر اسم۔ اسم اکبر اور اسم اعظم ہے اور جس کے پاس ایک اسم اعظم بھی ہو وہ صاحب کرامات ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اللہ کے کسی نام کو اپنا وظیفہ بنایا جائے اور روزانہ زبانی رٹ لگاتا رہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ **تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ** کے تحت اپنے اندر اس نام کے اثرات کو جذب کیا جائے۔ مثلاً رحمان اسم اعظم ہے لیکن صرف زبانی ورد کافی نہیں جب تک کہ صفت رحمت حتی الامکان اپنے اندر جذب نہ کرے اسی طرح اللہ اکبر بھی اسم اعظم ہے لیکن بشرطیکہ اس کا معنی اپنے اندر پیدا کرے یعنی جس طرح زبان سے کہتا ہے کہ کبریائی ذات اللہ کے لئے ہے تو اس کا عملی ثبوت اپنے اندر اس طرح پیدا کرے کہ اس کے کردار گفتار و رفتار میں کسی قسم کا تکبر و انانیت نہ پائی جائے

اس ریاضت کے بعد جب اسم اللہ اکبر کو وردِ زبان بنائے گا تو یہ اسم اس کے لئے اسمِ اعظم ہوگا

میں جب اپنے حالاتِ زندگی پر نظر کرتا ہوں تو مجھے اپنے اکثر افعال میں تکبر کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے انسان کا یہ چاہنا کہ میرے جوتے کا تسمہ بھی دوسرے کے تسمے سے اچھا ہو تکبر ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے تو مجھ جیسا انسان کب دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں تکبر سے بری ہوں۔ اس کا مطلب یہ نہ سمجھئے کہ اچھا لباس پہننا یا اچھی سواری پر سوار ہونا بری چیز ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ دوسروں کی تحقیر و توہین کو ذہن میں رکھ کر دوسروں سے مقابلہ کے طور پر اُن سے بڑھ چڑھ کر اپنی پوزیشن بنانا تکبر ہے اور بری صفت ہے مثال کے طور پر جب ایک جگہ چند کرسیاں خالی پڑی ہوں اور انسان اپنی ذاتی مرضی کی بنا پر کسی کرسی پر نہ بیٹھے اور کھڑا ہونا پسند کرے تو اس کھڑے ہونے میں کوئی کسرِ شان محسوس نہیں کرے گا لیکن اگر چند آدمی اگر کرسیوں پر بیٹھ جائیں اور وہی کرسیاں پُر ہو جائیں حتاکہ اس کے لیے کوئی کرسی نہ بچے تو فوراً طبیعت پر بوجھ پڑنا شروع ہو جائے گا اور دل گھٹے گا اور نفس اس کھڑے ہونے کو اپنے لئے کسرِ شان سمجھے گا۔ گویا اس کھڑے ہونے کو کسرِ شان سمجھنا صرف دوسروں کے بیٹھ جانے کی وجہ سے ہے نہ کہ ذاتی طور پر کھڑا ہونا انسان کی کسرِ شان ہے اور یہی ہے تکبر۔ بس کی سواری ہو یا گاڑی کی سواری ہو اپنی مرضی سے اگر کھڑا ہو جائے تو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن اگر سیٹ نہ ملے تو بہت زیادہ گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ اس قسم کی گھٹن اور کڑھن علامات تکبر میں سے ہے اگر اس کے ساتھ چند آدمی اور بھی کھڑے ہوں تو یہ گھٹن کم ہو جاتی ہے۔ اور اگر کسی وقت سب بیٹھے ہوئے لوگوں کو کھڑا ہونا پڑ جائے تو گھٹن بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

اور ماحول کی تبدیلی سے یہ انداز بھی بدل جاتا ہے کیونکہ مقرر واعظ اور خطیب کا مجمع عام میں کھڑے ہو کر بیان کرنا اس کی شان ہے اور یہی وجہ ہے کہ خطبہ جمعہ و عیدین میں کھڑے ہونا امام کی شان ہے ان مقامات پر اگر سننے والے کھڑے ہو جائیں تو اس کی کسرِ شان اور توہین متصور ہو گی اور خطیب و واعظ کی شان تکبر نہیں بلکہ اللہ نے عوام کے مقابلہ میں اس کو یہ مرتبہ

اللہ فرمایا ہے پس پہلے شکر گذار ہونا چاہیئے۔ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اسم اعظم ہے لیکن اس طرح کہ انسان اپنے نفس سے الوہیت کو ختم کردے اور صرف اللہ کو ہی اِلٰہ مانے کیونکہ خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں کی خدا نے مذمت کی ہے اور فرمایا ہے۔ اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو الٰہ بنالیا۔ گویا خداوند کریم کی منشأ کے خلاف نفس کی خواہش کو پورا کرنا ایسا ہے جیسا کہ نفس کو الٰہ مان لیا جائے تو کلمہ مذکورہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو وردِ زبان جاری کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے غیر اللہ کی الوہیت کو ٹھکرادے حتاکہ اپنی خواہشِ نفس کو تابع فرمان پروردگار بنادے اور یہی جہاد اکبر ہے جس کا بیان پہلے بھی ہوچکا ہے پس جب اس جہاد میں انسان کامیاب ہوجائے تو تمام عادات بد کا وجود سے قلع قمع ہوجاتا ہے۔

تکبر بہت بُری صفت ہے لیکن کسی متکبر کے تکبّر کو توڑنے کے لئے اس کے سامنے تکبّر کرنا برا نہیں چنانچہ حضرت رسالتمآبؐ کی سیرتِ طاہرہ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ ہر آنے والے کا تواضع سے استقبال فرماتے تھے لیکن اگر کوئی متکبّر انسان داخل دربار ہوتا۔ تو آپ بھی اس کے تکبّر کو توڑنے کے لئے اُس سے متکبّرانہ انداز سے پیش آتے تھے۔

قدیم سے علمائے کرام کا یہی دستور چلا آیا ہے لیکن اس گئے گذرے دور میں جہاں اور اقدارِ شرعیہ نظر انداز ہوگئیں وہاں علماء بھی اپنے فرائض سے پہلوتہی کرتے نظر آئے اور صفتِ تکبّر جو بدترین اخلاق میں سے ہے علماء میں بھی اس نے اپنا مقام پیدا کرلیا ہے۔ حتاکہ نہ صرف عوام کو بلکہ خواص کو بھی نظرِ استحقار سے دیکھنا علمائے اپنی شان سمجھ رکھا ہے اور بعض علماء یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے پیچھے چلنے والوں کی کثرت ہوتا کہ لوگ سمجھیں یہ بڑا عالم ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا صریح فرمان اگرچہ سامنے ہے کہ بڑائی کے لئے علم کا حاصل کرنا بھی گناہ ہے لیکن پھر بھی رفتار میں تکبّر، گفتار میں تکبّر اور کردار میں تکبّر۔ اپنی عالمانہ شان بنائی گئی ہے۔ اور معصومین کا فرمان صرف تقریر اور خطابت تک ہی محدود کردیا گیا ہے۔ حالانکہ ارشاد خداوندی ہے

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ ۔ یعنی کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے نفسوں کو فراموش کرتے ہو ؟ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جن پر خود عمل پیرا نہیں ہوتے ؟

اللہ کو تو یہ بھی پسند نہیں کہ متکبر لوگوں سے دوستانہ میل جول رکھا جائے لیکن دورِ حاضر کے بعض علمائ ایسے بھی ہیں کہ عوام کے سامنے تو متکبرانہ انداز کو اپنا شانِ علم سمجھتے ہیں، لیکن جب امراء متکبرین کے بارگاہ میں کاسہ لیسی کے لئے حاضر ہوتے ہیں تو تواضع کو اپنے اخلاقِ حسنہ کی دلیل بنا لیتے ہیں حالانکہ بمضمون روایات اچھے اور بُرے امیر اور اچھے و بُرے عالم کی پرکھ یہ بتائی گئی ہے اِذَا رَاَیْتُمُ الْعُلَمَاءَ عَلٰی بَابِ الْاُمَرَاءِ فَھُمْ شَرُّ الْعُلَمَاءِ وَاِذَا رَاَیْتُمُ الْاُمَرَاءَ عَلٰی بَابِ الْعُلَمَاءِ فَھُمْ خَیْرُ الْاُمَرَاءِ کہ جب علماء کو امراء کے دروازوں کا طواف کرتے دیکھو تو سمجھو کہ وہ بدترین علماء ہیں اور جب امراء کو علماء کے دروازوں کی طرف جھکتا دیکھو تو سمجھو کہ وہ بہترین امراء ہیں۔

اسی بناء پر حدیث معصوم میں جہاں علماء کی تقلید کو عوام پر واجب قرار دیا ہے وہاں شرط لگا دی ہے کہ ایسے فقہاء علماء کی تقلید کرو جو خواہشاتِ نفس کے دلدادہ اور دین کو دنیا کے بدلہ میں بیچ دینے والے نہ ہوں ۔ مَنْ کَانَ مِنَ الْفُقَھَاءِ صَائِنًا لِنَفْسِہٖ حَافِظًا لِدِیْنِہٖ مُخَالِفًا عَلٰی ھَوٰہُ مُطِیْعًا لِاَمْرِ مَوْلَاہُ فَلِلْعَوَامِ اَنْ یُّقَلِّدُوْہُ (او کما قال) یعنی فقہاء میں سے جو بھی اپنے نفس کی برائیوں سے نگہداری کرنیوالا اپنے دین کی حفاظت کرنیوالا اپنے نفس کی خواہشات کی مخالفت کرنیوالا اور اپنے مولا کے حکم کا فرمانبردار ہو، عوام کو چاہیئے کہ اس کی تقلید کریں۔

فروتنی و انکساری

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر خدا نے وحی فرمائی کہ اے داؤد جس طرح تواضع (فروتنی و انکساری) کرنے والے لوگ اللہ سے قریب تر ہیں اسی طرح متکبر لوگ اللہ سے دُور تر ہیں ۔ حضرت رسالتمآب سے مروی ہے کہ صدقہ اپنے صاحب (صدقہ دینے والے) کے لئے زیادتی کا موجب ہے لہٰذا صدقہ دیا کرو ۔ خدا تم پر رحم کرے گا اور تواضع اپنے صاحب کے لئے مزید بلندی

کا پیش خیمہ ہے اس لئے تواضع کرو تاکہ اللہ تمہیں بلندی عطا فرمائے اور درگذر کرنا اپنے صاحب کو عزت بخشتا ہے پس درگذر کرو تاکہ اللہ تمہیں عزت بخشے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تواضع (فروتنی) کی چار علامتیں ہیں (۱) بیٹھنے کے لئے ایک جگہ گنجائش نہ ہو تو دوسری جگہ بیٹھ جانے پر رضامند ہو جائے (۲) جس سے ملاقات کرے اس کو سلام دے (۳) جھگڑا کرنے کی عادت کو چھوڑ دے خواہ حق بجانب ہی کیوں نہ ہو (۴) نیکی پر اپنی تعریف سننے کا دلدادہ نہ ہو گویا خود بینی، خود نمائی، خود غرضی اور خود ستائی کے مقابلہ میں فروتنی و انکساری ہی انسان کی بلند کرداری ہے۔ آپ نے فرمایا جو شخص تین کام کرے وہ تکبر سے پاک ہوگا۔
(۱) اپنے پھٹے ہوئے گریبان کو اپنے ہاتھ سے خود سی لے (۲) اپنے ٹوٹے ہوئے جوتے کو اپنے ہاتھوں سے خود پیوند لگالے (۳) اور اپنے سامان کو اپنے سر پر خود اٹھالے۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ تواضع میں سے ہے کہ لوگوں کو وہ چیز عطا کرو جس کا عطا ہونا اپنے لئے تم خود پسند کرتے ہو آپ نے فرمایا تواضع کے کئی درجے ہیں (۱) اپنی منزلت کو پہچان کر نفس کو وہیں رکھنے جو اس کے لئے سزاوار ہے (۲) لوگ اس سے جو حسن سلوک کریں یہ بھی ان سے اسی حسن سلوک سے پیش آئے (۳) اگر برائی کو دیکھے تو اس کا مقابلہ نیکی سے کرے۔
(۴) غصہ کو ضبط کرے اور لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کرے وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ بہر کیف تکبر بہت بری خصلت ہے خواہ کسی میں ہو اور حدیث میں زمیندار سے اس کی تخصیص صرف مثال کے لئے ہے ورنہ ہر شخص پر لازم ہے کہ اپنے اندر کی ہر روحانی بیماری کا خود علاج کرے

امراء اور ظلم

جذبات نفسیہ اور ہیجانات شہویہ کے بدترین تقاضوں میں سے ہے ظلم و تعدی اور امراء کے ساتھ اس کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ وہ ظلم پر قدرت رکھتے ہیں اور بالعموم ان سے ہی ظلم صادر ہوتا ہے بہر کیف ظلم ایک بری عادت ہے اور خواہش نفسانی کی بدلگامی کے مکروہ ترین اثرات میں سے ہے اور حقوق پر دست تعدی دراز کرنا ہی ظلم ہے اور چونکہ حقوق کی بنیادی تقسیم میں تین پہلو واضح تر ہیں۔ حقوق النفس، حقوق اللہ

اور حقوق الناس ، ویسے تو حقوق کی بہت لمبی فہرست ہے۔ جن کا اجمال یہی ہے۔ پس حقوق النفس کی رعایت کو ترک کرنا ظلم بر نفس ہے اور حقوق اللہ کو ترک کرنا ظلم بر خدا ہے اور حقوق الناس کو پامال کرنا ظلم بر مخلوق ہے اور ظلم کی یہ سب اقسام ناقابل عفو جرم ہیں۔

اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی معرفت حاصل کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دیا جائے اور پھر اس کی اوامر و نواہی کی پوری طرح حسب استطاعت پابندی کی جائے اور جس شخص نے اللہ کے حقوق کی رعایت نہ کی۔ اس نے اللہ پر ظلم کیا۔ اور معرفت خالق اور اس کی توحید اور شریک کی نفی اللہ کا سب سے بڑا حق ہے اسی لئے تو اس حق تلفی کو ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے چنانچہ فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ تحقیق شرک کرنا ظلم عظیم ہے اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ خداوند کریم قطعاً شرک کے گناہ کو معاف نہیں کرے گا البتہ اس کے علاوہ باقی گناہ حسب مشیت پروردگار بخشے جا سکیں گے۔

انسان پر اپنے نفس کا حق یہ ہے کہ عقل کی آنکھ کھلنے کے بعد اس کو ادیان دین کی تربیت کے ماتحت عادات رذیلہ سے بچائے اور اخلاق حسنہ کا خوگر کرے کیونکہ نفس انسانی کافی عرصہ تک بے مہار رہ کر عادات بد کو اپنا فطری حق سمجھ بیٹھتا ہے۔ لہذا اس کو تعلیم و تربیت کے ذریعے سے اور پھر اپنی طبیعت پر کافی زور دینے سے نفس کو مقہور و مغلوب بنا کر اس سے ان عادات کو چھڑانا پڑتا ہے اور وہ انسان بڑا باہمت ہے جو اپنے نفس کو غلطیوں پر ٹوکنے کی جرأت کرے حضرت رسالتمآب نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ڈانٹنے کے بجائے اپنے نفس کو غلطیوں پر ڈانٹے تو خداوند کریم اس کو قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے نجات دے گا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک عابد نے چالیس برس تک اللہ کی عبادت کی اور پھر اس نے قربانی کی جو مقبول نہ ہوئی تو اس نے اپنے نفس کو ڈانٹا کہ یہ عدم مقبولیت تیری سرکشی کی بدولت ہے تو خداوند کریم نے اس پر وحی کی کہ تیرا اپنے نفس کو ڈانٹنا تیری چالیس سال کی عبادت سے افضل ہے بس خلاصہ یہ کہ نفس کو بری عادات

سے بچانا اور اچھی عادات کا خوگر کرنا نفس کا حق ہے۔ اور اپنے نفس کی یہ حق تلفی نفس پر ظلم ہے

اسی طرح حقوق کی تیسری قسم ہے حق الناس یعنی لوگوں کے حقوق کی پاسداری کرنا ان میں بیوی کا حق بچوں کا حق ہمسایوں کا حق حکمرانوں کا حق رعایا کا حق غلام وکنیز کا حق دوست کا حق بھائی کا حق بزرگ کا حق عزیز کا حق ساتھی کا حق مہمان کا حق بیمار کا حق۔ قاضی کا حق سائل کا حق گواہ کا حق محسن کا حق استاد کا حق شاگرد کا حق عالم دین کا حق پیشنماز کا حق بیوی پر شوہر کا حق والدین کا حق اولاد کا حق اور یہ معاشرتی زندگی کی طویل فہرست ہے اور عدل والضاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان حقوق کو پہلے سمجھا جائے پھر ان کی پاسداری کی جائے اور ان حقوق کے بعد حیوانات کے حقوق بھی اپنے مقام پر ہیں جن کی رعایت ضروری ہوا کرتی ہے اور ہر صنف کے حق کو نظر انداز کرنا یا حق تلفی کرنا ظلم ہے۔

جس طرح انسان کو اپنی حق تلفی کا احساس ہوتا ہے اسی طرح دوسروں کی حق تلفی کا بھی اسے احساس ہونا چاہیئے جب اپنے اوپر کسی کا ظلم برداشت نہیں کرتا تو دوسروں پر اپنے ظلم کو برداشت کیوں کرتا ہے اسی لئے تو خدا اس مظلوم کی فریاد نہیں سنتا جو خود دوسروں پر ظلم کرتا ہو۔ چنانچہ اس مضمون کی روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

فقہاء اور حسد

حدیث میں حسد کی نسبت فقہاء کی طرف دی گئی ہے کیونکہ تمام نعمات پروردگار میں سے علم دین بہت بڑی نعمت ہے لہٰذا جس انسان میں یہ نعمت ہو تو گھٹیا قسم کے لوگوں کے لئے وہ محل حسد ہی بن جاتا ہے ہر وہ فقیہ جو اپنے سے بلند مرتبہ فقیہ کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا وہ اس پر حسد کرتا ہے اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حسد کے ہو جانے میں انسان مجبور ہے کیونکہ حسد کو انسان اپنی مرضی سے نہیں لاتا بلکہ وہ خود آجاتا ہے لہٰذا صرف حسد کرنا گناہ نہیں بلکہ حسد پر عمل کرنا گناہ ہے اور حاسد جو بھی ہو خواہ فقیہ ہو یا غیر فقیہ اپنے حسد کی آگ میں خود ہی جلتا ہے اور اس کے لئے یہی سزا کیا کم ہے؟ خلاصہ یہ کہ حسد بری صفت ہے اور خواہش نفس کی آوارگی کا ہی کرشمہ ہے پس انسان پر اپنے نفس کا حق ہے کہ

اس کو اس بیماری سے دُور رکھے۔

تاجر اور خیانت

اس میں شک نہیں کہ خیانت بذاتِ خود ایک بری صفت ہے خواہ تاجر میں پائی جائے یا کسی اور میں پائی جائے لیکن حدیث میں تاجر سے اس کی نسبت اس لئے ہے کہ تاجر کا کام ہمیشہ لوگوں کے اموال سے ہی چلتا ہے جس میں خیانت کے مواقع زیادہ ہیں اور حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کو دھوکا دے وہ ہمارا نہیں ہے اور اسی طرح جو شخص کسی مسلمان کی خیانت کرے وہ بھی ہمارا نہیں ہے اور اگر تجارت کا دائرہ عمل وسیع کر دیا جائے تو خیانت کا دائرہ بھی ساتھ ساتھ وسیع ہو جائیگا مثلاً دنیا کا ہر انسان اپنے فن میں پیشہ ور تاجر کی حیثیت رکھتا ہے تو پیشہ ورانہ صورت میں وہ بھی صحیح کام نہ کرنے سے خائن قرار دیا جائے گا۔

- دودھ بیچنے والا اسمیں پانی ملا کر خیانت کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ وہ ملے ہوئے پانی کو دودھ کے نرخ سے بیچتا ہے۔
- کارخانہ دار اپنی مصنوعات میں ناقص مواد ملا کر خریدار سے کھری جنس کے دام وصول کرتا ہے
- ملازم انسان غیر حاضری کے باوجود رجسٹر حاضری میں اپنی حاضری درج کرا کے مالک سے پوری تنخواہ وصول کرتا ہے۔
- نوکر یا مزدور اپنی ڈیوٹی صحیح نہ ادا کرنے کے باوجود مزدوری کا حق پورا مانگتا ہے۔
- ڈاکٹر معمولی ضرب کو ضرب شدید لکھ کر معاوضہ حاصل کرتا ہے۔
- حکیم دوائی یا نسخہ ناقص تیار کر کے مریض سے صحیح دوائی اور کامل نسخہ کے پیسے لے لیتا ہے
- رائے اور مشورہ دینے والا ناقص رائے یا عمداً غلط مشورہ دے کر مشورہ لینے والے سے معاوضہ حاصل کر لیتا ہے۔
- وکیل اپنے موکل سے اُجرت لینے کے باوجود وکالت کا صحیح فرض ادا کرنے سے گریز کرتا ہے
- مجسٹریٹ اپنی ذمہ دارانہ ڈیوٹی کو سمجھتے ہوئے مقدمہ کے صحیح فیصلے میں بعض اوقات خیانت

کا مرتکب ہوتا ہے۔

- مولوی صاحب ہر دلعزیزی یا کسی دوسرے فائدہ کی خاطر علمی خیانت کا مرتکب ہو کر اپنی عاقبت کو برباد کرتا ہے۔
- درزی کپڑا سینے کی مزدوری پوری لینے کے باوجود از راہ خیانت کپڑے میں چوری کا مرتکب ہوتا ہے
- پٹواری زمینداروں کے معاملہ میں اپنے عہدہ کے پیش نظر اپنی ذمہ داری میں خیانت کرنا اپنا حق سمجھتا ہے۔
- ڈرائیور اور کنڈکٹر ٹرانسپورٹ کے مالکان کے حق میں دیدہ دانستہ خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں
- ریل گاڑی کا سفری عملہ یا مقامی ملازمین اپنے اپنے عہدوں کی مناسبت سے بہت کچھ کرتے ہیں
- طالب علم سکول میں جا کر اپنے فرض میں خیانت کرتا ہے اور اکثر اوقات سکول کے بہانہ سے کہیں اور پھرتا رہتا ہے اور یہ سب خیانت ہے۔
- معلمین اپنے اوقات کار میں درس و تدریس میں خیانت کر کے قومی و ملی سطح پر بھیانک جرم کے مرتکب ہوتے ہیں
- سرکاری ملازمین اوقات کار میں غیر ضروری مشاغل میں وقت ضائع کر کے خیانت کرتے ہیں

بہر کیف تمدنی زندگی کے ہر شعبہ میں جہاں جہاں کسی انسان کے ذمہ کوئی فریضہ ہے ان سب میں دیانت داری یا خیانت کو دخل حاصل ہے اور معاشی زندگی میں انسان کی تباہ کاری کی زیادہ تر ذمہ داری انہی افراد پر عائد ہوتی ہے جو اپنے فرائض میں کوتاہی یا خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں اور ہر دور کی حکومت وقت کے فرائض میں سے اولین فریضہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں ذمہ دار افراد پر کڑی نظر رکھے اور خیانت کے مرتکب افراد کو عبرت ناک سزائیں دے اور اگر خود بھی دیانت دار نہیں تو دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ کرسی اقتدار سے دستبردار ہو کر کسی دیانت دار کے حوالہ کر کے اپنی بلند حوصلگی کا ثبوت دیتے ہوئے ملک و قوم پر احسان کرے کیونکہ نااہل کا کرسی اقتدار سے چمٹا رہنا بہت بڑی خیانت ہے۔ دنیا کے تمام ممالک کی بہ نسبت

ہمارا ملک عزیز خیانت کے معاملہ میں بہت آگے ہے حالانکہ یہ اسلامی ملک ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مذاہب کی نظروں میں اسلام بدنام ہے اگر مسلمان حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو اپناتے اور معاشرتی زندگی میں اپنی پوری دیانت داری کا مظاہرہ کرتے۔ تو اسلامی ممالک رشک جنت ہوتے اور غیر مسلم ممالک ان کے اسوۂ حسنہ کو اپنا کر اپنے ممالک میں کردار انسانی کی تعمیر نو کر کے اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے یا کم از کم اسلام اور اسلامیان عالم کو خراج تحسین ضرور پیش کرتے اور اقتصادیات و معاشیات میں اسلامی تعلیمات کو بنیادی مقام دیا جاتا اور آج کی دنیا میں مسلمانان عالم غیر مسلم اقوام کے دست نگر صرف اس لئے ہیں کہ انہوں نے اپنا صحیح راستہ کھو دیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اگر پاکستان میں بسنے والے لوگ چپڑاسی سے لے کر صدر مملکت تک اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک حکومت اور رعایا کے تمام افراد اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنے اپنے فرائض میں پوری دیانت داری کو اپنالیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے ملک سے بھوک و افلاس کا قلع قمع نہ ہو یا ہمارے معاشرہ سے معاشی و اقتصادی زبوں حالی دور نہ ہو۔

ہمارے ملک میں گندم کی پیداوار کافی ہے اور ملکی ضروریات سے زیادہ ہے لیکن فرائض میں خیانت اس کی مصنوعی قلت کا باعث بنتی ہے اسی طرح ہر قسم کی مصنوعات کے لئے ہمارا ملک سازگار ہے اور ہمارے اذہان بھی دوسروں سے کم نہیں لیکن برا ہو خیانت کا کہ ہر پہلو سے ہر مصنوع کو ناقص تیار کر کے دنیا کی عالمی منڈی میں پورے ملک کو اس نے بدنام کر دیا ہے۔

اسی طرح ہر قسم کی تعلیم کے لئے ہمارے ملک کا ذہن ذہن رسا ہے اور پڑھانے والوں میں بھی مہارت فنی موجود ہے لیکن اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ یا برطانیہ یا دوسرے ممالک کی احتیاج صرف اس لئے ہے کہ احساس ذمہ داری نہیں اور ادائیگی فرائض میں دیانت نہیں ہے اور اس میں شک نہیں کہ مالی خیانت سے علمی خیانت سنگین تر ہے۔ اور اس کا انجام مالی خیانت سے کہیں زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے۔

یقین سمجھئے کہ اگر دیانت داری عام ہوجائے تو ملک پورے کا پورا امن و سکون اور چین و اطمینان کا گہوارہ بن سکتا ہے اور ہم نے بارہا آزمایا ہے اور آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جس تھانہ میں ایس ایچ او دیانت دار ہو چند دنوں میں جرائم پیشہ افراد روپوش ہوجاتے ہیں اور شریف لوگ سکون کا سانس لینے لگ جاتے ہیں اسی طرح جس سکول کا ہیڈ ماسٹر دیانت دار ہو پورے سکول کے نتائج تسلی بخش ہوتے ہیں جس ہسپتال میں ڈاکٹر دیانت دار ہو وہاں صرف یہ نہیں کہ مریض ہی تندرست ہوتے ہیں بلکہ پورے ملک میں وہ ڈاکٹر اور اس کا ہسپتال شہرت یافتہ ہوجاتا ہے اور سینکڑوں میلوں کا فاصلہ طے کرکے مریض دھڑا دھڑ وہاں پہنچنا شروع ہوجاتے ہیں اسی مناسبت سے اگر زمیندار دکاندار صنعت کار، اہل کار، عہدہ دار، فن کار اور ہر شعبہ زندگی کا ہر ذمہ دار انسان اپنے اپنے متعلقہ فرائض میں دیانت داری کا مظاہرہ کرے اور خصوصاً ایسے ملک میں جس کی بنیاد ہی لا الٰہ الا اللہ کے نعرہ پر قائم کی گئی ہو اور ایسی قوم میں جس کو امتِ وسط کے لقب سے نوازا گیا ہو اور ایسی ملت میں جس کا رسولؐ پورے عالمین کے لئے رحمت بن کر آیا ہو تو وہ ملک و قوم و ملت کیونکر نہ منازل ارتقاء کی طرف قدم بڑھائیں۔ یقیناً ایسی صورت میں ملک خطۂ جنت ہوگا۔ اور اس ملک میں بسنے والے افراد رشکِ عالم ہوں گے۔

ہاں بے شک آنے والے مہدیؑ کا دور ہی امنگوں اور امیدوں کا مرکز ہے وہ جب تشریف لائیں تو ملک و قوم و ملت بلکہ پوری انسانیت کی قسمت بدلے گی اور ظلم و جور اور تشدد و استبداد کے خطرناک مہلک اور طوفانی بھنور میں پھنسی ہوئی انسانیت آرام و چین کے ساحل پر سکون کا سانس لینے کے قابل ہوگی۔ آہ کس قدر ہے بھیانک یہ دور جس سے ہم گذر رہے ہیں کہ بھائی بھائی کے حق کا خائن ہے باپ بیٹے کا خائن اور بیٹا باپ کا خائن بہن بہن کے حق کی خائن دوست دوست کا خائن استاد و شاگرد ایک دوسرے کے خائن اسی طرح شوہر و بیوی ایک دوسرے کے خائن حکمران و رعایا ایک دوسرے کے حقوق کے خائن اور غلام و آقا ایک دوسرے کے حق کے خائن یا یوں کہہ دوں کہ ہر بندہ ہر بندے کے حق میں خائن نظر آتا ہے اور چونکہ ہر عموم میں استثناء ہوا کرتا ہے

میں تسلیم کرتا ہوں کہ بعض فرائض شناس افراد ہر شعبۂ زندگی میں موجود ہیں جن کی وجہ سے دنیا قائم
ہے۔ تاہم عمومی زندگی کی تلخی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور یقیناً خوش کن سرور آور روح پرور
اور رشک جنت ہوگا وہ دور جس کی آمد کا انتظار ہم لگائے بیٹھے ہیں۔ بس خدا کرے آنے والا جلد
آئے اور دنیا امن و سکون سے پُر ہو جائے جس طرح کہ اب ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہے۔
اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ فَرَجَہٗ۔

دیہات اور جہالت

چونکہ زمانہ قدیم میں اسباب آمد و رفت کم تھے اور دنیا کی آبادیاں منظم نہ تھیں اس لئے دیہات میں بسنے والوں کے لئے شہری آبادی میں پہنچ کر سیکھے آداب عمدہ خصلات اور علمی خیالات کا حاصل کرنا مشکل تھا اور اس کے برعکس شہروں میں تعلیم و تعلم کے ذرائع کسی حد تک موجود تھے اگرچہ آجکل کی نسبت سے تو وہ بھی نہ ہونے کے برابر تھے تاہم دیہات کی بہ نسبت بہت کچھ فرق تھا پس اسی مناسبت سے جہالت کو دیہات کی طرف منسوب کیا گیا ہے ورنہ اگر شہروں میں بسنے والے بھی جاہل ہوں تو جہالت کے نتائج بد سے ان کو مستثنا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اور یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ جہالت بذاتِ خود بھی ایک ایسا نقص اور عیب ہے کہ صحیفۂ انسانیت کو بدنما کرنے کے لئے خود کافی ہے لیکن معاشرتی اور تمدنی زندگی میں جہالت کو جرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پس جہالت بذاتِ خود موجب عذاب نہیں بلکہ اس لئے موجب عذاب ہے کہ تمام گناہ یا اکثر گناہ اس کی کوکھ سے جنم لے کر معاشرہ کی تباہی کا موجب بنتے ہیں پس اگر کوئی شخص جاہل رہتے ہوئے بھی اخلاقی و معاشرتی برائیوں سے محفوظ ہو تو صرف جہالت اس کو عذاب جہنم کا ایندھن نہیں بنائے گی اور اس کے برعکس اگر کوئی عالم مقتضائے علم کو چھوڑ کر گناہوں کا مرتکب ہو تو جاہل کی سزا کے مقابلہ میں اس کی سزا سنگین تر ہوگی جس کی وجہ یہ ہے کہ جاہل گناہ کر کے صرف اپنی عاقبت کو تباہ کرے گا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں عالم کا گناہ چونکہ دوسرے بے علم لوگوں کے لئے بھی گناہ پر جرأت کا باعث ہوگا، لہٰذا جن لوگوں نے اس عالم کے فعل بد

سے متاثر ہو کر گناہ کیا ہوگا۔ ان کی سزا میں بھی وہ عالم برابر کا ستحق دار ہوگا۔

بروایت بحار الانوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی کی کہ میرے اور اپنے درمیان ایسے عالم کو نہ لا جو دنیا کا فریفتہ ہو کیونکہ ایسا عالم تمہیں میری محبت کے رستہ سے روک دے گا اس لئے کہ اس قسم کے لوگ میری طرف آنے والے لوگوں کے راہزن ہوتے ہیں اور ان کو دنیا میں کم از کم سزا جو دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنی مناجات کی لذت ان کے دلوں سے کھینچ لیتا ہوں اور آپ نے حضرت رسالتمآب کا فرمان بیان فرمایا کہ جب علم کو ظاہر کیا جائے اور عمل سے گریز کیا جائے اسی طرح زبانوں پر اتفاق ہو اور دلوں میں اختلاف ہو اور قطع رحمی عام ہو تو ایسے لوگوں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے پس خدا ان کو حق کی بات سننے سے بہرہ اور حق کو دیکھنے سے اندھا کر دیتا ہے۔

بہرکیف جہالت شہری زندگی میں ہو تب بھی بری ہے اور علم دیہاتی زندگی میں ہو تب بھی اچھا ہے اسی طرح اگر جاہل ہو لیکن بدکردار نہ ہو تو گرفتار عذاب نہ ہوگا لیکن اگر عالم ہو اور بدکردار ہو تو وہ ضرور گرفتار عذاب ہوگا۔

آجکل کی مسموم فضا میں تو معاملہ زمانہ قدیم سے بالکل الٹ ہے کیونکہ اس زمانہ میں ادب و تہذیب اور علم و اخلاق کا گہوارہ شہر ہی تھے اور دیہاتوں میں جہالت و بدویت کا دور دورہ تھا علم و ادب اور اخلاق و تہذیب سے لوگ کافی حد تک دور تھے لیکن اس زمانہ میں چونکہ رسل و رسائل کے ذرائع و وسائل عام ہیں لہذا حکومتوں کی جانب سے جس طرح بڑے شہروں میں مراکز علم قائم ہیں اسی طرح چھوٹے شہروں اور قصبوں و دیہاتوں میں بھی مدارس علمیہ کی کمی نہیں اور جس طرح علوم دینیہ کی سہولتیں شہروں میں میسر ہیں اسی طرح دیہاتوں میں بھی موجود ہیں۔

مغرب کی اخلاق سوز تہذیب دشمن اور شرافت ربا تیز و تند ہوا نے لوگوں کے رجحانات میں اس قدر تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ اہل اسلام بھی اسلامی روایات و اقدار کو پرانی تہذیب اور قدامت پسندی کہہ کر اسلامی تعلیمات سے بیگانگی اختیار کر چکے ہیں اور یہ وبا عام دیہاتوں

میں شہریوں کی بہ نسبت بہت کم ہے، بے پردگی، بے حیائی، عیاشی، فحاشی اور دیگر اخلاق سوز عادات کو دیہاتی مسلمان اب بھی بُرا سمجھتے ہیں، جبکہ شہروں میں فلمی نمائشیں اور فحاشیت کے اڈے نام نوجوانوں کے جذبات و رجحانات کو اسلامیات سے موڑتے ہوئے اکثر برائیوں کے احساس سے بھی بے بہرہ کر چکے ہیں حتاکہ بعض اچھے اچھے شریف خاندانوں میں پردہ کو عورت کے لئے توہین قرار دیا جاتا ہے اور بے پردگی کو اس کا حق آزادی سمجھا جاتا ہے میں کلیئے کے طور پر نہیں کہہ رہا کیونکہ دیہاتیوں میں بھی بدمعاش اور غنڈے موجود ہیں اس کے برعکس شہروں میں بھی شریف و متدین لوگوں کی کمی نہیں۔ البتہ عمومی رجحانات اور تاثرات وہی ہیں جو میں عرض کر چکا ہوں اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ شہروں میں غیر ملکی و غیر اسلامی ذہن رکھنے والے سیر و تفریح کے طور پر بعض دوسری اغراض کے ماتحت عام آمدورفت رکھتے ہیں اور ان کے حرکات و سکنات چونکہ بالکل شرافت و متانتِ انسانیہ کے بالکل خلاف ہوتے ہیں پس مسلمان نوجوان بھی ان کی دیکھا دیکھی میں اسلام دشمن حرکات کو اپنے اندر پیدا کرنے میں اپنی جدت پسندی سمجھتے ہیں اور یہ بات دیہاتیوں میں چونکہ نہیں ہے لہٰذا وہ اپنی پرانی آبائی اسلامی رسوم کے پابند چلے آتے ہیں۔ سوائے ان شاذ و نادر افراد کے جو بعض اغراض کے ماتحت شہروں میں پہنچے اور پھر شہری تہذیب نے ان کو زبردستی اپنے اندر جذب کر لیا پھر ایسے لوگ دیہاتوں میں رہنا بھی پسند نہیں کرتے اور شہری زندگی کو ہی اپنا لیتے ہیں۔

گناہانِ کبیرہ

بعض علماء رضوان اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ہر گناہ کبیرہ ہوا کرتا ہے کیونکہ اللہ کی نافرمانی کا نام جب گناہ ہے تو ہر نافرمانی ہی گناہ کبیرہ ہے البتہ عام اصطلاح میں صغیرہ و کبیرہ کی تقسیم گناہوں کی باہمی نسبت کی وجہ سے کی جاتی ہے کیونکہ گناہوں میں سے بعض ایک دوسرے کی نسبت سے بڑے اور چھوٹے ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ عمرو بن عبید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اور اس نے یہ آیت مجیدہ پڑھی۔ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ الایہ یعنی وہ لوگ جو گناہانِ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور فواحش کا اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا تو امام نے فرمایا چپ کیوں ہو گیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ حضورؑ اگر میں قرآن مجید سے گناہانِ کبیرہ کو معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے عمرو ① سب گناہوں سے بڑا گناہ شرک، اس کے متعلق اللہ ارشاد فرماتا ہے وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ یعنی جو شرک کرے اس پر اللہ نے جنت کو حرام کیا ہے۔ ② اللہ کی رحمت سے مایوسی کیونکہ اس کے متعلق ارشاد ہے لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ یعنی اللہ کی رحمت سے صرف کافر لوگ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں ③ اللہ کی گرفت سے نڈر ہونا اس کے متعلق فرماتا ہے لَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ④ عقوق الوالدین یعنی والدین کی نافرمانی چنانچہ اللہ نے والدین کے نافرمان کو جبار شقی کہا ہے۔ ⑤ قتل نفس محترمہ چنانچہ ان کے متعلق ارشاد قدرت ہے فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ⑥ پاکدامن عورت کی تہمت زنا کیونکہ ایسے لوگوں کے متعلق فرماتا ہے لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہوگا۔ ⑦ یتیم کا مال کھانا کیونکہ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا یعنی وہ اپنے پیٹ آتش جہنم سے بھرتے ہیں اور وہ سعیر میں جلتے رہیں گے۔ ⑧ میدان جہاد سے فرار ان کے بارے میں مذمت کے طور پر فرماتا ہے وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ الایہ ⑨ سود خوری اس کے متعلق فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ یعنی وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ ایسے اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو ⑩ جادو اس کے متعلق ارشاد قدرت ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ یعنی انہیں معلوم ہے
کہ جو شخص اس کا یعنی جادو کا کاروبار کرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا (ثواب میں)
(۱۱) زنا فرماتا ہے وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا جو ایسا کام کرے گا وہ اس کے انجام بد
کو پہنچے گا۔ (۱۲) جھوٹی قسم ارشاد قدرت ہے اَلَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ الآیة
(۱۳) غلول (خیانت) چنانچہ فرماتا ہے وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یعنی جو شخص خیانت
کرے گا قیامت کے دن وہ اس کو لانی پڑے گی۔ (۱۴) زکوٰۃ مفروضہ کا ادا نہ کرنا اس کے متعلق
فرماتا ہے فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ یعنی اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو
داغے جائیں گے (۱۵) جھوٹی گواہی (۱۶) گواہی کو چھپانا۔ فرمایا وَمَنْ یَّکْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ
قَلْبُهٗ جو اس کو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہوگا۔ (۱۷) شراب نوشی (۱۸) ترک نماز (۱۹)
عہد شکنی (۲۰) قطع رحمی، ان کے متعلق فرماتا ہے لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ
ان کے لئے لعنت اور برا ٹھکانا ہے (۲۱) ایک روایت میں بیت اللہ کی ہتک حرمت کو بھی
گناہان کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے (۲۲) دار الکفر سے ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ دار الکفر میں پلٹ
جانا بھی گناہ کبیرہ بیان کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے
گناہان کبیرہ سات گنے اور سب سے پہلے شرک کا نام لیا اور بعد میں ترک صلوٰۃ کا نام نہ لیا تو
راوی حدیث نے دریافت کیا کہ حضور! آپ نے یتیم کے مال کھانے کو گناہ کبیرہ کہا ہے لیکن کیا یتیم کا مال کھانا سخت ہے یا
ترک نماز کا گناہ سخت ہے تو آپ نے فرمایا کہ ترک نماز کا گناہ سخت ہے تو سائل نے عرض کی۔ حضور!
پھر آپ نے ترک نماز کو گناہان کبیرہ میں سے کیوں نہ شمار فرمایا۔ آپ نے فرمایا سب سے پہلے
میں نے کس چیز کا نام لیا ہے؟ تو راوی نے کہا جناب سب سے پہلے آپ نے شرک کا نام لیا
ہے آپ نے فرمایا نماز کا تارک بلا عذر شرعی کافر ہی تو ہے (۲۳) ایک روایت میں انکار حق
اہلبیت کو گناہان کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے (۲۴) اللہ اور رسول اور اوصیا طاہرین علیہم السلام
پر جھوٹ بولنا بھی گناہان کبیرہ میں سے بیان کیا گیا ہے۔ (۲۵) وصیت میں حد سے تجاوز کرنا

بھی ایک روایت کی بنا پر گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے گناہان کبیرہ کی ایک فہرست منقول ہے وہاں متذکرہ بالا میں مذکورہ ذیل کا اضافہ ہے (۲۶) مردار کا کھانا (۲۷) خون کا کھانا پینا (۲۸) سور کھانا (۲۹) اللہ کے نام کے بغیر ذبح شدہ جانور کا گوشت کھانا (۳۰) ہر قسم کا حرام مال کھانا (۳۱) جوا بازی (۳۲) کیل و وزن میں کمی بیشی (۳۳) لواطہ (۳۴) ظالموں کی امداد کرنا اور خود ظلم کرنا (۳۵) حقوق کا ادا نہ کرنا (۳۶) جھوٹ بولنا (۳۷) تکبر کرنا (۳۸) اسراف (فضول خرچی) (۳۹) حج کو حقیر سمجھ کر ادا نہ کرنا (۴۰) اللہ کے اولیاء سے جنگ کرنا (۴۱) لہو و لعب میں مشغول ہونا (۴۲) گناہان صغیرہ پر اصرار کرنا (۴۳) روایات میں ہے کہ ہر وہ گناہ جس پر خداوند کریم نے قرآن مجید میں سرزنش کی ہے وہ گناہ گناہ کبیرہ ہے چنانچہ (۴۴) غیبت (۴۵) دشنام دہی (۴۶) حسد وغیرہ سب اس ذیل میں آجاتے ہیں۔

بہرکیف نفس کی تمام عاداتِ بد سے پرہیز کرنا اور نفس کو اخلاق جمیلہ و خصائل حمیدہ سے آراستہ کرنا ہی انسانیت کا طرۂ امتیاز ہے بعض اوقات یہ غلط کاریاں جب عام ہو جاتی ہیں۔ تو خداوند کریم دنیا میں ان کی سزا کے طور پر اپنی رحمت و برکت کو روک لیتا ہے اور دنیا والوں کو عذاب کی گرفت میں لے لیتا ہے جس کی متعدد صورتیں ہیں۔ چنانچہ احادیث میں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

گناہوں کی سزائیں

حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا جب پانچ چیزیں ظاہر ہوں تو اللہ سے پناہ مانگا کرو

(۱) جب کسی قوم میں فحاشی و بدکاری عام ہونے لگے تو خدا ان پر طاعون جیسی مہلک امراض یا ایسے مصائب بھیجتا ہے جو ان کے گزشتہ بزرگوں نے سُنے بھی نہ تھے۔

(۲) جب ناپ تول میں خیانت عام ہو جائے تو خداوند کریم قحط اور گرانی اور ظالم حکمران کا عذاب بھیج دیتا ہے۔

(۳) جب لوگ زکوٰۃ دینا چھوڑ دیں تو خدا بارانِ رحمت کو روک لیتا ہے اگر حیوانات وغیرہ نہ ہوتے تو قطعاً بارش نہ برستی۔

(۴) جب لوگ خدا و رسولؐ کا عہد توڑ دیتے ہیں تو اُن پر خدا اُن کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے

(۵) جب اللہ کے حکم کے بغیر لوگ فیصلے کرنے لگیں تو خدا اُن کے مابین پھوٹ اور اختلاف کی مصیبت پیدا کر دیتا ہے۔

ایک روایت میں آپ سے منقول ہے کہ:۔

- جب لوگوں میں زنا عام ہو جائے تو اچانک اموات بکثرت ہوتی ہیں۔
- جب ناپ تول میں خیانت ہو تو خدا قحط و گرانی کا عذاب بھیجتا ہے۔
- جب زکوٰۃ نہ دی جائے تو زمین اپنی برکات کو روک لیتی ہے۔
- جب احکام خداوندی میں کجروی برتی جائے تو ظلم و عدوان ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔
- جب لوگ اللہ کے عہد کو توڑ دیں تو خدا اُن پر اُن کے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے۔
- جب قطع رحمی عام ہو جائے تو اموال پر اشرار کا تسلط ہو جاتا ہے۔
- جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کیا جائے گا اور اخیار اہلبیت کی اتباع کو ترک کیا جائے گا تو خدا ایسے لوگوں پر بدترین لوگوں کو مسلط کر دے گا۔ پس اس زمانہ میں نیکوں کی دُعا بھی اس بارے میں مستجاب نہ ہوگی۔

حضرت امام زین العابدینؑ نے ارشاد فرمایا:۔

- وہ گناہ جو نعمتوں کو بدل دیتے ہیں:۔ لوگوں پر ظلم کرنا۔ اچھی عادات کا ترک کرنا کفرانِ نعمت اور ترک شکر کرنا۔
- وہ گناہ جو باعث ندامت بنتے ہیں:۔ قتل نفسِ محترمہ۔ ترک صلہ رحمی۔ ترک صلوٰۃ۔ ترک وصیت ترک ادائیگی حقوق اور منع زکوٰۃ
- وہ گناہ جو فوری انتقام لاتے ہیں۔ نافرمانی، تکبر، مسخری اور لوگوں سے مخول بازی۔

- وہ گناہ جو قسمت کو روک دیتے ہیں۔ فقر کا ظاہر کرنا، عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جانا، صبح کی نماز کے وقت سو جانا، نعمتِ خدا کا استحقار اور معبود کا شکوہ۔
- وہ گناہ جو پردہ دری کرتے ہیں:۔ شراب نوشی، قمار بازی، لغویات اور مزاح کر کے لوگوں کو ہنسانا، لوگوں کی عیب جوئی اور بُرے لوگوں کی صحبت۔
- وہ گناہ جو مصیبت لاتے ہیں۔ مصیبت زدہ کی فریادرسی نہ کرنا، مظلوم کی مدد نہ کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پہلو تہی کرنا۔
- وہ گناہ جو دشمن کے غلبہ کا موجب ہوتے ہیں۔ اعلانیہ ظلم کرنا، علانیہ فسق و فجور کرنا، حرام کو مباح سمجھنا، نیکوں کی نافرمانی، اور بُروں کی اطاعت کرنا۔
- وہ گناہ جو موت کو قریب کرتے ہیں:۔ قطع رحمی، جھوٹی قسم، جھوٹ کی عادت، زناکاری، مسلمانوں کا راستہ روکنا اور ناحق ادعائے امامت کرنا۔
- وہ گناہ جو امیدوں کو قطع کرتے ہیں:۔ اللہ کی وسعت سے یاس اللہ کی رحمت سے ناامیدی اللہ کے غیر پر بھروسہ اور اللہ کے وعدہ کی تکذیب۔
- وہ گناہ جو فضا کو تاریک کرتے ہیں:۔ جادو کہانت نجوم پر ایمان، قضا و قدر کی تکذیب اور والدین کی نافرمانی۔
- وہ گناہ جو باعث ذلت ہوتے ہیں۔ ادائیگی کی نیت کے بغیر قرضہ لینا، غلط کاموں میں فضول خرچی، اہل وعیال و خاندان پر بخل کرنا، بد خلقی، بے صبری، دین دار لوگوں کو ذلیل سمجھنا اور سستی و کاہلی۔
- وہ گناہ جو دعا کو رد کرتے ہیں:۔ بدنیتی، بد باطنی، منافقت، نماز واجبی کو وقت سے ٹال کر پڑھنا۔ نیکی و صدقات کے ذریعے سے خداوند کریم کے تقرب کو ترک کرنا۔ بدگوئی کرنا اور فحش کلامی۔
- وہ گناہ جو بارانِ رحمت کی رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں:۔ حکمرانوں کا فیصلوں میں ظلم کرنا، جھوٹی گواہی، سچی گواہی کو چھپانا۔ منع زکوٰۃ۔ قرضہ کی عدم ادائیگی معمولی چیزوں کے برتاؤ میں بخل۔

قساوت قلبی، یتیموں اور بیواؤں پر ظلم کرنا اور سائل کو رات کو جھڑک کر واپس کرنا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے تھے میں ایسے گناہوں سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جو موت اور اجل کو قریب کرتے ہیں اور بھرے خاندانوں کو تباہ و ویران کر دیتے ہیں اور وہ ہیں قطع رحمی، والدین کی نافرمانی اور نیکی و احسان کو ترک کرنا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب چار چیزیں عام ہو جائیں تو اُن کے چار نتائج بھی منظر عام پر ظاہر ہوں گے۔

- جب زنا عام ہو جائے تو زلزلے عام ہو جائیں گے۔
- جب فیصلوں میں ظلم ہونے لگے تو بارانِ رحمت میں کمی ہو گی۔
- جب عہد شکنی عام ہو گی تو اسلام پر اہل شرک کی حکومت ہو جائے گی۔
- جب زکوٰۃ کی ادائیگی سے روگردانی عام ہو گی تو فقر و فاقہ (گرانی و قحط سالی) عام ہو گی

آپ نے فرمایا

- ملعون ہے ملعون ہے وہ انسان جو اپنے ہمسائے کو تکلیف پہنچائے۔
- ملعون ہے ملعون ہے وہ انسان جس کا بھائی اس کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائے اور وہ صلح نہ کرے
- ملعون ہے ملعون ہے وہ حامل قرآن جو شراب نوشی کرے۔
- ملعون ہے ملعون ہے وہ عالم جو سلطان جائر کے پیچھے چلے اور ظلم و جور میں اس کی مدد کرے
- ملعون ہے ملعون ہے وہ شخص جو علی بن ابی طالب سے بغض رکھے کیونکہ ان سے بغض رکھنے والا گویا رسولؐ اللہ سے بغض رکھتا ہے اور جو رسولؐ اللہ کے ساتھ بغض رکھے اس پر خدا کی دنیا و آخرت میں لعنت ہے۔
- ملعون ہے ملعون ہے وہ انسان جو کسی مومن پر کفر کا الزام لگائے (یعنی اس پر کفر کا فتویٰ لگائے) اور جو شخص کسی مومن پر کفر کی تہمت لگاتا ہے خود اس قول کا مستحق ہے۔

- ملعونہ ہے ملعونہ ہے وہ عورت جو اپنے شوہر کو تکلیف پہنچائے اور اس کو غمزدہ کرے۔
- نیک ہے نیک ہے وہ عورت جو اپنے شوہر کی عزت کرے اور اس کو تکلیف نہ دے بلکہ تمام حالات میں اس کی اطاعت کرے۔
- ملعون ہے ملعون ہے وہ شخص جو قطع رحمی کرے۔
- ملعون ہے ملعون ہے وہ آدمی جو جادو کی تصدیق کرے۔
- ملعون ہے ملعون ہے وہ انسان جو کہے کہ ایمان صرف زبان سے مان لینے کا نام ہے اور عمل کی ضرورت نہیں۔
- ملعون ہے ملعون ہے وہ شخص جس کو خدا نے مال دیا لیکن اس نے اس سے کوئی صدقہ و خیرات نہ کیا، کیا تم نے حضرت رسالتمآبؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نہیں سنی کہ ایک درہم کا صدقہ دس (۱۰) راتوں کی مسلسل عبادت سے افضل ہے۔
- ملعون ہے ملعون ہے وہ شخص جو اپنے والد یا والدہ کو زدوکوب کرے۔
- ملعون ہے ملعون ہے وہ جو عاق والدین ہو۔
- ملعون ہے ملعون ہے وہ انسان جو مسجد کا احترام نہ کرے۔

حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ کسی فعل کو معمولی نہ سمجھو اگرچہ وہ تمہاری نظروں میں معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ کوئی گناہ صغیرہ اصرار کرنے کے بعد صغیرہ نہیں رہتا بلکہ کبیرہ بن جاتا اور کوئی گناہ کبیرہ توبہ کر لینے کے بعد کبیرہ نہیں رہتا بلکہ معاف ہو جاتا ہے اور بروز محشر خداوندکریم تم سے تمہارے تمام اعمال کی باز پرس کرے گا حتیٰ کہ اپنے بھائی کے کپڑے کو انگلی سے صرف مس کر لینا بھی پوچھا جائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خداوندکریم نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں مخفی رکھا ہے رضامندی کو اطاعت میں اپنے غضب کو معصیت میں اور اپنے ولی کو لوگوں میں۔ لہٰذا نیک کاموں میں سے کسی نیک کام کو معمولی نہ سمجھو نہ معلوم اللہ کی رضا کس میں پوشیدہ ہے اور بُرے کاموں میں سے کسی کو معمولی نہ سمجھو نہ معلوم خدا کا غضب کس میں پوشیدہ ہے اور لوگ

میں سے کسی کو ذلیل اور حقیر نہ سمجھو نہ معلوم ان میں سے اللہ کا ولی کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ نہ دیکھو کہ گناہ اور معصیت چھوٹی ہے بلکہ یہ دیکھو کہ کس کی معصیت کر رہے ہو۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا وہ (نیکی) صغیر نہیں جو قیامت کے روز نفع دے اور وہ (برائی) بھی صغیر نہیں جو بروز قیامت نقصان دے۔

غیر شائستہ عادات

یہاں ایسی صفات کا بیان ہوگا جو اچھی نہیں ہیں خواہ ان کو شریعت کی زبان میں حرام کہا جائے یا مکروہ سے تعبیر کیا جائے چونکہ احادیث کی زبانی ان کو ذکر کیا گیا ہے۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ بعض مقامات پر تکرار ہو جائے۔

حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کی خبر دوں جو بدترین انسان ہیں؟ لوگوں نے عرض کی حضورؐ! فرمایئے تو آپ نے ارشاد فرمایا (۱) بہتان لگانے والا (۲) زبان دراز (۳) بدکردار (۴) اکیلا بیٹھ کر کھانے والا (۵) اپنی عطا سے مستحقین کو محروم کرنے والا (۶) اپنے اہل و عیال کو لوگوں کا دست نگر کرنے والا۔

بہتان یعنی کسی میں عیب نہ ہو پس اس میں عیب ثابت کر کے لوگوں میں اس کی نشر و اشاعت کرے نہایت بدترین عادت ہے۔

زبان دراز یعنی منہ پھٹ ہو اور کسی عزت دار کی پرواہ کئے بغیر اس کو اپنی زبان درازی کا نشانہ بنائے۔

بدکردار روایت میں لفظ فحاش آیا ہے جس کا ترجمہ ہم نے بدکردار کیا ہے۔

اکیلا کھانے والا یعنی بخیل جو اپنے دستر خوان پر مہمان کا آنا پسند نہ کرے اور یہ معنی بھی مراد ہو سکتا ہے کہ از راہ تکبر دستر خوان پر اکیلا کھانا کھائے اور اسی تکبر کی نفی کے لئے ہی حکم ہے کہ مومن مل کر کھانا کھائیں اور امیر و غریب کا فرق نہ کریں۔ بہر صورت اکیلا کھانا خواہ بخل کا نتیجہ

ہو یا تکبر کی صورت میں ہو بُری عادت ہے لیکن اگر یہ دونو صورتیں نہ ہوں اور ساتھ مل کر کھانے والا کوئی نہ ہو تو ایسی صورت میں اکیلا کھانا ممنوع نہیں ہے۔

مانع الرفد اپنی عطا سے لوگوں کو یعنی مستحقین کو محروم کرنے والا خواہ فضول خرچی میں کتنا ہی روپیہ اڑا دے یہ بُری صفت ہے۔

اپنی عیال پر بخل بھی صفت بد ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے دربدر ہو کر سوال کرتے پھریں۔

حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ آئندہ زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو رنگ برنگے عمدہ کھانے کھائیں گے۔ اعلیٰ سواریوں پر سوار ہوں گے جس طرح عورت اپنے شوہر کیلئے بناؤ سنگھار کرتی ہے اسی طرح بناؤ سنگھار کریں گے اور عورتوں کی طرح بے حیائی کا مظاہرہ کریں گے اور جابر و ظالم بادشاہوں کا سا طرزِ عمل اختیار کریں گے ایسے لوگ اس امت کے منافقین ہوں گے جو ہوٹلوں میں بیٹھ کر مے نوشی کریں گے، گوٹیوں سے کھیلیں گے، شہوت رانی کریں گے، تارکِ جماعت ہوں گے، نمازِ عشاء کے بغیر شام کو سو جائیں گے اور روزے نہ رکھیں گے اور انہی کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا یعنی اُن نیک لوگوں کے پیچھے ایسے پس ماندگان آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور شہوتوں کی اتباع کی پس وہ پائیں گے اس کا انجام بد (سورۂ مریم پ۱۶) آپ نے فرمایا تین قسم کے آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے (۱) شرابی (۲) جادوگر (۳) قاطع الرحم۔

آپ نے حضرت علیؑ علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔ یا علیؑ جنت کے مکانات سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنے ہیں لیکن اس میں شرابی، چغلخور، دیوث، شرطی، مخنث، گورکن، عشار، قاطع الرحم اور قدری داخل نہ ہوں گے۔

چغل خور سے مراد وہ شخص ہے جو ادھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی اِدھر بیان کر کے دو مومنوں کو ایک دوسرے سے بدظن کر کے ان میں دشمنی کا بیج بو دے۔

دیوث سے مراد وہ شخص ہے جس کی بیوی زانیہ ہو اور جاننے کے باوجود نہ اس کو طلاق دے اور نہ اس کو تنبیہہ کرے بلکہ اس کے فعل پر راضی رہے۔

شرطی۔ ظالم حکمران کے ظلم میں اعانت کرنے والے لوگ اس جگہ مراد ہیں۔

مخنث۔ وہ جو بدکار عورتوں کی طرح مردوں کو فعل بد کے لئے اپنی طرف بلائے۔

گورکن۔ جو مردہ لوگوں کی قبریں کھود کر اُن کے کفنوں کا کاروبار کرے۔

عشار۔ جو ناجائز طور پر لوگوں سے ٹیکس وصول کرے

قاطع الرحم جو اپنے رشتہ داروں سے میل جول اور رشتہ ناطہ اور لین دین ختم کر کے ان سے علیحدگی اختیار کرے۔

قدری جو اچھے اور بُرے تمام افعال کو اللہ کی طرف منسوب کرے۔

یا علیؑ اس امت کے دس قسم کے لوگ کافر ہیں۔

① قتات اس کا معنی چغل خور ہے یا وہ انسان جو دوسروں کی باتوں کو چوری چوری سُننے کے لئے کان لگائے

② ساحر یعنی جادوگر

③ دیوث اس کا معنی گذر چکا ہے یعنی بے غیرت

④ عورتوں کے ساتھ دبر سے مجامعت کرنے والا۔

⑤ حیوانوں سے بدفعلی کرنے والا۔

⑥ اپنی ماں بہن ماسی اور پھوپھی (غرضیکہ وہ عورتیں جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے سے زنا کرنے والا۔

⑦ فتنہ اور فساد کی آگ کو بھڑکانے والا۔

⑧ مسلمانوں کے خلاف کافروں کے پاس اسلحہ حرب وضرب فروخت کرنے والا۔

⑨ زکوٰۃ واجبہ کا ادا نہ کرنے والا۔

⑩ حج کی طاقت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے والا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسالتمآبؐ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں بدترین انسانوں کی خبر دوں تو لوگوں نے عرض کی۔ ہاں! یارسول اللہ! بیان فرمایئے تو آپ نے فرمایا بدترین انسان وہ ہے جو اپنی عطا سے لوگوں کو محروم کرے اور اپنے غلام کو زدوکوب کرے اور اپنا کھانا اکیلا کھائے (ان کی وضاحت ہو چکی ہے) پھر فرمایا ان سے زیادہ بدترین وہ ہیں جن کی اچھائی (خیر) کی امید نہ کی جا سکے اور جن کے شر (ایذاء) سے محفوظ رہا جائے اور پھر فرمایا ان سے بھی بدترین وہ ہیں جو فحش گو اور بدزبان ہوں کہ جب مومنوں کا ان کے سامنے ذکر ہو تو مومنوں پر لعنت کریں اور جب مومنین ان کا نام سنیں تو وہ ان پر لعنت بھیجیں آپ نے فرمایا پانچ قسم کے لوگ ہیں جن پر میری اور ہر نبی کی لعنت ہے ① اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا ② میری سنّت کو ترک کرنے والا ③ اللہ کی قدر کو جھٹلانے والا ④ میری عترت کیلئے جس چیز کو اللہ نے حرام کیا اس کو حلال سمجھنے والا (یعنی اہلبیت کی اہانت کرنے والا) ⑤ مال مے کو حلال جان کر خود ہضم کر جانے والا

آپ نے فرمایا مجھے جبریل نے اطلاع دی ہے کہ جنّت کی خوشبو ایک ہزار برس کی مسافت سے سونگھی جائے گی لیکن سات قسم کے آدمی جنّت کی خوشبو تک نہ سونگھ سکیں گے ① والدین کا نافرمان ② قطع رحمی کرنے والا ③ بوڑھا زانی ④ ازراہِ تکبر چادر کو زمین پر گھسیٹ کر چلنے والا ⑤ فتنہ باز ⑥ احسان کر کے جتلانے والا ⑦ دنیا کا لالچی جو دنیا کو جمع کرنے سے سیر نہ ہوتا ہو۔

حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:- اَخْبَرَنِیْ جِبْرَئِیلُ رِیْحُ الْجَنَّةِ تُوْجَدُ مِنْ مَسِیْرَةِ اَلْفِ عَامٍ وَمَا یَجِدُهَا عَاقٌّ وَلَا قَاطِعُ رَحِمٍ وَلَا شَیْخٌ زَانٍ وَلَا جَارٍ اِزَارَهٗ خُیَلَاءَ وَفَتَّانٌ وَلَا مَنَّانٌ وَلَا جَعْظَرِیٌّ قِیْلَ وَمَا الْجَعْظَرِیُّ قَالَ الَّذِیْ لَا یَشْبَعُ مِنَ الدُّنْیَا اور دوسری حدیث میں تین لفظوں کا اضافہ ہے

اور وہ یہ ہیں کہ فرمایا، وَلَا جَیُوَّفٌ یعنی گورکن وَلَا زَنُّوْفٌ یعنی مخنث وَلَا جَوَّاظٌ
وَلَا الْجَعْظَرِیُّ اور جواظ کے کئی معنی کئے گئے ہیں۔ موٹا تازہ، متکبر، بہت بولنے والا، شر
کی طرف قدم بڑھانے والا، کاہل و سست، کافر اور بہت کھانے والا وغیرہ۔ ایک حدیث
میں ہے آپ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ کی نافرمانی چھ چیزوں میں ہوئی۔ حب دنیا، حب ریاست
حب طعام، حب نوم، حب راحت اور حب نساء

آپ نے فرمایا جس انسان میں تین خصلتوں میں سے ایک پائی جائے وہ منافق ہے خواہ روزہ دار
اور نمازی ہی کیوں نہ ہو اور اپنے آپ کو مسلم ہی کیوں نہ سمجھتا ہو ① جب امانت دی جائے تو اس
میں خیانت کرے ② جب بات کرے تو جھوٹ بولے ③ جب وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے

آپ نے فرمایا مجھ سے دور ترین انسان یہ ہیں۔ بدکار، بے حیا، بے شرم، بخیل، متکبر
کینہ ور، حاسد، سنگدل، جو ہر نیکی کی امید سے دور ہو اور شر (برائی) کی امید اس سے وابستہ ہو
آپ نے اپنی پوری امت کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اے میری امت، خداوند کریم کو تمہاری
چوبیس عادتیں ناپسند ہیں اور وہ تمہیں ان عادات سے منع فرماتا ہے ① نماز پڑھتے ہوئے
عبث کام کرنا (مثلاً سر یا ڈاڑھی کو کھجلاتے رہنا) ② صدقہ دینے کے بعد اس شخص پر احسان
جتلانا جس شخص کو صدقہ دیا گیا ③ قبرستان میں جا کر قبروں کے درمیان کھڑے ہو کر ہنسنا ④ لوگوں
کے گھروں میں جھانکنا ⑤ عورتوں کی شرمگاہ کو دیکھنا اور آپ نے فرمایا اس چیز کا انجام نابینا ہونا ہے
⑥ اپنی عورت سے مجامعت کرتے وقت باتیں کرنا اور فرمایا اس کا انجام گونگا ہونا ہے ⑦
عشاء کی نماز سے پہلے سو جانا ⑧ نماز عشاء کے بعد باتیں کرنا ⑨ زیر آسمان چادر کے بغیر غسل کرنا
⑩ زیر آسمان مجامعت کرنا ⑪ نہر میں چادر کے بغیر کود پڑنا اور فرمایا کہ نہروں میں بھی ملائکہ آباد و
سکونت پذیر ہوا کرتے ہیں ⑫ حمام میں بغیر چادر کے داخل ہونا ⑬ اذان اور اقامت کے درمیان
نماز صبح میں تا اختتام نماز باتیں کرنا ⑭ تلاطم و طوفان کے دوران دریا و سمندر کا سفر کرنا ⑮ وہ
چھت جس کے اردگرد بندش نہ ہو اس پر سونا ⑯ گھر میں اکیلا سونا ⑰ ماہواری کے دوران

میں عورت سے ہمبستری کرنا اگر اس کے نتیجہ میں بچہ مجذوم یا مبروص پیدا ہو تو اپنے نفس کو ہی ملامت کرے ۱۸ احتلام ہونے کے بعد غسل کئے بغیر عورت سے ہمبستری کرنا اگر اس کے نتیجہ میں بچہ دیوانہ پیدا ہو تو اپنے نفس کو ہی ملامت کرے ۱۹ جذام کی بیماری والے سے باتیں کرنا جبکہ درمیانی فاصلہ ایک ذراع سے کم ہو آپ نے فرمایا جذام والے انسان سے اس طرح دور بھاگو جس طرح شیر سے بھاگا جاتا ہے ۲۰ نہر جاری کے کنارے پر پیشاب کرنا ۲۱ پھل دار درخت کے نیچے پاخانہ کرنا جبکہ اس کا پھل آ چکا ہو ۲۲ کھڑے ہو کر جوتا پہننا ۲۳ تاریک مکان میں چراغ کے بغیر داخل ہونا ۲۴ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کے مقام میں پھونکنا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک روایت میں چار قسم کے آدمیوں کو شریک شیطان قرار دیا ہے۔

- وہ شخص جو اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ میں نے کیا کہا ہے اور لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں
- جو شخص گناہ کرے اور اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ مجھے گناہ کرتے ہوئے لوگ دیکھ رہے ہیں
- جو شخص اپنے مومن بھائی کا گلہ کرے درحالیکہ ان کے درمیان دشمنی بھی کوئی نہ ہو۔
- جو شخص حرام کاری اور زنا کی محبت میں از خود رفتہ ہو جائے۔

ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا کہ ایک شخص جو امر ولایت کو مانتا ہے لیکن اس کے عادات یہ ہیں بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرتا ہے اور امانت دی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے آپ نے فرمایا ایسا شخص کافر تو نہیں البتہ کفر کے قریب قریب ہے۔

علماء کی طرف رجوع

ابتداء عرض کیا جا چکا ہے کہ عقل اگرچہ صفات کی اچھائی و برائی کو سمجھتی ہے کیونکہ مذہب امامیہ میں اشیاء کا حسن اور قبح عقلی ہے یعنی مستحسن چیز کو عقل اچھا کہتی ہے اور قبیح چیز کو عقل قبیح اور برا کہتی ہے۔ گویا چیزوں کی اچھائی یا برائی ان کی ذات میں داخل ہے پس

عقل ان میں تمیز کرتی ہے کہ اچھی کون سی ہے اور بُری کونسی ہے۔

اہل سنت اشعریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ چیزوں کی اچھائی یا برائی عقلی نہیں بلکہ شرعی ہے یعنی چیزیں بذاتِ خود نہ اچھی ہیں اور نہ بذاتِ خود بُری ہیں پس جن چیزوں کو شریعت نے حلال اور جائز کہہ دیا تو پتہ چلا کہ وہ اچھی ہے اور جس کو حرام کہہ دیا تو معلوم ہوا کہ وہ بُری ہے۔ گویا اللہ کا حکم چیز کو اچھا بنا دیتا ہے اور اس کی نہی چیز کو بُرا بنا دیتی ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ سچ اچھی صفت ہے اگر شریعت میں اس کی وضاحت نہ ہوتی تب بھی عقل اس کو اچھا کہتی اور جھوٹ بری صفت ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ شریعت اور اسلام کے قائل نہیں وہ بھی سچ کو اچھا اور جھوٹ کو بُرا کہتے ہیں۔ اسی طرح عدل و انصاف اچھی صفت ہے اور ظلم و جور بری عادت ہے لیکن اس کے برعکس اشعری کہتے ہیں کہ سچ اور عدل اس لئے اچھے ہیں کہ شریعت نے ان کو اچھا کہا ہے اور جھوٹ اور ظلم اس لئے بُرے ہیں کہ شریعت نے ان کو بُرا کہا ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ ظلم بری چیز ہے اور خداوند کریم بُرے کام نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی نیک آدمی کو جہنم میں دھکیل دے اور کسی بد آدمی کو جنت میں بھیج دے لیکن اشعری کے عقیدہ کو یہ بات لازم آتی ہے کہ چونکہ ظلم بذاتِ خود کوئی چیز ہے نہیں لہٰذا اگر خدا چاہے تو کسی نیک کو جہنم میں بھیج دے اور چاہے تو کسی بدکار کو جنت میں بھیج دے کیونکہ حسن یا قبیح اللہ کے فیصلے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ بہرکیف شیعہ کے نزدیک حسن اور قبیح اشیاء کا ذاتی ہے اور خدا حسن کا حکم دیتا ہے اور قبیح سے منع فرماتا ہے۔ ہم نے اس بحث کو اپنی عقائد کی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

جب انسانی عقل نے عالم ناتوانی سے فضاء جوانی میں قدم رکھا اور جسم انسانی میں ہونے والی برائیوں کا جائزہ لیا تو اس نے اپنی فطرت کے ماتحت نیک صفات کی مظلومیت کے خلاف آواز اٹھائی لیکن اس مقام پر عقل کی براہ راست اپنی سوچ کو صحیح فیصلہ نہیں قرار دیا جاسکتا اس لئے

کہ مدت مدید تک اس نے خواہش نفس کے زیر اثر اس کے فیصلوں کے سامنے سر جھکائے رکھا ہے اور اس کے نظریات میں وہ خلوص مفقود ہو گیا ہے جو اس کی فطرت صحیحہ کو تفویض کیا گیا تھا لہذا ضروری ہے کہ عقل انسان کی رہنمائی کرنے والے ایسے ہادی ہوں جن میں خطا کا امکان نہ ہو اور وہ نبی یا امام ہی ہو سکتے ہیں۔

نبی و امام کی موجودگی میں دور دراز کے بسنے والے افراد یا غیبت امام کے زمانہ میں تمام افراد انسانی وہ ہدایات کن لوگوں سے حاصل کریں جبکہ وہ اپنی عقول پر مستقل بھروسہ نہیں کر سکتے جس کی وجہ گذر چکی ہے تو اس کے لئے معصومین علیہم السلام نے علماء کو اپنی جانب سے نیابت کے لئے نامزد فرمایا چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَ ذَالِكَ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِرْهَمًا وَّلَا دِيْنَارًا وَ اِنَّمَا اَوْرَثُوْا اَحَادِيْثَ مِنْ اَحَادِيْثِهِمْ فَمَنْ اَخَذَ بِشَيْءٍ مِّنْهَا فَقَدْ اَخَذَ حَظًّا وَّافِرًا الخبر یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاءؑ نے درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑی بلکہ انہوں نے اپنی احادیث میں سے حدیثیں چھوڑی ہیں پس جس نے ان میں سے کچھ لے لیا تو گویا اس نے بہت کچھ لے لیا۔

اور ممکن ہے اس حدیث میں کوئی شخص یہ اعتراض اٹھائے کہ اس کی رُو سے تو جناب خاتون جنت کا حق فدک ختم ہوتا ہے اور خلیفہ کی جانب سے پیش کردہ حدیث کی تصدیق ہوتی ہے کہ نبیوں کا وارث کوئی نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کی دو حیثیتیں ہوا کرتی ہیں ایک یہ کہ وہ نبی ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ انسان ہیں پس وہ نبی ہونے کی حیثیت سے علم نبوت کے حامل تھے اور انسان ہونے کی حیثیت سے کھاتے پیتے بھی تھے پس نبی ہونے کی حیثیت سے ان کا ورثہ علم نبوت ہے اور انسان ہونے کی حیثیت سے ان کا ورثہ وہ ہے جو باقی انسانوں کا ہوا کرتا ہے کیونکہ آیت وراثت میں نبی کا استثناء موجود نہیں ہے پس درہم و دینار کی نفی ورثہ نبوت کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقوق انسانیہ کے لحاظ سے پس جناب خاتون جنت ہر دو طرح سے اپنے باپ کی وارث تھیں وہ علم کے اعتبار سے باپ کے علم کی وارث تھیں اور حقوق انسانیہ کے لحاظ سے وہ باپ کے باقی اموال کی وارث تھیں جن سے ان کو محروم کر دیا گیا۔ تفصیل تفسیر انوار النجف میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ عالم جس کے علم سے فائدہ اٹھایا جائے وہ ستر ہزار عابد سے افضل ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ فقیہ کا درجہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے برابر ہے

علمائے صالحین اور علمائے سُوء

خداوند کریم جو نمائندگان اپنی جانب سے بھیجتا ہے اُن میں صفتِ عصمت کی بدولت خطا کا امکان نہیں ہوتا لیکن نبی یا امام کی نیابت میں جن علماء کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے چونکہ وہ معصوم نہیں ہوتے لہٰذا ان کو خطا اور غلطی کے امکان سے مبرا نہیں کہا جا سکتا۔ تو معصومین کی جانب سے علماء کے انتخاب کے لئے ہدایات موجود ہیں کہ وہ کن صفات والے علماء ہونے چاہئیں جن سے عام انسان ہدایات حاصل کر کے اپنی منزلِ مراد تک پہنچیں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں صحیح فقیہ کا پتہ دوں تو لوگوں نے عرض کی۔ جی ہاں یا حضور تو آپ نے فرمایا وہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ کرے اور اللہ کی نافرمانیوں میں ان کو ڈھیل نہ دے اور قرآن سے منہ موڑ کر کسی اور شغل میں مشغول نہ ہو پھر آپ نے فرمایا اُس علم میں کوئی بھلائی نہیں جس میں دانشمندی نہ ہو اُس قرأت میں کوئی خوبی نہیں جس میں تدبر نہ ہو اور اس عبادت میں کوئی بہتری نہیں جس میں تفقہ (مسائل سے واقفیت) نہ ہو۔

آپ نے فرمایا جو شخص ایک علم کا باب ایسے شخص سے حاصل کرے جو قابلِ وثوق ہو تو وہ ایک ہزار رکعت نماز سے افضل ہے۔

آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ خُلَفَآئِیْ۔ اے اللہ میرے جانشینوں پر رحم فرما تو لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور! وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا وہ وہ ہیں جو میرے بعد

اگر میری حدیث اور سنت لوگوں کے سامنے بیان کریں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ ہمارے مذہب کے دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہوا تو انہوں نے حکومت وقت کے مقرر شدہ میجسٹریٹ و حاکم کی طرف مقدمہ لے جا کر فیصلہ حاصل کیا۔ تو کیا یہ درست ہے؟ آپ نے فرمایا حق و باطل میں جو شخص ان کی طرف مقدمہ لے جائے گا یا وہ شخص طاغوت کی طرف مقدمہ لے گیا اور اس کے فیصلہ سے جو مال لیا جائیگا وہ سحت ہوگا (حرام ہوگا) اگرچہ درحقیقت لینے والا اس کا حق دار ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس نے طاغوت کے فیصلے سے اسے حاصل کیا ہے اور اللہ فرماتا ہے۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف مقدمے جائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کا انکار کریں۔ پھر سوال کیا گیا کہ ایسی صورت میں ان کو کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مِمَّنْ قَدْ رَوٰی حَدِیْثَنَا وَنَظَرَ فِیْ حَلَالِنَا وَحَرَامِنَا وَعَرَفَ اَحْکَامَنَا فَلْیَرْضَوْا بِہٖ حَکَمًا فَاِنِّیْ قَدْ جَعَلْتُہٗ عَلَیْکُمْ حَاکِمًا فَاِذَا حَکَمَ بِحُکْمِنَا فَلَمْ یُقْبَلْ مِنْہُ فَاِنَّمَا اسْتُخِفَّ بِحُکْمِ اللّٰہِ وَعَلَیْنَا رَدَّ وَالرَّادُّ عَلَیْنَا الرَّادُّ عَلَی اللّٰہِ وَھُوَ عَلٰی حَدِّ الشِّرْکِ بِاللّٰہِ۔ یعنی تم میں سے جو شخص ہماری احادیث کا راوی ہو اور ہمارے حلال و حرام میں نظر رکھتا ہو اور ہمارے احکام کو جانتا ہو تو ایسے شخص کے فیصلے پر رضامند ہو جانا چاہیے کیونکہ ایسے شخص کو میں نے تم پر حاکم مقرر کیا ہے پس وہ جب ہمارے حکم کے ماتحت فیصلہ کرے اور اس کو قبول نہ کیا جائے تو گویا اللہ کے حکم کی تحقیر کی گئی اور ہماری تردید کی گئی اور ہماری تردید کرنے والا ایسا ہے جس طرح کہ اس نے اللہ کی تردید کی ہو اور وہ شرک کی حد پر ہے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے وَمِنْھُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا کہ قوم یہود جو کتاب کو خود نہیں سمجھتے مگر اتنا ہی کہ جتنا اپنے علماء سے سنتے ہیں کیونکہ ان کے لئے اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے تو خداوند کریم نے ان کے عوام کو علماء کی تقلید کرنے اور ان کی بات کو ماننے

میں مذمت کیوں کی ہے ؟ اور یہودی عوام بھی ہمارے عوام کی طرح ہیں اگر ان کے لئے اپنے علماء کی تقلید کرنا ناجائز ہے تو ان کے لئے بھی ناجائز ہونا چاہیے آپ نے فرمایا کہ ہمارے عوام اور علماء اور یہود کے عوام اور علماء میں ایک اعتبار سے فرق ہے اور ایک اعتبار سے یگانگت ہے جہاں دونوں میں یگانگت ہے وہاں ہمارے عوام پر بھی علماء کی تقلید حرام ہے سائل نے عرض کی کہ حضور! فرق کی وجہ بیان فرمایئے تو آپ نے فرمایا کہ عوام یہود کو معلوم تھا کہ ان کے علماء جھوٹ بولتے ہیں، سفارشات، توجہات و احسانات کے عوض میں احکام شرعیہ کو اپنے مقام سے ہٹا کر رشوت اور حرام سے پیٹ بھرتے ہیں اور انہیں پتہ ہے کہ وہ اپنے اندر سخت تعصب رکھتے ہیں پس جس پر تعصب کرتے ہیں اس کو جائز حقوق سے محروم کر دیتے ہیں اور جس کے لئے تعصب کرتے ہیں اس کو ناجائز طور پر حقوق دلوا دیتے ہیں سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا اسی طرح ہماری امت کے عوام بھی اگر اپنے علماء میں ظاہر بظاہر فسق عصبیت اور مال دنیا کے جمع کرنے پر حرص دیکھیں اور یہ کہ وہ بھی از راہِ تعصب صاحبان حقوق کو اپنے جائز حقوق سے محروم کر دیتے ہیں اور جن کے لئے تعصب کریں ان پر ناجائز طور پر احسان و اکرام کی بارش کر دیتے ہیں پس ہمارے عوام میں جو شخص اس قسم کے علماء کی تقلید کرے گا وہ مثل ان یہودی عوام کے ہے جنہوں نے اپنے فاسق علماء کی تقلید کی ہے فَاَمَّا مَنْ کَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِنًا لِنَفْسِهٖ حَافِظًا لِدِیْنِهٖ مُخَالِفًا عَلٰی هَوَاهُ مُطِیْعًا لِاَمْرِ مَوْلَاهُ فَلِلْعَوَامِ اَنْ یُّقَلِّدُوْهُ وَ ذَالِکَ لَا یَکُوْنُ اِلَّا بَعْضَ فُقَهَاءِ الشِّیْعَةِ لَا جَمِیْعُهُمْ یعنی لیکن فقہاء میں سے جو شخص اپنے نفس کو محفوظ کرنے والا (عادات رذیلہ سے) اپنے دین کا محافظ اپنی خواہشات کا مخالف اور اپنے مولا کا فرمانبردار ہو تو عوام کو چاہیے کہ اس کی تقلید کریں اور یہ صفات ہمارے بعض فقہاء میں پائی جاتی ہیں نہ کہ سب میں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ان میں سے جو بھی فقہاء عامہ کی طرح امور قبیحہ و ناشائستہ کا مرتکب ہو تو ان سے ہماری کوئی بات قبول نہ کرو۔ ان کا کوئی احترام نہیں ہے کیونکہ ہم اہلبیت کی طرف سے علوم شرعیہ کو عوام تک پہنچانے

والے غلط ملط ہو گئے ہیں بعض تو فاسق لوگ ہیں جنہوں نے ہمارے احکام حاصل کر لئے لیکن وہ اپنی جہالت کی وجہ سے ان میں قطع و برید کر لیتے ہیں اور معرفت کی کمی کی وجہ سے برمحل اور بے محل کی تمیز نہیں کر سکتے اور بعض عمداً ہمارے اوپر جھوٹ بولتے ہیں تاکہ دنیا کو خوب کما لیں اور درحقیقت یہ چیز ان کے لئے جہنم کی زادِ راہ ہے اور بعض ان میں ناصبی لوگ بھی شامل ہیں جو ہمارے اوپر جرح کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے پس ہمارے صحیح علوم کا کچھ حصہ سیکھ لیتے ہیں اور شیعوں کے پاس چلے جاتے ہیں اور ایسی باتیں ہماری طرف منسوب کر کے کہتے ہیں کہ ناصبیوں کو ہماری تنقیص کا موقعہ مل جاتا ہے پھر وہ ان حدیثوں کے ساتھ اپنی طرف سے چند در چند اضافے کر لیتے ہیں اور جھوٹی باتیں ملا لیتے ہیں جن سے ہم بالکل بری ہیں۔ پس ہمارے سیدھے سادے شیعہ عوام ہمارے علوم سمجھ کر ان کو قبول کر لیتے ہیں وہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا ایسے لوگ یزید بن معاویہ سے بھی ہمارے شیعوں کے لئے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہیں کیونکہ یزید بن معاویہ اور اس کے لشکر نے تو قتل کیا تھا اور لوٹا تھا لیکن یہ علماء سوء جو درحقیقت ناصبی ہیں اور لوگوں کے سامنے ہمارا موالی ہونا اور ہمارے دشمنوں سے بیزار ہونا ظاہر کرتے ہیں یہ لوگ سیدھے سادھے شیعوں کے اذہان میں شکوک و شبہات ڈالتے ہیں پس ان کو گمراہ کر کے راہ حق سے روکتے ہیں۔ بے شک ان عوام میں سے جس کے دل میں اپنے دین کے معاملہ میں پورا خلوص ہو تو اللہ اپنے فضل و کرم سے اس کو اس قسم کے مشتبہ کافر (عالم سوء) کے ہاتھ میں کھلونا نہیں بننے دیتا بلکہ اس کی صحیح رہبری کیلئے اس کے پاس ایک ایسے مومن کو بھیج دیتا ہے جو اس کو صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور خداوند کریم اس کو قبول کرنے کی توفیق بھی دے دیتا ہے پس اس کیلئے دین و دنیا کی بھلائی کو جمع کر دیتا ہے اور اس گمراہ کرنے والے (عالم سوء) پر خدا دنیا میں بھی لعنت کرتا ہے اور آخرت میں بھی اس کو گرفتارِ عذاب کرے گا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ آئمہ ہدیٰ جو تاریکیوں میں روشن منارے ہیں۔ ان کے بعد اللہ کی تمام مخلوق سے بہتر کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا! اَلْعُلَمَاءُ اِذَا صَلَحُوْا

یعنی علماء جب کہ وہ صالح ہوں پھر پوچھا گیا کہ ابلیس فرعون نمرود اور تمہارے حقوق کے غاصب دشمنوں (جنہوں نے تمہارے القاب و مقامات پر قبضہ رچالیا) کے بعد خدا کی پوری خدائی میں بدترین انسان کون ہیں تو آپ نے فرمایا اَلْعُلَمَاءُ اِذَا فَسَدُوْا یعنی وہ بھی علماء ہیں جبکہ فاسد اور غلط کار ہوجائیں جو باطل کو ظاہر کریں اور حق کو چھپائیں انہیں لوگوں کے متعلق ارشاد قدرت ہے اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور باقی تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ باستثناء ان لوگوں کے جو توبہ کرلیں۔

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو ایک دستور العمل تعلیم فرمایا تھا اور وہ یہ کہ خُذُوا الْحَقَّ مِنْ اَهْلِ الْبَاطِلِ وَلَا تَاْخُذُوا الْبَاطِلَ مِنْ اَهْلِ الْحَقِّ یعنی باطل پرستوں سے بے شک حق بات لے لیا کرو لیکن اہلِ حق سے باطل کو قبول نہ کیا کرو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب عالم کو دنیا کا فریفتہ دیکھو تو اسے دین کے معاملہ میں ناقابل اعتماد سمجھو کیونکہ ہر شخص اپنی محبوب چیز کی ہی پاسداری کرتا ہے اور آپ نے جہنم میں جلنے والے علماء کی اس طرح ترتیب بیان فرمائی۔

(۱) وہ عالم جو اپنے علم کو بطور خزانہ کے جمع کریں اور خرچ نہ کریں وہ جہنم کے پہلے طبقہ میں جائینگے

(۲) وہ عالم کہ جب ان کو نصیحت کی جائے تو ناک چڑھائے اور نصیحت کرنے لگے تو سختی سے کرے ایسے لوگ جہنم کے دوسرے طبقہ میں ہوں گے۔

(۳) وہ عالم جو علم کو امراء تک محدود رکھے اور مساکین کو اس میں سے فیض نہ پہنچائے۔ وہ جہنم کے تیسرے طبقہ میں ہوں گے

(۴) وہ عالم جو علم میں سلاطین جبابرہ کا طرز عمل اختیار کرے کہ اگر اس کی رد کی جائے یا اس کے حقوق میں کوتاہی کی جائے تو وہ ناراض ہوجائے وہ جہنم کے چوتھے طبقہ میں ہوں گے

(۵) وہ عالم جو اپنے علم کی مقبولیت و زیادتی کی خاطر یہود و نصاریٰ کی حدیثیں طلب کریں وہ

جہنم کے پانچویں طبقہ میں جائیں گے

(۶) وہ عالم جو فتویٰ دینے بیٹھے تو سلوک ... کر بڑا عالم اپنے تئیں کہلوائے (اگرچہ جانتا کچھ بھی نہ ہو) وہ جہنم کے چھٹے طبقہ ... جائیں گے۔

(۷) وہ عالم جو علم کو مروّت و بڑائی کے طور پر اپنے اندر محفوظ رکھتے ہوں وہ جہنم کے ساتویں طبقہ میں ہوں گے۔

بحارالانوار سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا اگر مومن (مصنّف) مرجائے اور اپنی تصنیف کا ایک ورق ہی چھوڑ جائے جس پر علم کی باتیں لکھی ہوئی ہوں تو وہی ایک ورق بروز محشر اس مصنّف اور دوزخ کے درمیان حائل ہو جائے گا اور اس ورق پر لکھی ہوئی تحریر کے ہر حرف کے بدلہ میں اللہ اس کو ایک ایسا شہر عطا فرمائے گا جو پوری دنیا سے سات گنا بڑا ہوگا اور جب کوئی مومن ایک عالم کے پاس صرف ایک گھنٹہ ہی بیٹھتا ہے تو اس کو خدا کی جانب سے ندا پہنچتی ہے کہ تو میرے دوست کے ساتھ بیٹھا ہے مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم کہ میں تجھے اس کے ہمراہ جنّت میں بھیجوں گا۔

آپؐ نے فرمایا اہل تقویٰ سردار ہیں اور فقہاء قائد ہیں اور ان دونو کے پاس بیٹھنا عبادت ہے۔ ایک دفعہ ایک انصاری حضرت پیغمبرؐ کے پاس آیا اور اس نے عرض کی یارسولؐ اللہ! اگر ایک طرف جنازہ ہو اور دوسری طرف ایک عالم کی مجلس ہو تو ان دونوں میں سے آپ کے نزدیک کس کی طرف جانا زیادہ بہتر ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر جنازہ کو اٹھانے اور دفن کرنے والے دوسرے لوگ موجود ہوں تو عالم کی مجلس میں جانا ہزار جنازوں ہزار بیماروں کی عیادت (تیمارداری) ہزار راتوں کی عبادت ہزار دن کے روزوں ہزار درہموں (جو مساکین پر خرچ کئے جائیں) فریضہ حج کے علاوہ ہزار حجوں اور فریضہ جہاد کے علاوہ ہزار جہادوں (جو نفس و مال کے ذریعے کئے جائیں) سے افضل ہے بلکہ ان کارہائے خیر کی عالم کی مجلس سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ تم نہیں جانتے کہ علم کے ذریعے سے ہی تو خدا پرستی ہوتی ہے اور دین و دنیا کی

بھلائی کا راز علم ہی میں مضمر ہے اور اس کے برعکس دین و دنیا کا خسارہ جہالت سے وابستہ ہے
آپ نے فرمایا ہر عالم کی مجلس میں نہ بیٹھا کرو۔ بلکہ ایسے عالم کی مجلس میں بیٹھو جو کم از کم پانچ
برائیوں سے پانچ خوبیوں کی طرف دعوت دینے والا ہو۔ (۱) شک سے یقین کی طرف۔
(۲) تکبر سے فروتنی کی طرف (۳) ریاکاری (دکھلاوے) سے خلوص کی طرف (۴) دشمنی
سے خیر خواہی کی طرف (۵) لالچ سے زہد کی طرف۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا وہ انسان عقلمند نہیں کہ لوگ اس پر جھوٹی
تہمتیں لگائیں اور وہ گھبرا جائے اسی طرح وہ انسان بھی دانا نہیں جو جاہلوں کی تعریف سے
خوش ہو جائے الخبر آپ نے فرمایا کہ جاہل سے طلب علم کا عہد بعد میں لیا گیا جبکہ عالم سے
ترویج علم کا عہد پہلے لیا گیا کیونکہ علم جہالت سے پہلے ہے۔

آپ نے اپنے فرزند محمد حنفیہ کو بطور وصیّت کے فرمایا کہ انسان کی مروّت دو طرح
کی ہے ایک حضری (گھر میں) دوسری سفری، حضری مروت (یعنی جب گھر میں ہو) یہ ہے کہ
تلاوت قرآن کرے۔ علماء کی صحبت میں بیٹھے، فقہی مسائل میں نظر کرے اور نماز جماعت سے
ادا کرے اور سفری مروّت یہ ہے کہ اپنے زادِ راہ میں سے ہمسفر ساتھیوں پر خرچ کرے۔
ساتھیوں کے ساتھ اختلاف ختم کرے اور ہر نشیب و فراز اور نشست و برخواست میں اللہ کا
ذکر زبان پر جاری رکھے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا
تھا کہ اے روح اللہ! ہم کیسے انسان کی خدمت میں بیٹھا کریں تو آپ نے فرمایا (جس میں
تین خصلتیں ہوں) جس کی زیارت تمہیں اللہ کی یاد دلائے جس کی گفتار تمہارے علم کو زیادہ کرے
اور جس کا کردار تمہیں آخرت کی طرف رغبت دلائے۔

حضرت رسالتمآب نے فرمایا جو عالم اپنے بستر پر تکیہ لگاکر اپنے علمی مسائل میں غور کر رہا ہو
یہ عابد کی ستر سالہ عبادت سے افضل ہے۔

مسئلہ تقلید

تفصیل مذکور سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ زمانِ غیبت امام میں جن علماء سے عوام الناس کو ہدایت حاصل کرنے کی ضرورت ہے وہ ہر شیعہ عالم نہیں بلکہ ایسا عالم ہو جس کی شکل یادِ خدا کو تازہ کرے اور جس کے کردار سے سیرت محمدؐ و آل محمدؐ کی جھلک نظر آتی ہو لیکن ایسے علماء جن کا ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ ہو جو ظاہر میں محمدؐ و آل محمدؐ کے فضائل کو بیان کریں اور باطن کے لحاظ سے ان کے روحانی فیوضات و برکات اور عملی رجحانات سے بالکل بے بہرہ ہوں جن کا مطمح نگاہ صرف مال و دولت کو اکٹھا کرنا ہو جو مقام تقریر میں ہوں تو اس قدر خلوص کا مظاہرہ کریں کہ عوام انہیں سچ مچ نائب امام سمجھنے لگ جائیں لیکن جب نجی و معاشرتی و خانگی معاملات میں ان کو دیکھا جائے تو بدترین کردار کا مظاہرہ کرنے والے ہوں۔ جو از راہِ تکبّر کسی دوسرے شریف انسان کو انسان سمجھنا بھی بار خاطر سمجھتے ہوں۔ جن کا ظاہر اتفاق و اتحاد ہو اور باطن اختلاف و انتشار ہو جو لوگوں کو بجائے مومن کے صرف کافر کہنا اور مشرک کہنا ہی اپنا طرۂ امتیاز سمجھیں جو روسا و امراء کی کاسہ لیسی میں اپنے ارتقار کا راز مضمر سمجھتے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ جن کے اعمال و افعال سابق روایت کے مطابق یہودی علماء کی طرز زندگی کی عکاسی کرتے ہوں ایسوں سے بیزاری اختیار کرنا ضروری ہے اور جن علماء کی سیرت و صورت ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت نیابت امام کا نمونہ پیش کرنے والی ہو ان سے تمام شعبہ ہائے زندگی میں ہدایات لینا ضروری اور ان ہی کی تقلید کرنا واجب ہے۔

تقلید کا مطلب صرف ضروری مسائل میں فتویٰ حاصل کر لینے تک محدود نہیں بلکہ پورے شؤون زندگی میں ان کی سیرت کو مشعل راہ بنا کر حقیقی انسانیت کی منازل ارتقار کو طے کر کے اوجِ کمال تک پہنچنے کی کوشش کرنا ہے جس کی بناء پر انسان کو تاجِ کرامت کا اہل قرار دیا گیا ہے اور افواجِ جہل جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے عقل

کی تربیت ایسے حق پرست عالم دین کی زیر ہدایت ہو جو خود کسی حد تک اس جہاد اکبر میں فاتحانہ حیثیت رکھتا ہو۔ اسی بنا پر معصوم نے فرمایا مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ الخ یعنی فقہاء میں سے جو شخص اپنے نفس کی نگہبانی کرنے والا اپنے دین کا محافظ اپنی خواہش نفس کا مخالف اور اپنے مولا کا اطاعت گذار ہو عوام کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تقلید کریں اور اس کے بعد فرمایا کہ اس قسم کے علماء شیعوں میں بہت کم ہیں۔

اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ عالم دین جو مجتہد ہو اس کی تقلید کے بغیر اعمال کی اصلاح و مقبولیت مشکل ہے اس لئے مجتہدین کے عملیہ جات میں یہ مسئلہ سر عنوان ہوا کرتا ہے کہ عام انسان کا عمل کسی مجتہد کی تقلید کے بغیر باطل و عاطل ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ دنیا بھر کے شیعہ صرف ایک ہی مجتہد کی تقلید کریں جو سب سے اعلم ہو جس کے چند وجوہ ہیں۔

(۱) اگر صرف ایک مجتہد کی تقلید واجب ہو تو دور دراز کے مومنین کے لئے پیش آمدہ مسائل میں کافی مشکلات کا سامنا ہوگا۔

(۲) صرف ایک مجتہد حالاتِ حاضرہ کے ماتحت اور پھیلی ہوئی ضروریات کے پیش نظر تمام عالمی لوگوں کے مسائل حل نہیں کر سکتا۔

(۳) شریعت چونکہ سہلہ ہے لہٰذا خدا نہیں چاہتا کہ تمام انسانوں کی ضروریات کو صرف ایک انسان کے حوالہ کر دے

(۴) قرآن مجید میں ہر قوم سے متعدد لوگوں کو فقیہ بن کر پلٹنے اور قوموں کو ہدایت کرنے کی تلقین ہے۔

(۵) آئمہ معصومینؑ نے اپنے دور زندگی میں دور دراز کے لوگوں کے لئے مقامی فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

(۶) اگر ایک اعلم کی تقلید کو واجب قرار دیا جائے تو اعلم کی تشخیص کون کرے گا جبکہ علماء پوری روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔

⑦ اگر ایک جگہ بھی سب علماء کے اکٹھے ہونے کی صورت نکل آئے، تب بھی تشخیص اعلم غیر ممکن ہے بہر کیف ہر مومن اپنی وسعت و سہولت کے پیش نظر ایسے عالمِ دین کی تقلید کرے جو اس سے قریب تر ہو۔ ہاں اگر قریب والے عالم میں وہ صفات میسر نہیں جو ہادی کے لئے ضروری ہیں تو پھر دُور والے کی طرف رُجوع کرے جو ان صفات کا حامل ہو

عالمِ دین جس میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں اس کی تقلید ضروری ہے شرائط کی تفصیل یہ ہے

① قرآن و حدیث سے مسائل فقہیہ کا استنباط کرنے کی اہلیت و ملکہ رکھتا ہو۔

② عاقل و بالغ ہو۔ دیوانے اور نابالغ کی تقلید نہیں ہو سکتی۔

③ حلال زادہ ہو۔ یعنی صحیح نکاح سے پیدا ہوا ہو۔

④ عقائد صحیحہ رکھتا ہو۔ توحید و عدل و نبوت و امامت و قیامت کے متعلق اس کے عقائد میں لغزش نہ ہو۔

⑤ عمل کے اعتبار سے عام انسانوں سے امتیاز رکھتا ہو۔ عاداتِ بد سے پرہیز کرتا ہو اور عاداتِ خیر سے متصف ہو۔

⑥ ایسے مباح امور بھی نہ بجالاتا ہو جو مروّت و شرافت کے خلاف سمجھے جاتے ہوں

⑦ مرد ہو کیونکہ عورت کی تقلید جائز نہیں ہے۔

⑧ تقلید اس مجتہد کی کی جائے گی جو زندہ ہو۔ کیونکہ ابتداءً میت کی تقلید جائز نہیں ہے۔

چہل حدیث

جناب رسالتمآبؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بطور وصیت کے ارشاد فرمایا۔ یا علیؑ۔ میری اُمت میں سے جو شخص خوشنودیٔ خُدا کے لئے چالیس حدیثیں یاد کرے تو قیامت کے روز انبیاء صدیقین شہداء و صالحین کے ساتھ محشور ہوگا۔ حضرت علیؑ علیہ السلام نے عرض کی۔ یارسول اللہ! بیان فرمائیے آپ نے چالیس حدیثیں بیان فرمائیں۔

(۱) اللہ پر ایمان لاؤ جو واحد و لاشریک ہے اس کی عبادت کرو اور غیر کی عبادت نہ کرو۔

(۲) صحیح وضو کے بعد نماز کو اپنے وقت میں ادا کرو کیونکہ بلا وجہ اس کو وقت سے ٹال کر پڑھنا اللہ کی ناراضگی کا موجب ہے۔

(۳) زکوٰۃ واجبہ کو ادا کیا کرو۔

(۴) ماہِ رمضان میں روزے رکھا کرو۔

(۵) اگر صاحبِ مال و استطاعت ہو تو حج بیت اللہ ادا کرو۔

(۶) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو۔

(۷) از راہِ ظلم کسی یتیم کا مال نہ کھاؤ

(۸) سود خوری نہ کرو۔

(۹) شراب نوشی نہ کرو بلکہ کسی نشہ آور پانی کا استعمال نہ کرو

(۱۰) زنا و لواطہ نہ کرو

(۱۱) چغلخوری نہ کرو۔

(۱۲) اللہ کی جھوٹی قسم نہ کھاؤ

(۱۳) چوری نہ کرو

(۱۴) جھوٹی گواہی نہ دو کسی کے حق میں خواہ اپنا ہو یا بیگانہ۔

(۱۵) حق کو قبول کرلو خواہ بیان کرنے والا چھوٹا ہو یا بڑا۔

(۱۶) ظالم کی طرف نہ جھکو خواہ اپنا قریبی ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۷) خواہش نفس کے لئے عمل نہ کرو

(۱۸) کسی پاکدامن (منکوحہ والی عورت) کو زنا کی تہمت نہ دو۔

(۱۹) ریاکاری نہ کرو کیونکہ کم از کم ریاکاری بھی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے۔

(۲۰) کسی پست قد کو او چھوٹے اور کسی بڑی قد والے کو او بڑی قد والے کہہ کر نہ بلاؤ کیونکہ

یہ عیب جوئی ہے اور خلق خدا سے مسخری نہ کرو۔

(۲۱) بلاء اور مصیبت پر صبر کرو

(۲۲) اللہ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں۔ ان کا شکر ادا کرو۔

(۲۳) گناہ کے بعد اللہ کے عذاب سے نڈر نہ رہو اور اس کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہو جاؤ

(۲۴) گناہوں سے توبہ کرو کیونکہ توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں اور استغفار کے بعد گناہ پر اصرار نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسولوں کے ساتھ مسخری کرنے کے برابر ہے۔

(۲۵) یہ جان لو کہ جو مصیبت یا خوشی تمہیں پہنچی ہے اس نے پہنچنا ہی تھا اور جو چوک گئی اس نے چوکنا ہی تھا۔ مقصد یہ ہے کہ انسان ہائے ہائے کر کے اپنی مصیبت میں اضافہ نہ کرے بلکہ اللہ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرے)

(۲۶) کبھی ایسا نہ کرنا کہ مخلوق کی رضامندی کی خاطر اپنے اللہ کو ناراض کر لو۔

(۲۷) کبھی دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینا بلکہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا کیونکہ دنیا فانی اور آخرت باقی ہے

(۲۸) جو کچھ تم سے ہو سکے اپنے بھائیوں کی امداد سے بخل نہ کرنا

(۲۹) ظاہر و باطن کو ایک جیسا رکھو ظاہر اچھا اور باطن برا نہ بناؤ کیونکہ یہ منافقین کی نشانی ہے

(۳۰) نہ جھوٹ بولو اور نہ جھوٹوں کی صحبت اختیار کرو

(۳۱) حق بات کو سن کر غصہ نہ کرو جبکہ حق بات تمہارے مفاد کے خلاف ہو)

(۳۲) اپنے نفس کو اور اپنے اہل وعیال اور ہمسایوں کو حسب طاقت ادب سکھاؤ اور اپنے علم پر عمل کرو

(۳۳) اللہ کی مخلوق کے ساتھ جو معاملہ کرو حق کے ساتھ کرو۔

(۳۴) قریبی اور بعید کے لئے خوش خلق رہو اور جبار عنید نہ بنو۔

(۳۵) تسبیح تقدیس تہلیل اور دعا کو زیادہ کرو نیز موت کا ذکر اور موت کے بعد قیامت

اور جنت و نار کا ذکر زیادہ کرو اور قرآن مجید کی قرائت زیادہ کرو اور اس کی ہدایات پر عمل کرو۔

(۳۶) مومنین و مومنات پر احسان و نیکی کرنے کو غنیمت سمجھو اور نیک کام سے گھبراہٹ محسوس نہ کرو۔

(۳۷) جس کام کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسرے مومنوں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔

(۳۸) کسی پہ بوجھ نہ بنو۔

(۳۹) کسی پر احسان کر کے جتلاؤ نہیں۔

(۴۰) دنیا کو قید خانہ سمجھو یہاں تک کہ خدا تمہیں جنت کا گھر عطا فرمائے۔

یہ چالیس حدیثیں ہیں جو شخص ان کو یاد کرے اور ان پر عمل کرے وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا اور لوگوں سے افضل اور اللہ کا محبوب ترین بندہ ہوگا۔ انبیاء و صدیقین کے بعد۔ خداوند کریم ایسے شخص کو انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ محشور کرے گا اور یہ اس کے بہترین رفیق ہوں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ہماری احادیث میں سے چالیس حدیثیں یاد کرے بروز محشر فقیہ ہو کر اٹھے گا۔

بروایت بحار الانوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا جو شخص علم کو بیچ کر کھائے گا وہ فقیر رہے گا۔ راوی نے عرض کی! حضورؑ! آپ کے شیعوں اور موالیوں میں سے ایسے لوگ ہیں جو آپ کے علوم کی ترویج کرتے ہیں اور لوگوں میں ان کی نشر و اشاعت کرتے ہیں اس کے بدلہ میں ان کو نذرانے اور ہدیے بھی دیئے جاتے ہیں اور ان کی عزت بھی کی جاتی ہے (تو کیا یہ بھی علم کو بیچ کر کھانے والے ہوں گے؟) آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے کلام سے مراد نہیں ہیں اور ان کو علم فروش نہیں کہا جاتا بلکہ میری مراد ان لوگوں سے ہے جو سوچے سمجھے بغیر غلط فتاویٰ دیتے ہیں اور دنیاوی مفاد حاصل کرنے کے لئے لوگوں کے اصلی حقوق کو باطل اور ضائع کرتے ہیں۔

حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ میری امت کے علماء دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم تو

یہ ہے کہ اللہ نے اس کو علم عطا فرمایا اور اس نے اپنے علم کو خوشنودئ پروردگار کا ذریعہ بنایا اور لوگوں پر علم کو خرچ کر کے اپنی عاقبت بنالی نہ اس نے علم کو طمع کا جال بنایا اور نہ نکوں کے بدلے میں اس کو فروخت کیا ایسے شخص کے لئے دریائی، صحرائی، اور ہوائی سب مخلوق طلب مغفرت کرتی ہے پس وہ اللہ کی بارگاہ میں شرافت وسیادت کی حالت میں پیش ہوگا اور دوسری قسم یہ ہے کہ انہوں نے علم کا بندگانِ خدا پر بخل کیا اور اُسے طمع کا ذریعہ بنایا نکوں کے بدلے میں بیچ کر خوب کمایا پس ایسے لوگوں کو بروز محشر جہنم کی لگام دی جائے گی۔ اور بھرے مجمع میں فرشتہ اعلان کرے گا کہ یہ فلاں بن فلاں وہ ہے جس کو اللہ نے دنیا میں دولتِ علم عطا کی تھی لیکن اس نے بندگانِ خدا پر علم کا بخل کیا تھا اور لوگوں کے حساب سے فارغ ہونے تک اس کی یہی حالت رہے گی۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا۔

صفاتِ جمیلہ

علم

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ تمام برائیوں کی جڑ جہالت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ تمام خوبیوں کی اصل علم ہے کیونکہ علم ہی معرفتِ پروردگار کا زینہ ہے اور علم ہی نفس کی عیب جوئی کر کے اس کے لئے راہِ راست کا تعین کرتا ہے بس علم ہی کے ذریعے سے انسان برائیوں سے بچ کر صفاتِ حسنہ سے متصف ہو سکتا ہے اور علم کے ذریعے سے ہی خُدا کی عبادت ہوتی ہے اور علم کے ذریعے سے ہی انسان جنت کو حاصل کر سکتا ہے۔

بروایت بحار الانوار حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ بروز محشر خداوند کریم علماء (علمائے صالحین) کو جمع کر کے ان سے خطاب فرمائے گا کہ میں نے تمہارے سینوں میں علم و حکمت کو بھر دیا تھا کیونکہ میں تمہاری دنیا و آخرت میں بھلائی چاہتا تھا۔ اب جاؤ میں نے تمہاری تمام لغزشیں معاف کر دی ہیں اور تمہیں بخش دیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جاہلوں میں عالم کی مثال ایسی ہے جس طرح مُردوں میں ایک زندہ اور طالب علم کے لئے ہر چیز طلب بخشش کرتی ہے حتاکہ

دریائی مچھلیاں، صحرائی جانور حشرات الارض اور حیوانات وغیرہ پس علم کو طلب کرو کیونکہ اللہ اور تمہارے درمیان یہی ایک رابطہ ہے اور علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ وَالْاَتْقِیَاءُ حُصُوْنٌ وَالْاَوْصِیَاءُ سَادَةٌ یعنی علماء امین ہیں متقی لوگ قلعے ہیں اور اوصیاء سید و سردار ہیں دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا اَلرَّاوِیَةُ لِحَدِیْثِنَا یَشُدُّ بِهٖ قُلُوْبَ شِیْعَتِنَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ یعنی جو شخص ہماری حدیث کو روایت کرنے والا ہے جس سے ہمارے شیعوں کے دل مضبوط ہوں وہ ہزار عابد سے افضل ہے۔

حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ بہتر چیز جو دوسری بہتر چیز کے ساتھ جمع ہو وہ حلم ہے جب علم کے ساتھ جمع ہو جائے۔ آپ نے فرمایا میری امت میں دو قسم کے آدمی اگر ٹھیک ہو جائیں تو امت نیک رہے گی لوگوں نے سوال کیا کہ حضورؐ! وہ دو قسم کے آدمی کون کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا۔ فقہاء و امراء

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ بادشاہ لوگوں پر حکومت کرتے ہیں اور علم بادشاہوں پر حکومت کرتا ہے اور علم کے لئے اتنا کافی ہے کہ تیرے دل میں اللہ کا ڈر ہو اور جہالت کے لئے اتنا کافی ہے کہ تو اپنے علم پر تکبر کرے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا فقیہ کی تین علامتیں ہیں۔ علم۔ حلم۔ خاموشی۔ پھر فرمایا کہ خاموشی بھی دانائی کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے خاموشی محبت کو کسب کرتی ہے کیونکہ یہ ہر خوبی کی دلیل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریین سے فرمایا کہ میں تم سے حاجت رکھتا ہوں اور تمہیں چاہیئے کہ اسے پورا کرو۔ وہ عرض کرنے لگے آپ فرمائیں کیا حاجت ہے؟ تو آپ نے اٹھ کر ان کے پاؤں دھلائے۔ آپ نے فرمایا۔ خدمت کا زیادہ حق عالم کو حاصل ہے اور میں نے تمہارے سامنے یہ انکساری اس لئے کی ہے تاکہ تم میرے بعد لوگوں میں انکساری سے پیش آؤ

جس طرح میں تمہارے ساتھ پیش آیا ہوں آپ نے فرمایا کہ حکمت انکساری سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ تکبر سے جس طرح کھیتی نرم زمینوں میں ہوتی ہے نہ کہ پہاڑوں کی سنگ لاخ چٹانوں میں

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا خدا ان لوگوں پر رحم کرے جو ہمارے امر کو زندہ کرتے ہیں لوگوں نے عرض کی حضور! آپ کا امر (طریقہ) کس طرح زندہ کیا جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے علوم کو سکھانے سے کیونکہ جب لوگ ہمارے کلام کی خوبیوں کو جان لیں گے تو وہ خود بخود ہمارے حلقہ اطاعت میں داخل ہو جائیں گے۔ حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ علم کو حاصل کرو اگرچہ اس کے لئے چین ہی جانا پڑے (اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس زمانہ میں چین علم کا مرکز تھا بلکہ چونکہ اس زمانہ میں آمدورفت کے ذرائع محدود تھے اور چین دور دراز ہونے کے علاوہ وہاں تک پہنچنے کے لئے پُرپیچ راستے خطرناک وادیاں اور دشوار گذار پہاڑیاں حائل تھیں جن کو عبور کرنا ناگزیر تھا جس کے لئے کافی مدت عمر کے علاوہ دل گردہ اور قلب و جگر کی مضبوطی درکار تھی۔ پس علم کی اہمیت کو بیان کرنے کے لئے مثال کے طور پر چین کا نام لیا یعنی اگر علم حاصل کرنے کیلئے مدت سے سخت راستہ ہی کیوں نہ طے کرنا پڑے۔ ضرور اُسے حاصل کرو جس طرح ایک دوسری حدیث میں ایرانیوں کے باہمت ہونے کے پیش نظر ارشاد ہے کہ اگر علم کو ثریا کے ساتھ معلق کر دیا جائے تب بھی ایرانی لوگ اسے حاصل کرکے رہیں گے کیونکہ علم کو ثریا کے ساتھ معلق نہیں کیا جاتا بلکہ مقصد یہ ہے کہ علم تک پہنچنا کتنا ہی دشوار کیوں نہ ہو باہمت لوگ وہاں سے بھی حاصل کرکے رہیں گے۔)

آپ نے فرمایا جو شخص علم کو حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلے تاکہ باطل کو رد کرکے حق کو نمایاں کرے یا گمراہی کی روک تھام کرکے ہدایت کا راستہ ہموار کرے تو اس کا یہ عمل چالیس سال کی عبادت سے افضل ہے۔

بروایت بحارالانوار امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا جب قیامت کے روز ایک عالم پیش ہوگا تو اپنی نیکیوں کو تہ بہ تہ بادلوں اور سر بفلک پہاڑوں

کی طرح دیکھے گا وہ ازراہِ حیرت عرض کرے گا یہ نیکیاں میرے نامۂ اعمال میں کہاں سے آگئی ہیں حالانکہ میں تو ان کو بجا لایا نہیں ہوں پس اس کو جواب ملے گا کہ یہ تیرے علم کے آثار ہیں جو تو نے لوگوں کو تعلیم کیا ہے اور تیری موت کے بعد اس پر عمل ہوتا رہا ہے آپ نے فرمایا مرنے کے بعد انسان کا عمل ختم ہو جاتا ہے لیکن تین چیزوں سے اس کا عمل جاری رہتا ہے (۱) وہ علم جس سے لوگ اس کے مرنے کے بعد بھی نفع اٹھاتے رہیں (۲) صدقہ جاریہ (۳) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص کسی کو علم سکھائے تو اس کے نامۂ اعمال میں ان لوگوں کی نیکیاں بھی لکھی جائیں گی جو اس پر عمل کریں گے۔ کسی نے سوال کیا کہ اس کو کوئی غیر پڑھا دے تو آپ نے فرمایا اگر اس کو سارے لوگ پڑھائیں تب بھی اس کے لئے وہ عمل جاری رہے گا اس نے عرض کیا کہ اگر وہ مر جائے آپ نے فرمایا کہ اگر مر بھی جائے تب بھی یہ سلسلہ منقطع نہ ہوگا۔

حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ دانائی کا کلمہ کسی بے وقوف سے سنو تو اسے قبول کرلو اور بے وقوفی کا کلمہ کسی دانا سے سنو تو اُسے چھوڑ دو کیونکہ ہر دانا لغزش کر سکتا ہے اور ہر بے وقوف کو کچھ نہ کچھ تجربہ ہوا کرتا ہے۔

آپ نے فرمایا مجھے امت سے تین چیزوں کا خطرہ ہے (۱) قرآن کی غلط تاویل کریں گے (۲) عالم کی لغزش کے پیچھے پڑ جائیں گے (۳) اُن میں مال زیادہ ہوگا تو سرکش بن جائیں گے لیکن ان سے بچنے کا طریقہ بھی سُن لو (۱) قرآن مجید کے محکمات پر عمل کرنا اور متشابہات پر صرف ایمان لانا (۲) عالم کی لغزش کے پیچھے نہ پڑنا بلکہ انتظار کرنا کہ وہ کب اپنی لغزش سے پلٹتا ہے (۳) مال ملنے پر اللہ کا شکر کرنا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جب عالم کے پاس بیٹھو تو اس سے سننے کی کوشش زیادہ کرو اور خود بولنے اور اس کو سنانے کی کوشش کم کرو اور اچھے طریقے سے سُننا سیکھو جس طرح اچھے طریقہ سے بولنا سیکھتے ہو اور بات کو ٹوکنا چھوڑ دو

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ عالم کے حقوق یہ ہیں (١) اس پر سوالات کی بھرمار نہ کرو (٢) اس کے کپڑے کو پکڑ کر نہ کھینچو (٣) جب اس کے پاس پہنچو اور اس کے پاس لوگ بھی ہوں تو پہلے سب پر سلام کہو اور پھر عالم کو مخصوص کر کے سلام کہو (٤) اس کے سامنے بیٹھو پیچھے نہ بیٹھو (٥) اس کی طرف آنکھ سے اشارہ نہ کرو (٦) اور نہ اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرو (٧) جب وہ کوئی مسئلہ بیان کرے تو اس کے سامنے دوسرے اقوال بیان نہ کرو جو اس کے قول کے خلاف ہوں کہ فلاں تو یہ کہتا ہے اور فلاں یہ کہتا ہے (٨) عالم کے پاس بیٹھ کر طول صحبت سے تنگ نہ جاؤ کیونکہ عالم کی مثال ایک پھلدار کھجور کی سی ہے نہ معلوم وہ کس وقت تمہارے اوپر پختہ پھل گرائے گی پس اسی طرح عالم کا بھی انتظار کرو کہ کس وقت علمی مسئلہ بیان کرتا ہے؟ اور عالم کا اجر شب بیدار روزہ دار اور مجاہد فی سبیل اللہ سے زیادہ ہوتا ہے پس کوئی عالم مرتا ہے تو عالم اسلام میں ایسا رخنہ پڑتا ہے کہ اس کو کوئی چیز پر نہیں کر سکتی تا یوم قیامت۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمایا کہ علم میں رہبری کرنے والے کے تجھ پر یہ حقوق ہیں۔ (١) اس کی مجلس کی توقیر و تعظیم کرو (٢) اس کی طرف متوجہ رہو اور اس کی باتوں کو کان دھر کے سنو (٣) اپنی آواز کو اس کی آواز سے بلند نہ کرو (٤) جب تمہارے سامنے کوئی شخص ان سے مسئلہ پوچھ رہا ہو تو تم اس کا جواب نہ دینے لگ جاؤ بلکہ وہ خود ہی اس کا جواب دیں گے (٥) عالم کی صحبت میں بیٹھ کر کسی دوسرے سے باتیں نہ کرو (٦) ان کے سامنے بیٹھ کر کسی کا گلہ نہ کرو (٧) جب تمہارے سامنے لوگ ان کا گلہ کر رہے ہوں تو تمہارے اوپر ضروری ہے کہ اس کا دفاع کرو (٨) اگر تمہیں اس کا کوئی عیب معلوم ہو تو اسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کرو (٩) ان کی اچھی باتیں لوگوں کو سناؤ (١٠) اس کے دشمنوں سے میل جول نہ رکھو (١١) اس کے دوستوں سے دشمنی نہ کرو اگر ان ہدایات پر عمل کرو گے تو ملائکہ تمہارے حق پر گواہی دیں گے کہ واقعی تم نے علم خوشنودی خدا کے لئے حاصل کیا ہے بندوں کے لئے نہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا میں تین قسم کے آدمیوں کو قابل رحم سمجھتا ہوں اور ان کا حق ہے کہ اُن پر رحم کیا جائے۔ (۱) وہ عزت دار جو ذلیل ہو جائے (۲) وہ دولتمند جو فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائے (۳) اور وہ عالم جس کی نااہل اور جاہل لوگ توہین کریں۔

آپ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جائے تو یہ درست ہے؟ آپ نے فرمایا میں اسے ناپسند کرتا ہوں مگر یہ کہ آنے والے انسان کے دین کے لئے ایسا کیا جائے تو درست ہے۔

رضا بقضاء

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حدیث قدسی میں اللہ فرماتا ہے کہ مومن انسان کو میں جس حالت میں پلٹاتا ہوں اس میں اس کے لئے بھلائی کو مضمر کرتا ہوں لہذا اس کو بھی چاہیئے کہ میری قضا (فیصلہ) پر راضی رہے اور میری دی ہوئی مصیبت پر صبر کرے اور میری نعمات کا شکر ادا کرے پس اے محمدؐ! میں اس کا نام صدیقین کی فہرست میں درج کر دوں گا۔ حضرت رسالتمآبؐ جبرئیل کے ساتھ باتیں کر رہے تھے تو آپ نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ راضی ہونے کا کیا معنی ہے تو جبرئیل نے جواب دیا کہ راضی وہ ہے جو اپنے آقا و مولا کے فیصلہ پر ناراض نہ ہو خواہ اسے دنیا ملے نہ ملے اور اپنے نفس کے لئے تھوڑی نیکی پر رضامند نہ ہو۔

- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ہو جانے والے کام کے متعلق کبھی نہیں کہا تھا کہ کاش ایسا ہوتا۔
- حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ صبر و رضا اطاعت پروردگار کی چوٹی ہیں پس جو شخص اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جائے اور صبر کرے خواہ وہ فیصلہ اس کی پسند کا ہو یا ناپسند کا ہو تو خداوند کریم اس کا نتیجہ اس شخص کے لئے ایسا کرے گا جو اس کے حق میں اچھا ہو گا
- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی مخلوق پر اللہ کی طرف سے یہ حق ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر لیں پس جو شخص اللہ کے فیصلے پر ناراض ہو گا تب

بھی فیصلہ تو ہو چکا لیکن (اس کو صبر و رضا پہ ملنے والا) اجر ضائع ہو جائے گا۔

● حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ مرد مسلم کے لئے اللہ جو بھی فیصلہ کرے وہ اس کے حق میں اچھا ہی ہوا کرتا ہے اگر وہ اس کے حق میں قینچیوں سے کترے جانے کا فیصلہ کرے تو بھی ٹھیک ہے اور اگر اس کے حق میں مشرق تا مغرب کی حکومت کا فیصلہ کرے تو بھی درست ہے

● آپ نے فرمایا لوگوں میں سب سے بڑا عالم وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی رضا کے سامنے سر جھکانے والا ہو۔

● آپ سے سوال کیا گیا کہ مومن کے ایمان کا پتہ کس سے چلتا ہے تو آپ نے فرمایا خوشی و غمی کی حالت میں تسلیم و رضا سے پتہ چلتا ہے۔

● حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا عقلمند انسان کو چاہیئے کہ اللہ سے پہنچنے والے رزق کی تاخیر کو محسوس نہ کرے اور اس کے فیصلہ پر بدظنی نہ کرے۔

● حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اے لوگو! میں تم سے دو چیزوں کے متعلق خطرہ رکھتا ہوں اتباع الھوی اور طول الامل کیونکہ اتباع الھویٰ (یعنی خواہش نفس کی پیروی) حق سے برگشتہ کر دیتی ہے اور طول الامل (یعنی لمبی امیدیں) آخرت کو فراموش کرا دیتی ہیں۔

● اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں چیزیں ہی تو انسان کو اللہ کے فیصلہ پہ رضامند ہونے سے روکتی ہیں۔

● حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآب کا ارشاد ہے جو شخص لوگوں کی رضامندی کی خاطر اللہ کو ناراض کرے گا تو لوگوں میں سے اس کی تعریف کرنے والے بھی اس کی مذمت کریں گے لیکن اس کے برعکس اگر لوگوں کی ناراضگی کو برداشت کر کے خدا کی خوشنودی کی طرف قدم بڑھائے گا تو خداوند کریم اس کو ہر دشمن کی دشمنی اور ہر حاسد کے حسد اور ہر سرکش کی سرکشی سے محفوظ رکھے گا اور خود اس کا ناصر و مددگار ہوگا۔ آپ نے فرمایا مخلوق (خواہ ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں) کی اطاعت سے اگر اللہ کی نافرمانی لازم آئے تو مخلوق کی اطاعت حرام ہے

اسی لئے تو حکم ہے کہ والدین کی اطاعت اولاد پر فرض ہے لیکن جب والدین ایسا حکم دیں جس پر عمل کرنے سے اللہ کی نافرمانی لازم آتی ہو تو ایسے مقامات پر والدین کی اطاعت کا حکم ساقط ہے کیونکہ اللہ کی اطاعت ہر اطاعت سے مقدم ہے چنانچہ امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کو ایک خط لکھا تھا جس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت واجب ہے اگرچہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن جہاں ان کی اطاعت میں خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو وہاں انکی اطاعت ساقط ہے پس ایسے مقامات پر نہ اُن کی اطاعت جائز ہے اور نہ کسی دوسرے انسان کی (خواہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو)۔ کیونکہ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ

یقین روحانی امراض میں سے شک بہت بڑا مرض ہے کیونکہ جس شخص کو اللہ پر یقین ہو جائے وہ اللہ پر توکل بھی کر سکتا ہے اور اس کی قضاء پر راضی بھی ہو سکتا ہے اور اس کی عطا سے پر اُمید بھی ہو سکتا ہے لیکن جس کو شک ہو کہ فلاں کام کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد نہ معلوم خدا دے گا یا نہ دے گا تو وہ راضی و صابر کیسے ہو گا اسی طرح اللہ کے رحم و کرم پر شک ہو تو اس پر توکل کیسے کرے گا اور اللہ کی عطا اور اس کی جانب سے پہنچنے والے رزق میں اگر شک ہو تو وہ صبر و قناعت کیسے کرے گا بلکہ حرص و لالچ اور جزع و فزع ہی اس کا مقدر ہو گا اور اسی شک ہی کی بدولت چوری ڈاکے اور دیگر بھیانک قسم کے جرائم انسان سے سرزد ہوتے ہیں۔

حضرت رسالتمآبؐ نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ یقین کیا چیز ہے؟ تو جبرئیل نے جواب دیا کہ مومن کا یقین یہ ہے کہ عمل اس طرح بجا لائے جیسا کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہو کیونکہ اگر وہ خدا کو نہیں دیکھ رہا تو خدا تو اُسے دیکھ رہا ہے پس مومن کو یقین ہونا چاہئیے کہ مجھے جو بھی تکلیف پہنچی ہے وہ مجھ سے چوکنے والی نہ تھی اور یہ چیز توکل کی شاخ اور زہد کا زینہ ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کی تفسیر دریافت کی گئی۔ وَاَمَّا الْجِدَارُ الآیہ کہف پ ۱۶۔ آپ نے فرمایا اس کے نیچے جو خزانہ تھا وہ سونے اور چاندی کا ذخیرہ

نہیں تھا بلکہ ایک تختی پر علم و حکمت کے چار کلمات درج تھے۔

(۱) لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا ترجمہ: میرے سوا کوئی بھی الٰہ نہیں ہے۔

(۲) مَنْ اَیْقَنَ بِالْمَوْتِ لَمْ یَضْحَکْ سِنُّہٗ جس کو موت کا یقین ہو اس کے دانت ہنستے نہیں۔

(۳) مَنْ اَیْقَنَ بِالْحِسَابِ لَمْ یَفْرَحْ قَلْبُہٗ۔ جس کو حساب کا یقین ہو اس کا دل کبھی خوش نہیں ہوتا

(۴) مَنْ اَیْقَنَ بِالْقَدْرِ لَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہ۔ جس کو قدر کا یقین ہو وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔

اور آپ نے فرمایا کہ ہر شئی کی حد و مقرر ہیں۔ راوی نے عرض کی حضورؑ! یقین کی کیا حد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی سے خوف نہ کھانا۔ اور فرمایا صحت یقین کی نشانی ہے کہ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضامندی کی کوشش نہ کرے اور جو چیز اس کو اللہ نے نہیں دی اس کے بارے میں لوگوں کو ملامت نہ کرے کیونکہ رزق ایک ایسی شئی ہے جس کو کسی کا لالچ کھینچ نہیں سکتا اور کسی کی ناپسندی ٹال نہیں سکتی بلکہ اگر کوئی شخص رزق سے بھاگنا چاہے جس طرح موت سے بھاگا کرتا ہے تب بھی رزق اس کو پالے گا جس طرح کہ موت اسے نہ چھوڑے گی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے عدل و انصاف سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آرام و راحت یقین میں ہے اور غم و حزن شک میں ہے نیز آپ نے فرمایا کہ یقین کے ہوتے ہوئے تھوڑا سا عمل بھی غیر یقینی عمل کثیر سے بہتر ہے۔

فقہ رضوی سے منقول ہے کہ یقین جیسی کوئی دولتمندی نہیں اور عبادت جیسا کوئی مشغلہ نہیں۔

توکّل

حضرت رسالتمآبؐ نے جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ توکل کیا چیز ہے؟ تو جبرئیل نے عرض کی توکّل یہ ہے کہ انسان کو اطمینان ہو جائے کہ نہ مخلوق نفع و نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ کچھ دے سکتی ہے اور نہ روک سکتی ہے پس مخلوق کی طرف سے بالکل مایوس ہو جائے اور جب انسان کی یہ حالت ہو گی تو اللہ کی رضا کے لئے ہی عمل کرے گا نہ غیر خدا سے کچھ اُمید رکھے گا اور نہ غیر خدا کا خوف کرے گا اور اللہ کی عطا کے علاوہ کسی کا اس کو طمع نہ ہو گا اور اسی چیز کا نام توکّل ہے۔

حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں گھر سے باہر نکلا جب اس سامنے والے باغ کے پاس پہنچا تو دیوار پر سہارا لے کر کھڑا ہو گیا میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے اوپر دو سفید کپڑے تھے اس نے میری طرف دیکھ کر مجھ سے تین سوال کئے اور میں نے اُن کے جوابات دیئے اُس نے پوچھا کیا آپ نے ایسا آدمی دیکھا ہے جس نے (خلوص دل کے ساتھ) اللہ سے دُعا مانگی ہو اور اللہ نے اس کی دُعا کو قبول نہ کیا ہو؟ میں نے کہا نہیں پھر اس نے پوچھا کیا آپ نے ایسا آدمی دیکھا ہے جس نے اللہ پر توکل کی ہو اور اللہ نے اس کی کفایت نہ کی ہو میں نے کہا نہیں پھر اس نے پوچھا کیا آپ نے ایسا آدمی دیکھا ہے جس نے اللہ سے کچھ مانگا ہو اور اللہ نے نہ دیا ہو میں نے کہا نہیں پس وہ غائب ہو گیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا غنا اور عزت چکر لگاتی رہتی ہیں۔ جہاں توکل ہو وہاں گھر بنا لیتی ہیں آپ نے فرمایا جس کو تین چیزیں مل جائیں وہ دوسری تین سے محروم نہیں ہوتا جس کو دعا مل جائے یعنی جس کو دعا مانگنے کی توفیق مل جائے وہ مقبولیت سے محروم نہیں ہوتا جس کو شکر کرنا نصیب ہو وہ زیادتی سے محروم نہیں ہوتا اور جس کو توکل نصیب ہو وہ کفایت سے محروم نہیں ہوتا پھر آپ نے قرآن مجید کی تین آیات کی تلاوت کی۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اور فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اور فرمایا اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔

مروی ہے ایک مرتبہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میں ایک ہزار کا مقروض ہوں تو آپ نے فرمایا میں تجھ سے تین سوال کرتا ہوں اگر تو نے تینوں سوالوں میں سے صرف ایک کا جواب دیا تو میں تجھے ایک تہائی دوں گا اور دو سوالوں کا جواب دیا تو دو تہائی دوں گا اور اگر تینوں سوالوں کا جواب دیا تو جو کچھ مانگتا ہے سب دوں گا تو اُس نے عرض کی حضور! میں آپ کے سوالوں کے جواب کیسے دے سکتا ہوں تو آپ نے فرمایا میرے نانا کا ارشاد ہے۔ اَلْمَعْرُوْفُ بِقَدْرِ الْمَعْرِفَةِ کسی پر احسان اتنا ہی کرو جتنی اس کی معرفت ہو اس نے عرض

کی حضور! آپ سوال کریں اگر جواب آئیں گے تو عرض کروں گا۔ ورنہ آپ سے اُن کے جوابات حاصل کرونگا آپ نے فرمایا۔ سب عباداتوں سے افضل عبادت کون سی ہے؟ اس نے عرض کی اللہ کی معرفت آپ نے فرمایا شاباش پھر دوسرا سوال فرمایا کہ مشکل و مصیبت میں پھنس جانے کے بعد انسان کا سہارا کیا چیز ہونی چاہیے۔ تو اس نے عرض کی۔ اللہ پر توکل اور بھروسہ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے تیسرا سوال یہ ہے کہ انسان کی زینت کیا شئے ہے؟ تو اس نے عرض کی علم جس کے ساتھ حلم ہو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن یہ نہ ہو تو پھر؟ اُس نے عرض کی انسان کی زینت مال ہے سخاوت کے ساتھ آپ نے فرمایا درست ہے لیکن اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر؟ اُس نے عرض کیا الفقر مع الصبر یعنی غریبی ہو تو اس کی زینت صبر ہے آپ نے فرمایا یہ درست ہے لیکن اگر یہ نہ ہو تو پھر؟ اس نے عرض کی حضور! اگر یہ بھی نہ ہو تو اس پر موت آ جائے اور وہ ختم ہو جائے آپ نے فرمایا شاباش۔ پس آپ نے اس کو مانگا ہوا روپیہ بھی دیا اور اپنے دستِ مبارک سے ایک انگوٹھی اتار کر بھی اس کے حوالہ کی جس کا نگینہ چار سو درہم کا تھا اور فرمایا وہ تیرے سوال کے عوض ہے اور یہ تیری معرفت کا انعام ہے۔ او کما قال۔

درگذر کرنا

یہ صفت انتقام کے بدلہ میں ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ انتقام لینے کے بجائے انسان کو چاہیے کہ خطا کار سے درگذر کر کے اسے معافی دیدے اور بدلہ لینے کی قدرت رکھنے کے باوجود اس کے جرم کو دامنِ عفو میں جگہ دیدے۔

حضرت رسالتمآب کا ارشاد ہے کہ بادشاہوں کا درگذر کرنا اُن کے ملک کی پائیداری کا موجب ہوتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو لوگ معاشرہ میں قسم قسم کے جرائم کرتے رہیں اُن کو معاف کیا جائے اور سزا نہ دی جائے کیونکہ اس عمل سے ملک تباہی کے گڑھے میں جا پڑے گا بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بادشاہِ وقت کے سامنے گستاخانہ انداز سے پیش آئے تو اُسے جابر حکمرانوں کی طرح فوراً تختہ دار پر نہ کھینچ دیا جائے بلکہ ذاتی غصہ کو ضبط کر کے اُسے معاف کر دیا جائے جب رعایا بادشاہ کا یہ سلوک دیکھے گی تو ان کے دلوں میں بادشاہ کی محبت پیدا ہو گی اور یہ چیز حکومت کی پائیداری کی موجب ہو گی۔

حضورؐ نے فرمایا کہ درگذر کی عادت اپنے اندر ڈالو کیونکہ اس سے انسان کی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا جب خدا تجھے دشمن پر قدرت دے تو اللہ کی عطا کردہ قدرت کا شکر یہ ہے کہ اس کو معاف کر دے۔

آپ نے فرمایا درگذر کرنے والوں میں سب سے زیادہ ثواب اس کا ہے جو سزا دینے پر سب سے زیادہ قدرت رکھنے والا ہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کسی کو معاف کرنے کے بعد جو پشیمانی لاحق ہو وہ اُس سے بہتر ہے جو اس کو سزا دینے کے بعد لاحق ہو۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا جب دو گروہ آپس میں لڑ رہے ہوں تو اُن میں سے جو درگذر کرنے والا ہو اس کی غیبی نصرت ہوا کرتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کھانا کھا رہے تھے کہ غلام پانی لایا اور اُس کے ہاتھ سے جو برتن گرا تو آپ کے کپڑے آلودہ ہوگئے آپ نے غلام کی طرف دیکھا تو اُس نے فوراً قرآن مجید کی آیت پڑھی اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ آپ نے فرمایا میں نے غصہ کو ضبط کر لیا پھر اُس نے دوسرا ٹکڑا آیت کا پڑھا وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ تو آپ نے فرمایا میں نے معاف کر دیا پھر اُس نے آخری حصہ آیت کا پڑھ دیا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ تو آپ نے فوراً اس کو آزاد کر دیا۔

ایک مرتبہ امام زین العابدین علیہ السلام کے گھر میں آکر ایک رشتہ دار نے آپ کو بُرا بھلا کہا۔ آپ خاموشی سے سنتے رہے جب وہ چلا گیا تو کچھ دیر آپ نے اپنے غلاموں کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید انتقام کے لئے جا رہے ہیں جب آپ اس کے دروازہ پر پہنچے اور دستک دی تو اُس نے آواز پہچان کر سمجھا کہ شاید بدلہ لینے کے لئے آئے ہیں آپ نے فرمایا تو نے جو کچھ مجھے کہا ہے اگر میں ان الفاظ کا مستحق ہوں تو اللہ سے معافی

مانگتا ہوں اور اگر میں مستحق نہیں تھا اور یقیناً نہیں تھا تو تجھے معافی دینے کے لئے چل کر آیا ہوں فوراً اس شخص نے آپ سے معافی مانگ لی۔

بہر کیف غصّہ کو ضبط کر لینا اور مجرم کو معافی دے دینا بہت بڑا کارنامہ ہے اور جہادِ اعظم و اکبر ہے اور اس میں شک نہیں کہ جب انسان اپنے غصّہ پر کنٹرول کرے تو درگذر تو خود بخود ہو جاتا ہے پس سب سے اہم ہے اپنی صفات بد پر کنٹرول کرنا اور خواہش نفس کو پائمال کرنا اور یہی انسانی کمال ہے۔

صدق

یعنی سچائی اور اس کے تین مراحل ہیں۔ نیت میں سچائی، قول میں سچائی اور عمل میں سچائی در پورا سچا انسان وہ ہے جو تینوں مراحل میں صادق ہو۔ کیونکہ نیت میں سچائی ہوگی تو منافقت سے بچ جائے گا۔ قول میں سچائی ہوگی تو جھوٹ سے بچ جائے گا اور عمل میں سچائی ہوگی تو خدا کی نافرمانی سے بچ جائے گا اور زندگی کی ہر منزل میں صادق وہی ہو سکتا ہے جو معصوم ہو اسی لئے تو خدا نے قرآن مجید میں عوام الناس کو ایمان و تقویٰ کے ساتھ ساتھ صادقین کی صحبت یعنی اطاعت کا حکم دیا ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کا لقب صدیقِ اکبر ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جس کی زبان سچی ہوگی اس کا عمل کھرا ہوگا۔ جس کی نیت اچھی ہوگی۔ اس کے رزق میں فراوانی ہوگی اور جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک کرے گا اس کی زندگی طولانی ہوگی۔

ایک شخص حضرت پیغمبرؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی حضورؐ! میں گناہ گار ہوں اور گناہوں سے باز نہیں آسکتا۔ آپ نے فرمایا میری صرف ایک بات کو قبول کرلے اس نے عرض کی حضورؐ! فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ جھوٹ نہ بولا کرو۔ اس نے وعدہ کیا کہ جھوٹ نہ بولوں گا۔ آپ نے فرمایا اب چلے جاؤ میری نصیحت پر عمل کرنا اور میری ملاقات کے لئے بھی وقتاً فوقتاً آتے رہنا۔ اس نے یہ بھی وعدہ کر لیا پس چلا گیا۔ جب گھر میں پہنچا تو گناہ کے وقت جب گناہ کا ارادہ کیا تو فوراً خیال پیدا ہوا کہ جب حضورؐ کے پاس جاؤں گا اور وہ پوچھیں

گے کہ کیا تم نے فلاں گناہ کیا ہے؟ میں نے جھوٹ نہ بولنے کا پکا وعدہ کیا ہے۔ پس سچ ہی بتانا پڑے گا اور شرمساری ہوگی پس اپنے اُوپر زور ڈال کر اس گناہ کو چھوڑ دیا پھر دوسرے گناہ کا وقت آیا تو وہی خیال پیدا ہُوا۔ اور طبیعت پر زور دیکر اس کو بھی ترک کر دیا۔ وعلیٰ ہذا القیاس چند دنوں میں اُس نے تمام گناہوں سے توبہ کر لی اور یہ صرف سچ بولنے کی ہی برکت ہے۔

شرم وحیا

صفات فاضلہ انسانیہ میں شرم وحیا ایک بلند پایہ صفت ہے اور انسان کی بہت بڑی زینت ہے چنانچہ حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ فخر اور تکبر جس میں ہو اس کو بدنما کرتا ہے اور حیا و شرم جس میں ہو اس کو زیب دیتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا جو حیا کی چادر پہن لے لوگ اس کے عیوب نہیں دیکھ سکتے۔

آپ نے فرمایا حیا ایمان کی نشانی ہے اور ایمان کا مقام جنت ہے اور فرمایا جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں۔ آپ نے فرمایا حیا، پاکدامنی اور کم گوئی یہ سب ایمان کی علامات میں سے ہیں۔

حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ حیا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حیائے عقل اور دوسرا حیائے حمق۔ حیائے عقل، علم کی نشانی ہے اور حیائے حمق جہالت کی علامت ہے مقصد یہ ہے کہ انسان کو بُرے کام کرنے سے حیا کرنی چاہیئے اور یہ حیا حیائے عقل ہے اور یہ علم کی نشانی ہے اور نیک کاموں کی بجا آوری سے حیا کرنا، دینی مسائل کے دریافت کرنے سے حیا کرنا، بڑی عمر ہو جانے کی وجہ سے، کلمہ و نماز و قرآن پڑھنے سے حیا کرنا یہ حیائے حمق ہے اور یہ جہالت کی علامت ہے۔

یہ زمانہ کی قلابازیوں اور فلک کج رفتار کی نیرنگیوں میں سے سمجھیئے کہ معیار شرافت اب معکوس نظر آتا ہے لوگوں کے دلوں میں مغربیت کے آثار اس قدر گہرائی تک پہنچ چکے ہیں۔ کہ عوامی نظریہ میں حیا کو بے حیائی اور بے حیائی کو حیا و شرافت کہا جانے لگا ہے۔ اس میں شک

کہتے ہیں کہ داڑھی رکھنا سنّت رسولؐ و ائمہ طاہرین علیہم السلام ہے لیکن معاشرہ اتنا بگڑ چکا ہے کہ داڑھی منڈوانا شریفانہ پوزیشن اختیار کر چکا ہے۔ اب جہاں شہر میں یا جس محکمہ میں یا جس ماحول میں اکثریت ریش تراشوں کی ہو تو وہاں ایک انسان داڑھی رکھواتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہے اور مسلمان کہلوانے والا معاشرہ اس کی طرف انگشت نمائی کرنا اپنی روشن ضمیری خیال کرتا ہے حالانکہ چاہیئے یہ تھا کہ داڑھی منڈوانے والے شرم کرتے کہ ہم سنّت رسولؐ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اس طرح بے نمازوں کے ماحول میں نمازی کو نماز پڑھنے سے حیا محسوس ہوتی ہے حالانکہ بے نمازوں کو حیا کرنا چاہیئے۔ بہرکیف اس بدلے ہوئے یا بگڑے ہوئے ماحول میں بھی کلمہ حق کہنا سننا اور اس پر چاروناچار عمل کر گزرنا بڑی چیز ہے۔

اسلام میں ایک زمانہ تھا جب صنف نازک کا وقار محفوظ تھا اور عورتیں حیا و شرم کے زیور سے آراستہ تھیں اور پردہ یا برقعہ ان کی شرافت کا قلعہ تھا اور ان کے حیا و شرم کا آئینہ دار تھا لیکن اس دور میں پناہ بخدا۔ لیکن کیا کیا جائے جب مرد حیا و شرم کی حدود کو پھاند جائیں۔ تو عورتوں کو شرم و حیا کے لئے پابند کون کرے؟ دورِ حاضر میں عورتوں کی آزادی کا تصور عورتوں کی ذہنی پیداوار نہیں بلکہ عیاشانہ جذبات کی آزادانہ تکمیل کی خاطر بدمعاش طبع مردوں کا رچایا ہوا ڈھونگ ہے جو اسلام کی حقانیت کے خلاف کھلا ہوا اعلان جنگ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ مسلمان عورتیں اپنے سائے کے تصور سے گھبراتی تھیں اب وہ زمانہ ہے کہ کھلے بازاروں میں مردوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اعلانیہ چکر لگاتی پھرتی ہیں اور اخبارات اس قسم کے نت نئے حادثات کا رونا روتے نظر آتے ہیں۔ عورتوں کو قرآن پڑھنا نہیں آتا۔ بی اے ایم اے تک تعلیم ہے لیکن کلمہ طیبہ کا پتہ نہیں شیعہ لڑکی ہے تو بارہ امام اور چودہ معصومین کے نام نہیں آتے لیکن ریڈیائی گانے یاد ہیں فلم کے اوقات اور ان کی لغو کہانیاں ازبر محفوظ ہیں۔ اس میں نئی پود کا قصور بہت کم ہے اور ان کے ذمہ دار معاشرہ کا قصور سب سے زیادہ ہے لیکن جہاں معاشرہ پورے کا پورا اسلام دشمنی کا ڈھول دے رہا ہو۔ وہاں کسی کو کون سمجھائے؟ اس اسلام اور اسلامی

تعلیم کا اللہ ہی محافظ ہے۔

فکر و تدبّر

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ اپنے دل کو فکر سے بیدار رکھو اور رات کو اپنے پہلوؤں سے الگ کرو یعنی عبادت پروردگار کے لئے رات سے بھی کچھ وقت نکال لیا کرو اور اللہ کا خوف پیدا کرو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوندکریم چند مقامات پر انسان کی تنہائی کو پسند فرماتا ہے اپنی جائز اور حلال عورت سے تنہائی میں دل بہلانا، اکیلے بیٹھ کر فکر کرنا، تنہائی میں عبرت حاصل کرنا اور الگ ہو کر نماز پڑھنا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس روایت کے متعلق سوال کیا گیا تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ قِیَامِ لَیْلَۃٍ یعنی ایک گھنٹہ کا تفکر رات کی عبادت سے افضل ہے کہ اس تفکر سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کسی اجاڑ مقام یا بستی سے گذرے تو سوچے کہ اس کے بسنے والے کہاں گئے۔ بنانے والے کہاں گئے اور اب خاموشی کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی معرفت اور اس کی قدرت میں فکر کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔

حضرت رسالتمآبؐ نے ایک سائل سے فرمایا کہ جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو پہلے اس کے انجام میں تدبّر کر لیا کرو پس اگر اس کا انجام اچھا نظر آئے تو وہ کام کر گذرو ورنہ اسے چھوڑ دو۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا لِسَانُ الْعَاقِلِ وَرَاءَ قَلْبِہٖ وَقَلْبُ الْاَحْمَقِ وَرَاءَ لِسَانِہٖ یعنی عقلمند کی زبان دل کے پیچھے ہوتی ہے اور احمق کا دل زبان کے پیچھے ہوتا ہے اور اس کا محاوراتی ترجمہ یہ ہے کہ عقلمند سوچ کر بولتا ہے۔ اور احمق بول کر سوچتا ہے۔

پرہیزگاری و پاکدامنی

حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا یا علی۔ جس میں تین خصلتیں پائی جائیں وہ اللہ کے نزدیک افضل النّاس ہے (۱) وہ شخص جو اپنے اوپر عائد شدہ تمام فرائض سے عہدہ برآ ہو وہ بہت بڑا عبادت گذار ہے (۲) وہ شخص جو اللہ کی حرام کردہ تمام چیزوں سے اپنے آپکو بچالے وہ سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (۳) وہ شخص جو اللہ کے

…ے ہوئے رزق پر قناعت کرے وہ سب سے زیادہ غنی ہے یا علی جس میں تین عادتیں نہ ہوں اس کا عمل کبھی ستھرا اور مکمل نہیں ہو سکتا (۱) پرہیزگاری جو اللہ کی نافرمانیوں …سے بچاتی ہے (۲) خوش اخلاقی جو لوگوں کے ساتھ تعلقات کو بڑھاتی ہے (۳) حلم و حوصلہ جو جاہلوں کو جہالت سے روکتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ورع کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ورع کا معنی ہے خدا کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیزگار ہونا۔ آپ نے فرمایا پرہیزگاری کو اختیار کرو کیونکہ اللہ کے انعام و اکرام سوائے ورع (پرہیزگاری) کے حاصل نہیں ہو سکتے آپ نے فرمایا اپنے دین کو بچاؤ ورع کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں اور اس کی ہمارے نزدیک کوئی کرامت و وقعت نہیں ہے جو ایک لاکھ یا اس بھی زیادہ کی آبادی والے شہر میں بستا ہو اور پورے شہر میں اس سے زیادہ پرہیزگار کوئی دوسرا شخص ہو۔ آپ نے فرمایا لوگوں کے لئے صرف زبان سے مبلغ نہ ہو بلکہ تمہاری پرہیزگاری، اجتہاد، نماز خیرات لوگوں کو تمہارے مذہب کی طرف بلانے والی ہوں (یعنی گفتار کے مبلغ نہ ہو بلکہ کردار کے مبلغ بنو)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا میں کئی دفعہ اپنے والد بزرگوار سے یہ الفاظ سنا کرتا تھا آپ فرماتے تھے کہ وہ شخص ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہے جس کی پرہیزگاری کا چرچا پردہ نشین عورتیں اپنے گھروں میں نہ کرتی ہوں اور فرمایا ہمارے دوستوں میں سے وہ شخص نہیں ہے جو دس ہزار کی آبادی والے شہر میں بستا ہو اور شہر کا کوئی آدمی اس سے زیادہ پرہیزگار ہو (پہلی روایت میں ایک لاکھ اور یہاں دس ہزار کا ذکر مثال کے لئے ہے) مولف

حضرت رسالتمآب نے فرمایا میری امت کے اکثر لوگوں کو پیٹ اور شرمگاہ جہنم کا ایندھن بنائیں گے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ پیٹ اور شرمگاہ کی پاکیزگی سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہے

حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ زہد کا اعلیٰ درجہ ورع کا پہلا درجہ ہے اور ورع کا اعلیٰ درجہ یقین کا پہلا درجہ ہے اور یقین کا اعلیٰ درجہ رضا کی پہلی منزل ہے

آپ نے فرمایا زہد قرآن مجید کی آیت سے صاف ظاہر ہے اللہ فرماتا ہے لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا آتَاکُمْ ۔یعنی گذشتہ کا ارمان نہ کرنا اور آنے والی نعمت پر اترا نہ جانا (یہ زہد ہے)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب خداوند کریم کسی انسان پر احسان فرماتا ہے تو اس کو دنیا سے پرہیزگاری عطا فرماتا ہے اور اس کو دین میں فقہ دیتا ہے اور اس کو اپنے عیوب دکھا دیتا ہے اور جس کو یہ چیزیں عطا ہوں اس کو دین و دنیا کی بھلائی مل گئی۔

حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا اے انسان۔ تجھے اپنی ضروریات زندگی کے لئے کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا چاہیے تاکہ تیری بھوک ختم ہو اور شرمگاہ ڈھانپی جائے پھر اگر مکان رہنے کو مل جائے تو خوب اور اگر سواری بھی دستیاب ہو جائے تو بہت بہتر ورنہ پیٹ بھر لو اور پانی پیو ان کے علاوہ باقی تگ و دو کر کے اسباب دنیا کی فراوانی کا حساب دینا ہوگا یا اس کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ آپ نے فرمایا وہ تھوڑا رزق جو کفایت کرے بہتر ہے اس زیادہ سے جو لہو و لعب میں ڈال دے۔ آپ نے فرمایا دنیا کی زندگی موسم گرما میں دوپہر کے سائے کی مثل ہے کہ مسافر آیا اور کسی درخت کے سائے میں دوپہر کا قیلولہ کیا اور چلتا بنا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اللہ کے دیئے ہوئے تھوڑے سے رزق پر راضی ہو جائے خدا بھی بروز محشر اس کے تھوڑے سے عمل پر راضی ہو جائے گا۔ اور فرمایا جو شخص اللہ کے رزق پر قناعت کرے وہ لوگوں میں سے غنی ترین انسان ہے۔

حضرت رسالتمآبؐ اپنے صحابہ کو فرمایا کرتے تھے کہ موت کا ذکر زیادہ کیا کرو کہ یہ لذات کو توڑنے والی اور خواہشات کو ختم کرنے والی ہے۔

ابو بصیر بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اپنے وسواس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس بات کو یاد کیا کرو جب تیرے اعضاء قبر میں ٹوٹ جائیں گے۔ اور تیرے دوست تجھے ایک تاریک گڑھے میں دفن کر کے واپس پلٹ آئیں گے اور تیرے ناک کے

نتھنوں سے کیڑے نکل آئیں گے اور تیرے گوشت کو کیڑے کھائیں گے پس جب تم ان باتوں کو یاد کرو گے تو تجھے وسواس سے نجات مل جائے گی۔ ابو بصیر کہتا ہے کہ مجھے جب بھی کوئی دنیاوی غم لاحق ہوتا تھا تو میں یہی باتیں یاد کرتا تھا پس غم غلط ہو جاتا تھا۔

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا دنیا و آخرت کی بہترین عادات یہ ہیں اپنے ظالم سے درگذر کرنا۔ قطع رحمی کرنے والے سے بھی صلہ رحمی کرنا، برائی کرنے والے پر بھی احسان کرنا اور محروم کرنے والے کو عطا کرنا۔

صبر و ضبط

جہالت کا مقابلہ کرنے کے لئے اور افواج جہالت کو نیست و نابود کرنے کیلئے صبر و ضبط سے بڑھ کر کوئی دوسری صفت نہیں اور صبر تین مرحلوں میں تقسیم ہوتا ہے (۱) جس قدر مصائب و آلام آجائیں برداشت کرنا اور گھبرا نہ جانا (۲) نفس کی ابھری ہوئی خواہشات اور اس کے بپھرے ہوئے جذبات خواہ غصے کی صورت میں ہوں یا شہوت رانی کے رنگ میں ہوں یا کسی اور مقصد کی خاطر ہوں ان پر کنٹرول کرنا اور ضبط سے کام لینا۔ یعنی خدا و رسولؐ کی نافرمانی سے نفس کو کنٹرول میں رکھنا (۳) اللہ کی اطاعت پر نفس کو پابند کرنا اور پورے صبر و ضبط سے اس پر کاربند رہنا اگر ان تینوں مرحلوں میں انسان صبر و ضبط کا عادی ہو جائے تو افواج جہالت کے مقابلہ میں ہر مشکل کو بھی فتح کر لینا۔ اس کے لئے نہایت آسان ہوگا اسی بنا پر خداوند کریم کا ارشاد ہے إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ یعنی صابروں کو اجر بلا حساب دیا جائے گا۔

جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) مصیبت کے وقت صبر (۲) اطاعت پر صبر (۳) ارادہ گناہ کے وقت صبر۔ جو شخص مصیبت کے وقت صبر کرے اس کو تین سو درجے عطا ہوں گے کہ ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہوگا۔ جو شخص اطاعت پر صبر کرے۔ اس کو چھ سو درجے ملیں گے کہ ہر دو درجوں کا درمیانی فاصلہ تحت الثریٰ سے عرش علا تک ہوگا۔ جو شخص گناہ سے صبر کرے اس کو نو سو درجے دیئے جائیں گے کہ ہر دو کا

درمیانی فاصلہ مرکز زمین سے لے کر عرش تک ہوگا۔

- حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت بھی صبر کرنا بہتر اور خوبصورت ہے لیکن اللہ کی حرام کردہ اشیاء سے نفس کو روکنا اور صبر کرنا اس سے بھی بہت بہتر ہے۔ اسی طرح اللہ کا ذکر مصیبت کے وقت خوب ہے لیکن حرام چیز سامنے آجائے تو اس وقت صبر کرنا خوب تر ہے۔

- حضرت رسالتمآب نے فرمایا کہ مومن کے لئے چار قسم کی آزمائشیں ہیں اور سب سے سخت یہ ہے کہ اسی جیسا دوسرا مومن اس پر حسد کرے گا۔ دوسرا یہ کہ کوئی منافق اس کی تاڑ میں ہوگا۔ تیسری یہ کہ کوئی شیطان ہر وقت اس کو گمراہ کرنے کی سوچ رہا ہوگا اور چوتھی یہ کہ کوئی کافر ہر وقت اس سے برسرپیکار ہوگا اور اس کے لئے میدان جہاد تیار ہوگا۔

- حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا تمام معاملات میں صبر کی حیثیت ایسی ہے جس طرح باقی جسم کے لئے سر ہے پس جس طرح جسم سے سر کی جدائی جسم کی موت کی موجب ہے اسی طرح صبر کی جدائی باقی امور کے فساد کی علامت ہے۔

- آپ نے فرمایا کہ جو حوادث زمانہ کے مقابلہ کے لئے اپنے صبر کو تیار نہیں رکھتا وہ عاجز اور ناکام رہے گا۔

- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو مومن آزمائش کے وقت صبر کرلے اس کو ایک ہزار شہید کا ثواب ملے گا۔

- آپ نے فرمایا صبر اور مصیبت مومن کی طرف ایک دوسرے سے سبقت کرکے آتے ہیں پس جب مصیبت مومن پر آتی ہے تو وہ صابر ہوتا ہے۔ لیکن جب مصیبت کافر پر آئے تو وہ جزع فزع کرتا ہے۔

- ایک روایت میں میں نے دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے دعا مانگی کہ میں تیرے کسی نیک بندے کی زیارت کرنا چاہتا ہوں چنانچہ دعا قبول ہوئی اور آپ ایک خدا رسیدہ

وا اس کے پاس پہنچے اس کی ظاہری عبادت صرف واجبات کا ادا کرنا تھا اور حلال رزق کمانے
میں وقت خرچ کرتا تھا البتہ زبان شکرِ خدا سے خالی نہ تھی اور وہ مستجاب الدعوات اس طرح
تھا کہ بادل اس کے تابع فرمان تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ربوبیت میں عرض کی
اے پروردگار! میں نے تیرے اس نیک بندے میں کوئی خاص عبادت نہیں دیکھی لیکن تُو نے
اس کی شان بہت بلند کی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ خداوندکریم کی جانب سے وحی ہوئی۔
کہ اے موسیٰ۔ میں اس کی تین عادتوں سے بہت خوش ہوں ① میرے فیصلہ پر راضی ہے۔
② میری نعمتوں کا شاکر ہے ③ اور میری طرف سے پہنچنے والی ہر مصیبت پر صابر ہے۔
اور جس شخص میں یہ تین صفات ہوں میں اس کو دوست رکھتا ہوں۔ (روایت بہت لمبی تھی میں نے
اس کا اختصار قدرِ ضرورت پر اکتفا کیا ہے۔ چنانچہ حدیثِ قدسی میں ارشاد پروردگار ہے مَنۡ
لَمۡ یَرۡضَ بِقَضَائِیۡ وَلَمۡ یَصۡبِرۡ عَلٰی بَلَائِیۡ فَلۡیَعۡبُدۡ رَبًّا سِوَائِیۡ وَلۡیَخۡرُجۡ مِنۡ اَرۡضِیۡ
وَسَمَائِیۡ یعنی جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو اور میری آزمائشات پر صابر نہ ہو تو کسی اور
رب کی عبادت کرے اور میرے آسمان و زمین سے نکل جائے (تفسیر انوار النجف جلد۲ صفحہ ۵۶)

حضرت رسالتمآبؐ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ صابر کی تین علامتیں ہیں۔ اَنۡ لَا یَکۡسَلَ
وَ اَنۡ لَا یَضۡجَرَ وَ اَنۡ لَا یَشۡکُوۡا یعنی لوگوں کے حقوق کی ادائیگی سے سستی نہ کرے ورنہ حقوق
ضائع ہو جائیں گے اور تنگدلی محسوس نہ کرے کیونکہ ایسا کرنے سے شکرِ پروردگار ادا نہ ہو سکے گا
اور اللہ کا شکوہ نہ کرے کیونکہ یہ نافرمانی ہے۔

○ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ کامیابی صبر کرنے والے کے قدم چومتی ہے۔
خواہ دیر ہی کیوں نہ ہو جائے۔

○ آپ نے فرمایا جس کو صبر نجات نہیں دیتا اس کو جزع و فزع ہلاک و تباہ کر دیتی ہے

○ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے فلاں غلام اور اپنے اہل و عیال کے
معاملہ میں ایسا صبر کرتا ہوں کہ وہ ایلوے سے بھی تلخ تر ہوتا ہے لیکن جو شخص صبر کرے اس

کو عابد شب بیدار روزہ دار اور شہید کا درجہ ملتا ہے جس نے حضورؐ کے ہمراہ تلوار سے جہاد کیا ہو
فقہ رضوی سے منقول ہے مومن کی تین خصلتیں ہوتی ہیں۔ دین میں فقہ حاصل کرنا رزق میں اللہ کے فیصلہ پر راضی ہونا اور مصیبت پر صبر کرنا۔

● حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر آتے ہیں پھر ان سے کم درجہ والوں پر حسب مراتب مصائب آتے ہیں پس جس کا ایمان میں درجہ زیادہ ہوگا اس کا مصائب میں بھی حصہ زیادہ ہوگا۔ اور جس کا ایمان کمزور ہوگا اس کے مصائب بھی کم ہوں گے۔

● حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت میں ایک درجہ ہے جو جسمانی مصائب جھیلنے والوں کے لئے مخصوص ہے۔

● آپ نے فرمایا اہل حق جب سے ہیں سختیوں میں ہیں لیکن سختیوں کی مدت کم ہے۔ اور ان کے بعد عافیت کی مدت طویل ہے۔

● آپ نے فرمایا مومن اللہ کے نزدیک مقام قرب حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ جسمانی یا مالی آزمائشوں سے نہ گزرے۔

● آپ نے فرمایا کہ مومن پر متواتر چالیس دن نہیں گزرنے پاتے مگر یہ کہ وہ بطور تذکرہ کے کسی غم میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

● ایک شخص نے آپ کی طرف اپنے جسمانی دردوں کی شکایت کی کیونکہ وہ دائم المرض تھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مومن کو یہ معلوم ہوتا کہ ان مصائب و آلام کے بعد مجھے درجہ کیا ملے گا تو وہ خواہش کرتا کہ دنیا میں میرا جسم قینچیوں سے کترا جاتا اور میں صبر کرتا۔

بہرکیف مومن دنیا میں مصائب کا نشانہ بنا رہتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اَلدُّنیا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِر یعنی مومن کے لئے دنیا قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے ایک دفعہ ایک یہودی نے امام حسن علیہ السلام پر اعتراض کیا کہ میں دنیا میں بدحال ہوں اور آپ آسودہ حال ہیں تو گویا دنیا میرے لئے قید خانہ ہے اور آپ کے لئے

جنت ہے؛ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہیں جہنم کا وہ عذاب دکھایا جائے جو تیرے لئے آخرت میں تیار کیا گیا ہے تو تُو کہے گا کہ میں دنیا میں جنت میں تھا اور اب قید خانے میں پہنچا ہوں کیونکہ یہ تیری موجودہ بدحالی جہنم کے مقابلہ میں پھر بھی جنت ہے اور میرے لئے جو جنت میں انعامات ہیں اُن کے مقابلہ میں یہ دنیاوی زندگی ایک قید خانہ کی زندگی ہے۔

- مومن پر اپنوں کا حسد سب مصائب سے سخت ترین مصیبت ہے خداوند کریم ہمیں صبر و ضبط کی توفیق عطا فرمائے۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب صبر کی انتہا ہوتی ہے تو خدا مصائب کو ٹال دیتا ہے

خوش خلقی

حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا! خوش خلقی نصف دین ہے۔ (یعنی باقی تمام صفات ملکر نصف دین ہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی تمام اچھی عادات انسان میں ہوں لیکن وہ بداخلاق ہو تو ایسے شخص کا دین پھر بھی ادھورا ہے۔

- آپ نے فرمایا۔ بروز محشر میزانِ عدل کے پلڑے میں حُسن خلق سے بڑھ کر دوسری کوئی نیکی نہ ہوگی۔
- آپ نے فرمایا۔ میری امت کے لوگ زیادہ سے زیادہ تقویٰ اور حسن خلق کی بدولت ہی جنت میں جائیں گے۔
- آپ نے فرمایا۔ حسنِ خلق والے انسان کا درجہ عابد شب زندہ دار اور روزہ دار کے برابر ہوتا ہے۔
- آپ نے فرمایا۔ خوش خلقی کو لازمی طور پہ اختیار کرو کیونکہ اس نے یقیناً جنت میں جانا ہے اور بدخلقی نے یقیناً جہنم میں جانا ہے۔
- آپ نے فرمایا۔ بدخلقی اعمال کو اس طرح ضائع کرتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

○ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جس کا خلق بہت اچھا ہو۔

○ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس میں چار خصلتیں ہوں اس کا ایمان کامل ہے خواہ کیسا ہی خطا کار ہو۔ سچائی امانتداری حیاء اور خوش خلقی۔

○ آپ نے فرمایا فرائض ادا کرنے کے بعد خدا کے نزدیک خوش خلقی سے محبوب ترین عمل کوئی نہیں ہے۔

○ آپ نے فرمایا خیرات اور خوش خلقی ہی شہروں کی آبادی اور عمر کی زیادتی کے سبب ہوتے ہیں

○ آپ نے فرمایا کہ خوش خلقی دو طرح کی ہے ایک یہ کہ کسی انسان کی فطرت میں خوش خلقی داخل ہو اور اسے خوش خلقی میں کسی قسم کا تکلف محسوس نہ ہو۔

اور دوسری یہ کہ طبیعت میں خوش خلقی داخل نہیں لیکن خوشنودی خدا کی خاطر اپنے مزاج کے خلاف خوش خلقی کرتا ہے تو یہ اس سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا یہ خوش خلقی اگرچہ اللہ کے اولیاء کی صفت ہے لیکن بعض اوقات خداوند کریم اپنے دشمنوں کو بھی عاریتہ یہ صفت عطا فرماتا ہے تاکہ اس کی بدولت اللہ کے اولیاء ان کی حکومت میں زندہ رہ سکیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اللہ کے دوستوں کو قتل کرا دیتے۔

○ آپ نے فرمایا خوش خلقی یہ ہے کہ کلام میں نرمی ہو عادات میں ملائمت ہو اور اپنے بھائی سے ہشاش وبشاش چہرہ سے ملاقات ہو۔

○ آپ نے فرمایا بعض اوقات انسان عبادت میں کوتاہی کرتا ہے تو حسن خلق اس کمی کو پورا کر دیتا ہے کیونکہ خداوند کریم خوش اخلاق انسان کو شب زندہ دار عابد وصائم کا درجہ عطا فرما دیتا ہے۔

○ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کو خدا حسن خلق اور حسن صورت عطا کرتا ہے تو نہیں چاہتا کہ اس کے گوشت کو آتش جہنم کی خوراک بنا دے۔

○ آپ نے فرمایا مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو روپے خرچ کر کے غلام خرید تا اور پھر آزاد کرتا ہے وہ حسن خلق کے ذریعے سے آزادوں کو کیوں نہیں خرید لیتا ہے۔

○ حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ مومن ہمیشہ نرم مزاج اور خوش خلق ہوتا ہے۔ اور کافر سخت مزاج اور بد خلق ہوتا ہے۔

○ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان کی علامت فقہ ہے، فقہ کی علامت حلم ہے، حلم کی علامت نرم مزاجی ہے، نرم مزاجی کی نشانی رواداری ہے۔ اور رواداری کی علامت خوش خلقی ہے۔

عدل و انصاف: حضرت رسالتمآبؐ نے ایک خطبہ کے آخر میں سات قسم کے آدمیوں کے لئے فرمایا کہ ان کے لئے طوبیٰ ہے۔ (۱) جس کا خلق اچھا ہو (۲) جس کی طینت پاکیزہ ہو (۳) جس کا باطن پاکیزہ ہو (۴) جس کا ظاہر خوب ہو (۵) جو اپنے مال کی بچت مستحقین پر خرچ کرتا ہو (۶) جو اپنے زائد (بے فائدہ) اقوال کو اپنے اندر محفوظ رکھتا ہو (۷) اور جو لوگوں کو اپنے نفس و ذات سے بھی ازراہِ انصاف حق دیتا ہو۔

ایک شخص نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی جنگ کی طرف روانہ ہوتے وقت سواری کی باگ تھام کر روک لیا اور عرض کی کہ حضورؐ! مجھے کوئی ایسا عمل تعلیم فرمائیے جو داخلۂ جنت کا باعث ہو۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں سے جس قسم کے سلوک کا تو خواہش مند ہوتا ہے پس لوگوں سے خود اس قسم کا ہی سلوک کیا کرو اور سواری کا راستہ چھوڑ دو۔

آپ نے فرمایا جو شخص اپنے مال سے فقیر کی ہمدردی کرے اور اپنی ذات سے ازراہِ انصاف لوگوں کو ان کا حق دلوائے پس وہ سچ مچ مومن ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا جو شخص لوگوں کو اپنی ذات سے ازراہِ انصاف حق دلواتا ہے خدا اسکی عزت کو بڑھاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا چار خصلتوں سے جنت میں چار مکانات کی ضمانت

ملتی ہے ① راہِ خدا میں خرچ کرو اور تنگدستی کی فکر نہ کرو ② عالم میں سلام کو عام کرو۔ ③ جھگڑا نہ کرو اگرچہ تم حق بجانب ہی ہو ④ اپنی ذات سے لوگوں کو انصاف دلواؤ۔

آپ نے فرمایا تمام اعمال میں سے چوٹی کے عمل تین ہیں ① لوگوں کو اپنی ذات سے انصاف دلوانا یعنی جو کچھ تم اپنی ذات کے لئے چاہو لوگوں کے لئے بھی وہ کچھ چاہو ② اپنے مال میں سے اپنے بھائی کی ہمدردی کرو ③ اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرو اور یاد کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ زبان پر سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ کا ورد رکھو بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب بھی تمہارے سامنے کوئی کام آئے جس کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا تو کر گزرو اور جب ایسا کام سامنے آئے جس سے بچنے کا حکم ہے تو اللہ کو یاد کر کے اس سے رُک جاؤ۔

آپ نے فرمایا تین قسم کے لوگ بوقت حساب اللہ کے قریب تر ہوں گے ① وہ شخص جس نے قدرت وطاقت کے باوجود حالتِ غصہ میں اپنے ماتحت پر ظلم نہ کیا ہو (اور اس سے درگذر کیا ہو) ② وہ شخص جو دو آدمیوں کے درمیان ہو لیکن ان میں سے کسی ایک کی طرف ایک جو کے دانے کے برابر بھی جھکاؤ نہ کرے ③ وہ شخص جو حق بولے خواہ اس کا نتیجہ اس کی ذات کے خلاف ہو یا موافق ہو اور فرمایا کہ عدل وہ شیریں ترین پانی ہے جو پیاروں کے پینے کے قابل ہے۔

عدل کی تقسیم

یہ ملحوظ رہے کہ عدل والصاف کے تین مقامات ہیں۔ اپنے نفس کے ساتھ عدل۔ اپنے اللہ کے ساتھ عدل اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ عدل اپنے نفس کے ساتھ عدل یہ ہے کہ اس کو عاداتِ بد سے محفوظ کرے اور عاداتِ حسنہ کا عادی بنائے اور اللہ کے ساتھ عدل یہ ہے کہ اس کا شریک کسی کو نہ بنائے اور اس کے اوامر کی اطاعت کرے اور اس کی نواہی سے اپنے آپ کو روکے اور باقی مخلوق کے ساتھ عدل یہ ہے کہ ان کے حقوق کی بجا آوری میں کوتاہی نہ کرے۔

بہت مناسب ہے کہ ہر سہ مقامات کی مزید توضیح وتشریح کے لئے اس عالم ربانی

کی روایات کو پیش کیا جائے جس کے سامنے معلم اول وثانی درجہ بے مقدار کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے کلام بلاغت نظام سے کچھ اقتباس پیش کیا جائے۔ آپ اپنے نفس کے ساتھ عمل کے متعلق ایک خطبہ میں بیان فرماتے ہیں۔

"وہ شخص جو اپنے نفس پر عدل کو ضروری قرار دے اس کا پہلا عدل یہ ہے کہ اپنے نفس سے خواہشات کو دور کرے حق کو بیان کرے اور اس پر عمل بھی کرے خیر کی کسی غایت کو ترک نہ کرے اور اس کی کسی جائے توقع سے چشم پوشی نہ کرے پس ایسا شخص ہی تاریکیوں میں چراغ دھندلکوں میں بینا امور متشابہ و معضلہ کا فاتح اور طرق مشکلہ میں قائد ہو سکتا ہے بولے تو سچ ورنہ خاموشی میں اپنی بھلائی سمجھے پس اس نے اللہ کے لئے اخلاص کیا تو اللہ نے اس کو اپنے لئے خاص کر لیا ایسا شخص اللہ کے دین کی کان اور اس کی زمین میں ایک ٹھوس چٹان ہے"۔

اقول :- آپ نے نفسی خواہش کے کنٹرول کو نفس میں عدل کا پہلا زینہ اس لئے قرار دیا ہے کہ انسان تحصیل کمال اور نیل سعادت کے لئے اس کے بغیر قدم بڑھا ہی نہیں سکتا کیونکہ جب تک خواہش و شہوت کا بھوت سر پر سوار رہے گا تو وہ دلکش لباس اور اعلیٰ بود و باش کا متوالا ہوتے ہوئے سگ نما حرص آمیز چاپلوسی اور لومڑی کی سی مکاری و عیاری کی بدولت عیاشی و فحاشی کی ارزانی کے اسباب کی تحصیل میں وقت ضائع کرتا پھرے گا پس انسانی روپ میں خصائل حیوانی اور رذائل زندگی سے ہمکنار ہو کر طعام و آرام کی سہولتوں کو مطمح نگاہ قرار دے گا اور یہ واضح حقیقت ہے کہ انسان اپنی وضع انسانیت سے لاکھ دور بھاگے اور حیوانوں کی سی آوارگی کو اپنی انتہائی آزادی کا نام دے کر ہزار عیاشی و فحاشی کے طریقہ کو اپنائے وہ جسمانی لذات میں پھر بھی گدھے کتے اور بھیڑیئے کی سی آزادانہ لذات کا مقابلہ نہیں کر سکتا البتہ یہ بات ضروری ہے کہ انسان جس قدر اس قسم کی آوارگیوں میں آزادانہ طور پر آگے بڑھتا جائے گا اس قسم کے حیوانات سے زیادہ سے زیادہ مشابہت حاصل کرتا جائے گا۔ جن کی نقالی میں اس نے اپنی فطری آزادی کا راز مضمر سمجھ

کہ شرافتِ انسانیہ کے خلاف علم بغاوت اٹھایا ہے کیونکہ درندگی میں انسان بھیڑیے کی سی قساوتِ قلبی اپنے اندر نہیں لاسکتا اور جنسی لذات میں گدھے کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

بہر کیف نفس کو خواہشات میں جس قدر آزادی دی جائے اور جس قدر ہی بے مہار چھوڑا جائے اس کی اصلاح اتنی ہی مشکل تر ہوتی جائے گی ہم نے ابتداً بیان کیا ہے کہ انسان کتم عدم سے عرصہ وجود میں قدم رکھتے ہی خواہشاتِ نفس کا قیدی ہوتا ہے کیونکہ اس کے قوائے مادی میں ان پر تنقید کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ اب عقل کی آنکھ کھلنے کے بعد خواہش نفس کی قوت کا جوش تب ہی ٹوٹ سکتا ہے۔ جب اس کی مخالفت میں ریاضت کی جائے۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ یہ ایک کھیتی کی مثال ہے کہ زمین اگرچہ بذاتِ خود قابلِ کاشت اور زرخیز ہو تاہم کافی عرصہ تک بنجر رہنے کے بعد اس میں ہل چلانا ضروری ہوا کرتا ہے بس اسی طرح زمین نفس پر جب تک حرص و ہوس کے خلاف عقل کی قلبہ رانی نہ ہو آلاتِ عدل و انصاف سے اس کو ہموار نہ کیا جائے وہ حکمت و علم کی تخم ریزی کے قابل قطعاً نہیں ہو سکتی نہ آسمان رحمت سے اترنے والا پانی اس کو فائدہ دے سکتا ہے اور نہ انسان منازلِ سعادت پر پہنچ سکتا ہے پس جو بھی مخالفت نفس پر قادر ہو گیا وہ سعادت کی بازی جیت گیا۔

"حقوق اللہ میں عدل کے متعلق آپ نے مالک اشتر کے عہد نامہ میں ارشاد فرمایا۔

اللہ سے تقویٰ کرو اس کی اطاعت کو ہر امر پر ترجیح دو اور ان فرائض و سُنن کو ادا کرو جو اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمائے کیونکہ اس کے بغیر سعادت ناممکن ہے اور ان کے انکار اور مخالفت میں بدبختی ہے اور دینِ خدا کی ہاتھ دل اور زبان سے نصرت کرو (آپ نے اپنے فرزند حضرت امام حسن علیہ السلام کے وصیت نامے میں تحریر فرمایا) اے فرزند میں تجھے اللہ کے تقویٰ اس کے امر کی اطاعت اس کے ذکر سے دل کی تعمیر اور اس کی توفیق سے تمسک کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ تیرے اور اللہ کے درمیان کے باہمی رشتہ سے اور کوئی رشتہ زیادہ پائیدار نہیں ہے

اگر اس کو تھامے رہو"

آپ نے حقوق الناس میں عدل کے سلسلے کو حضرت امام حسن علیہ السلام کے وصیت نامے

میں تحریر فرمایا۔

بیٹا۔ اپنے اور غیر کے درمیان اپنے نفس کو ہی میزان قرار دو پس غیر کے لئے وہی چیز پسند کرو جو تمہیں پسند ہو اور غیر کیلئے ایسی چیز ہرگز پسند نہ کرو جو خود تمہیں پسند نہ ہو جس طرح تمہیں اپنی ذات پر غیر کا ظلم پسند نہیں اسی طرح تم بھی غیر پر اپنا ظلم روا نہ رکھو جس طرح تم کو غیر سے احسان پسند ہے اسی طرح تم بھی غیر پر احسان کیا کرو اور جو چیز غیروں سے تمہیں بری لگتی ہے۔ اس کو اپنے نفس سے دور رکھو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا۔

صاحبانِ خیر یعنی نیک لوگوں سے قرب اختیار کرو۔ تاکہ تمہارا شمار بھی انہیں میں سے ہو اپنی مقبوضہ چیز کی حفاظت غیر کی مقبوضہ چیز کی طلب سے بہتر ہے یاس و ناامیدی کی تلخی لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔ پاکدامنی کے ساتھ کما کر کھانا اس دولت مندی سے بہتر ہے جو فجور کے ساتھ حاصل ہو کمزور پر ظلم کرنا بدترین ظلم ہے۔"

عدل کی فضیلت

عدل کا معنی ہے ہر شئ کو اس کے موزوں و مناسب مقام پر رکھنا اور صاحبانِ حقوق کے حقوق کی پاسداری کرنا۔

عدل مخلوق کے درمیان اللہ کا قائم کردہ میزان ہے اور عدل ہی سے آسمان و زمین قائم ہیں عقلی احکام میں وجوب عدل سے واضح تر کوئی حکم نہیں کیونکہ کوئی مذہب و ملت اس کے وجوب کا حکم دے یا نہ دے۔ عقل خود غیر متزلزل انداز میں وجوب عدل حسنِ احسان، حرمت ظلم اور قبیح عدوان کا فیصلہ کرتی ہے۔ بے شک عدل تمدنِ انسانی کی روح انسانیت

کی زندگی اور زہرِ ہلاکت کا تریاق ہے۔

عدل شموسِ رحمت کا مطلع اور عیونِ حکمت کا منبع ہے۔ عدل ملک و سلطنت کی بقا کا ذریعہ ہے، عدل شرافت و کرامت کا وسیلہ ہے، عدل بیت و حرم کعبہ و امم اور فوج و علم کا پاسبان ہے نیز امور میں دیانت، رعایا کی رعایت اور فوج و سپاہ کی ہیبت کا نگران ہے، عدل مظلوم کا دادرس، محروم کا دستگیر شمس معرفت کا مطلع اور نیر علم و عرفان کے لئے مشرق ہے، عدل ملک کی آبادی اور خلقِ خدا کیلئے امن کا کفیل ہے، عدل شوکت و قوت، جہاد و سطوت، رافت و مروّت اور صدق و فتوت کا نشان ہے، عدل باران رحمت کا بادل اور بلندی عظمت کا مینار ہے، عدل ہلاکت سے نجات کا تعویذ، تنہائیوں میں ساتھی اور تاریکیوں میں محافظ و انیس ہے، عدل سلامتی کی سیڑھی اور کرامت کا معراج ہے بخلاف اس کے ظلم و عدوان یاس و ناامیدی کی گھٹا ٹوپ تاریکی ہے۔ عدل کمزور حکومتوں کی قوت ضعیف قوموں کی طاقت، گمنام ممالک کی شہرت، متفرق جماعتوں کی باہمی الفت، خوفزدہ فرقوں کی ہیبت، نادار اقوام کی ثروت و دولت، ذلیل لوگوں کی عزت، پس ماندہ قوموں کی علمی خلعت اور وحشی قوموں کی تمدنی مانوسیت کا واحد ذریعہ ہے اور اس کے مقابلہ میں ظلم ہر قوم کے لئے (خصوصاً مسلمانوں کے لئے) عزت کے بعد ذلت اور عظمت کے بعد خفت کا موجب بنتا رہا ہے، بخدا میرے قلم میں جرأت نہیں کہ ظلم کے نتائج بد کا شمار کر سکوں اس وطن پاک اور دوسرے ہمسایہ و بعید ممالک پر ظلم کی بدولت کیا کیا گذری اور حق و صداقت کے علمبردار لوگوں نے کیا کیا مصائب جھیلے یہ ایک لمبی اور درد بھری داستان ہے۔

ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام نے جس دین متین کی بنیادیں اپنے سرہائے بریدہ اور مقدس خون سے مضبوط کی تھیں اس کے محکم قلعے کس طرح ظلم کا نشانہ بن کر منہدم ہوئے بس درد ہیں جن سے دل کراہ رہا ہے اور آنسو ہیں جو آنکھوں میں چھلک رہے ہیں۔ ماں باپ کا تو موت کا منظر پیش کرتی ہے لیکن امید ہی زندگی کا سہارا بنتی ہے بے شک ایک وقت

آئے گا، جب حق کا بول بالا ہوگا اور باطل کا منہ کالا ہوگا، عدل کی بساط بچھی ہوگی، عالم عادل تختِ عدالت پر جلوہ گر ہوگا، دنیا عدل و انصاف کا گہوارہ ہوگی اور انسانیت امن وسکون کا سانس لے رہی ہوگی۔ ظلم و عدوان کا تختہ اُلٹ دیا جائیگا اور ظالم و سرکش انسان نما درندے موت کے پردوں میں روپوش ہو جائیں گے۔ ہاں ہاں حضرت رسالتمآب کا آخری وصی اور آسمان ولایت کا آخری نیر اعظم اُفق عدل سے طلوع کرے گا اور اس کے طلوع کے ساتھ ساتھ ظلم افق مغرب میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو جائے گا اور خداوند کریم کے فرمان اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ یعنی میری زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ کی تاویل پوری ہوگی۔ جس کے متعلق ارشاد ہے کہ اس زمانہ میں کوئی عورت بھی اگر عراق سے ملک شام تک سفر کرنا چاہے گی اور عمدہ لباس و عمدہ زیورات سے مزین ہوگی پورے سفر میں آبادی ہی آبادی پر اس کا قدم آئے گا اور پورے راستے میں کوئی انسان نما درندہ اسے نہ چھیڑ سکے گا اور آمد مہدی کی حدیثوں میں صاف اعلان ہے کہ جب وہ آئیں گے تو زمین عدل و انصاف سے اس طرح پُر ہوگی جس طرح اس سے پہلے ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔ آہ کس قدر پُر درد ہے یہ منظر جس کو آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ اور کس قدر روح افزا اور دل کش ہے وہ فضا جس کو کان سُن رہے ہیں۔

مکارم اخلاق

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآب نے حضرت علی علیہ السلام کو چند وصیتیں فرمائیں (۱) سچ بولنا کہ تمہاری زبان کذب آشنا نہ ہو (۲) ورع (پرہیز گاری) کبھی تم سے خیانت نہ ہو (۳) اللہ کا خوف اس طرح رکھو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو (۴) خوف خدا سے گریہ کیونکہ ایک ایک آنسو کے بدلہ میں جنت کا گھر ملے گا (۵) اپنے دین کی حفاظت کے لئے مال و جان کی قربانی سے گریز نہ کرنا (۶) نماز روزہ اور صدقہ میں میری سنت کو نہ چھوڑنا نماز پچاس رکعت ہے اور ہر ماہ میں تین دن کے روزے پہلا خمیس درمیانہ بدھ اور آخری خمیس اور صدقہ اتنا دو کہ لوگ کہیں فضول خرچی ہے

حالانکہ یہ فضول خرچی نہیں ہے ⑦ نماز شب کو نہ چھوڑنا، نماز شب کو نہ چھوڑنا، نماز شب کو نہ چھوڑنا ⑧ ہر حالت میں قرأت کو جاری رکھنا ⑨ نماز میں ہاتھوں کا (قنوت یا تکبیر کے لئے) بلند کرنا ⑩ ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ⑪ خوش خلقی کو لازم اختیار کرنا ⑫ بد اخلاقی سے گریز کرنا اگر ایسا نہیں کروگے تو پھر اپنے نفس کو ہی ملامت کرنا۔

تشریح

آپ نے نماز پچاس رکعت بیان فرمائی حالانکہ دوسری روایات میں علامات مومن کو بیان کرتے ہوئے معصومین نے نماز کی کل رکعات اکاون بتائیں۔ غالباً اس حدیث میں نافلۂ وتیرہ کو ترک کیا گیا ہے یعنی جو نماز عشاء کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھی جاتی ہے تفصیل اس کی یہ ہے۔ فرض رکعات کل سترہ ہیں۔ دو صبح کے لئے، چار ظہر اور چار عصر کے لئے تین مغرب اور چار عشاء کے لئے یہ کل سترہ رکعات ہیں جن کا ادا کرنا اپنے اوقات پر فرض ہے اور جن کا ترک کرنا سخت گناہ ہے اور ان کے علاوہ شب و روز میں مقرر کردہ نافلہ کی تعداد متذکرہ بالا روایت میں تینتیس ۳۳ بتائی گئی ہے۔ دو رکعت صبح کے لئے، آٹھ رکعت ظہر کے لئے اور آٹھ عصر کے لئے چار مغرب کے لئے اور گیارہ رکعت نماز شب ہے یہ کل ۳۳ بنتی ہیں اس کے بعد نماز شب کا الگ بھی ذکر فرمایا اور تین مرتبہ تاکیداً فرمایا اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو خطاب کر کے وصیت کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ یہ اوصاف حضرت علیؑ میں نہ تھے اور آپ ان کو سمجھانا چاہتے تھے بلکہ امت کو تبلیغ کرنا مقصود تھا اور خطاب حضرت علی کو کیا گیا جس طرح قرآن مجید میں نصیحتیں امت کے لئے ہیں اور خطاب حضرت پیغمبر سے کیا گیا ہے۔

دوسری روایت میں ہے آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا مکارم اخلاق میں سے تین باتیں ہیں ① اپنے ظلم کرنے والے سے درگذر کرنا ② قطع رحمی کرنے والے سے صلۂ رحمی کرنا۔ ③ اور جو تم سے جہالت برتے اس سے بھی حلم کا برتاؤ کرنا۔

ایک مرتبہ امام حسن علیہ السلام نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ میرا ایک بھائی تھا جو مجھے بہت ہی پیارا تھا اور اس میں یہ اوصاف تھے ① دنیا کو حقیر سمجھتا تھا ② اپنے شکم کی حکمرانی

سے باہر تھا نہ ملنے والی شئی کی خواہش نہیں کرتا تھا اور مل جاتی تو ضرورت سے تجاوز نہ کرتا تھا
(۳) اپنی شرمگاہ کی حکومت سے باہر تھا پس نہ اس کی عقل میں ہلکا پن تھا اور نہ اس کی رائے کمزور تھی (۴) جہالت کی بالادستی سے باہر تھا ہاتھ نہ بڑھاتا مگر اس طرف کہ جہاں سے اس کو نفع کی اُمید ہوتی تھی۔ (۵) خواہشات کی اس میں زیادتی نہ تھی (۶) غصہ اس کے پاس نہ تھا (۷) کوفت و تھکان محسوس نہ کرتا تھا (۸) عموماً خاموش رہتا تھا اور جب بولتا تھا تو باتی بولنے والوں پر غالب رہتا تھا (۹) جھگڑا نہیں کرتا تھا (۱۰) کسی دعویٰ میں شریک نہیں ہوتا تھا (۱۱) قاضی کے بغیر کوئی حجت پیش نہیں کرتا تھا (۱۲) اپنے بھائیوں سے غفلت نہیں برتتا تھا (۱۳) اپنے منافع میں بھائیوں کو شریک کرتا تھا (۱۴) کمزور تھا اور کمزور سمجھا جاتا تھا لیکن جب کوئی موقعہ آتا تھا تو حملہ آور شیر معلوم ہوتا تھا (۱۵) اور کسی کو ملامت نہ کرتا تھا ایسے معاملہ میں جس کا عذر پیش کیا جا سکتا ہو اور عذر کو قبول کر لیتا تھا (۱۶) جو کہتا تھا کر گزرتا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ کرتا تھا۔ (۱۷) جب اس کے سامنے دو امر پیش ہوتے اور معلوم نہ ہو سکتا کہ کس کو اختیار کرنا چاہیئے تو اس امر کو اختیار کرتا تھا جس میں خواہش نفس کی زیادہ مخالفت کرنی پڑتی تھی (۱۸) اپنی تکلیف کی شکایت نہ کرتا تھا مگر ایسے لوگوں کے سامنے جن سے تندرستی کی امید ہو سکتی تھی۔ (۱۹) ایسے شخص سے مشورہ لیتا تھا جس سے خیر خواہی کی اُمید کی جا سکتی تھی (۲۰) طول طبع نہ تھا (۲۱) غصہ مزاج نہ تھا (۲۲) شکایت کا عادی نہ تھا (۲۳) شہوت کا دلدادہ نہ تھا (۲۴) انتقام نہ لیتا تھا (۲۵) اور دشمن سے غافل بھی نہ رہتا تھا۔

پس اے مومنین تم کو ایسے اخلاق کریمانہ اپنے اندر پیدا کرنے چاہئیں اگر ان میں سے سب کی طاقت نہ ہو تو جس قدر ہو سکے اختیار کر لو کیونکہ سب کے چھوڑ دینے سے کچھ نہ کچھ کا لے لینا بہتر ہے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مکارم اخلاق دس عدد بیان فرمایئے۔ یقین، قناعت، صبر، شکر، حلم، حسن خلق، سخاوت، غیرت، شجاعت، مروّت اور دوسری روایت میں

حلم کی جگہ رضا کو بیان کیا گیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا مکارم اخلاق دس ہیں اگر کر سکو تو اپنے اندر پیدا کرو کیونکہ یہ صفات بعض اوقات باپ میں ہوتی ہیں اور بیٹا محروم ہوتا ہے اور بعض اوقات بیٹے میں ہوتی ہیں اور باپ ان سے خالی ہوتا ہے اور اسی طرح بعض اوقات غلام میں ہوتی ہیں اور آزاد ان سے خالی ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں (۱) جوانمردی (۲) سچائی (۳) امانتداری (۴) صلہ رحمی (۵) مہمان نوازی (۶) سائل کو دینا (۷) نیکی کرنے والے کا بدلہ۔ (۸) اپنے ہمسایہ کے لئے تذمم (۹) ساتھی کے لئے تذمم (۱۰) اور ان سب سے افضل حیا ہے (تذمم کا معنی کیا گیا ہے کہ ہمسایہ یا ساتھی پر ظلم ہو رہا ہو اور اس کو قدرت حاصل ہو تو ان سے ظالم کے ظلم کو دُور کرنے میں کوتاہی نہ کرے)

فقہ رضوی سے منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ تجھے چار کلمات میں عطا کرتا ہوں۔ ایک صرف میرے ساتھ مخصوص ہے دوسرا تیرے لئے ہے اور تیسرا میرے اور تیرے درمیان ہے اور چوتھا تیرے اور باقی لوگوں کے درمیان ہے (۱) جو میرے لئے مخصوص ہے وہ یہ کہ میرے ساتھ خالص ایمان رکھو اور کسی کو میرا شریک نہ بناؤ (۲) جو تیرے لئے مخصوص ہے وہ یہ کہ میں تجھے جزا اس وقت دوں گا جب تو اس کا نہایت حاجتمند ہوگا۔ (۳) جو میرے اور تیرے درمیان ہے وہ یہ کہ تیرا کام ہے دُعا مانگنا اور میرا کام ہے عطا کرنا (۴) اور چوتھی چیز جو تیرے اور باقی لوگوں کیلئے ہے وہ چیز پسند کرو جو تمہیں اپنے لئے پسند ہو اور لوگوں کے لئے وہ چیز قطعاً پسند نہ کرو جو تمہیں اپنے لئے پسند نہ ہو۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ انسان کی زینت کیا کیا چیزیں ہیں تو آپ نے فرمایا (۱) وقار انسان کی زینت ہے بشرطیکہ اس میں لوگوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کرنا نہ ہو (۲) سخاوت زینت ہے جبکہ بدلہ لینے کی نیت نہ ہو (۳) دنیا کی صلاح کے علاوہ کوئی دوسرا شغل اختیار کرے (یعنی جس میں دین کی بھلائی کا راز مضمر ہو)

تنبیہ

صفاتِ مذمومہ کے اصول جو گذشتہ صفحات میں درج کئے جا چکے ہیں۔ غضب شہوت حرص اور حسد۔ یہ جسمانی اعضاء کے لوازم میں داخل ہیں۔ کیونکہ انسان کا جسم عناصر اربعہ سے مرکب ہے اور ہر عنصر کی الگ الگ خاصیت ہے پس غضب صفراوی مزاج اور عنصر ناری کی پیداوار ہے۔ شہوت بلغمی مزاج اور عنصر آبی کی پیداوار ہے، حرص، دموی مزاج اور عنصر ہوا کی پیداوار ہے اور حسد سوداوی مزاج اور عنصر تراب کی پیداوار ہے اور باقی اوصاف رذیلہ کی بازگشت انہی کی طرف ہے پس صفات پر کنٹرول کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مزاج انسانی میں افراط و تفریط کو روکا جائے اور روحانی طور پر آلِ محمدؐ کے فرامین کے ذریعے سے بھی ان قوتوں کی حدت اور سختی کو نرم اور رُو باصلاح کیا جائے۔ خداوند کریم تمام مومنین کو توفیق خیر مرحمت فرمائے۔

اور اس میں شک نہیں کہ صفاتِ بد کا ختم ہو جانا یا کنٹرول میں آ کر اعتدال قبول کر لینے کے ساتھ ہی صفاتِ حسنہ ان کی جگہ لے لیا کرتی ہیں کیونکہ ان کو کہیں باہر سے نہیں لانا پڑتا۔ پس صفاتِ حسنہ اور اخلاق حمیدہ کے اپنے اندر پیدا کرنے کا مقصد صفاتِ بد کا ختم کرنا ہے۔

اعضاء و جوارح کے فرائض

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت محمد حنفیہ کو فرمایا۔ اے فرزند ایسی بات مت کہو جس کا تمہیں علم نہ ہو بلکہ جن باتوں کا علم ہو وہ بھی سب کی سب بیان نہ کرو کیونکہ اللہ نے تمہارے اعضاء و جوارح پر کچھ فرائض عائد کئے ہیں جن کی بروز محشر وہ بازپرس کرے گا کیونکہ اللہ نے ان کو بے کار نہیں بنایا چنانچہ فرماتا ہے۔ ایسی چیز مت بیان کرو جس کا تمہیں علم نہ ہو کیونکہ آنکھ کان اور دل سب سے بازپرس ہوگی دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے اور منہ سے ایسی بات کہتے ہو جس کا تم کو علم نہیں ہوتا اور تم اسے معمولی سمجھتے ہو حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ غیر معمولی اور عظیم ہوتی ہے اور فرمایا۔ اے ایمان والو! رکوع کرو سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام بجا لاؤ تاکہ تم فلاح پاؤ پس یہ فریضہ جامعہ ہے جو تمام اعضاء پر واجب

ہے اور فرماتا ہے کہ مساجد اللہ کے لئے ہیں پس اللہ کے علاوہ کسی کو نہ پکارو (اس کا شریک قرار دیکر) اس جگہ مساجد سے مراد وہ سات اعضا ہیں جو سجدہ میں زمین کو مس کرتے ہیں۔ پیشانی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں دونو گھٹنے اور دونو پاؤں کے انگوٹھے۔ ایک مقام پر فرماتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو تمہارے کان اور آنکھیں اور تمہارے چمڑے خود گواہی دیں گے۔ اس جگہ چمڑے سے مراد شرمگاہ ہے پس اللہ نے ہر عضو پر اس کی مناسبت سے ایک فرض رکھا ہے جس پر اس نے نص فرمائی ہے **کان** پر اس نے فرض کیا ہے کہ گناہ کی بات نہ سنیں چنانچہ فرماتا ہے کہ جب سنو کہ اللہ کی آیات کا کفر کیا جارہا ہے اور اس کے ساتھ تمخول کیا جارہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو یہانتک کہ وہ کسی اور بات کو موضوع بنالیں ورنہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ جب دیکھو کہ آیاتِ قرآنیہ کے ساتھ لوگ مذاق کر رہے ہیں۔ تو اُن سے روگردانی کرلو یہاں تک کہ وہ دوسری کسی بات میں مشغول ہو جائیں اور فرماتا ہے کہ اگر بھول جاؤ اور خیال نہ رہے تو جب بھی یاد آجائے ظالم لوگوں کے پاس بیٹھنا ترک کر دو چنانچہ فرماتا ہے کہ میرے ان بندوں کو خوشخبری سناؤ جو بات کو سنتے ہیں اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں ایسے لوگ ہدایت یافتہ ہوا کرتے ہیں اور یہی لوگ ہی عقلمند ہیں اور فرمایا کہ یہ لوگ جن لہو و لعب کی مجالس کے پاس سے گزرتے ہیں تو شریفانہ طریقے سے گزر جاتے ہیں۔ بہر کیف یہ چیز کانوں پر فرض ہے **آنکھ** کا فریضہ یہ ہے کہ حرام کی طرف نہ دیکھے چنانچہ فرماتا ہے مومنین سے کہہ دو کہ اپنی آنکھوں کو حرام سے محفوظ رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ **زبان** پر اُس نے فرض عائد کیا ہے کہ دل کے عقیدہ کو بیان کرے فرماتا ہے کہ کہو ہم ایمان لائے دوسری جگہ فرماتا ہے کہ لوگوں کے پاس اچھی بات کہو گویا زبان کا فرض ہے کہ عقیدۂ صحیحہ کا اقرار کرے اور لوگوں کو نیک باتوں کی تلقین کرے گویا بے ہودہ گوئی سے بچے **دل** جو تمام اعضاء کا رئیس ہے اس کا فرض ہے کہ فہم و فراست اور عقل و تدبر کے ساتھ کسی کام کے کرنے یا کرنے کا فیصلہ کرے اور فرماتا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی اللہ کے ذکر سے ہی دل مطمئن

ہوتے ہیں اور فرماتا ہے کہ تم دل کی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ اس کا حساب لے گا پس جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے ہاتھوں کا فریضہ ہے کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی طرف نہ بڑھیں پاؤں کا فریضہ ہے کہ اللہ کے فرائض کی بجاآوری کی طرف حرکت کریں۔ اور متکبرانہ چال نہ اختیار کریں چنانچہ فرماتا ہے کہ زمین پر اکڑ کر نہ چلو کیونکہ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ بلندی میں پہاڑوں کا مقابلہ کر سکتے ہو اور ارشاد فرماتا ہے (بروز محشر) ہم زبانوں پر مہر لگا دیں گے اور ہمارے ساتھ ان کے ہاتھ پاؤں کلام کریں گے اور ایسے امور کی شہادت فراہم کریں گے جو دنیا میں وہ کر چکے تھے۔

پس اے فرزند گرامی! ان اعضاء کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کرو اور ان کے ذریعے سے اس کی رضامندی حاصل کرو اور ایسا نہ ہو کہ خدا تمہیں کسی گناہ کا ارتکاب کرتے دیکھے اور نیکیوں سے غائب پائے ورنہ خسارہ میں رہو گے۔ تمہارے اوپر لازم ہے کہ قرأت قرآن کو جاری رکھو اور اس پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرو پس اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کرو اور شب و روز اس کی تلاوت سے غفلت نہ کرو یہ مخلوق کی جانب اللہ کا ایک عہد ہے اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے عہد کی ہر روز تجدید کرے اگرچہ کم از کم پچاس آیتیں ہی روزانہ پڑھ لے اور یاد رکھو کہ جنت کے درجات قرآنی آیات کے مطابق ہیں پس بروز محشر قاری قرآن کو حکم ہوگا کہ قرآن مجید کی آیات کو پڑھتا جا اور مدارج جنت میں آگے بڑھتا جا پس نبیوں اور صدیقوں کے بعد جنت میں قاری قرآن کے درجے سے بلندی کا درجہ نہ ہوگا پس زبان کا صدقہ جاریہ ہوگا کہ اگر کسی انسان کو ہدایت کا درس دے تو جس قدر لوگ اس کی ہدایت پر عمل کریں گے ان سب کے اعمال کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں درج کیا جائے گا اور ان کے ثواب میں بھی کمی نہ ہوگی اور اس کے برخلاف اگر کسی کو گمراہی کے رستہ پر لگایا تو ان تمام لوگوں کے گناہوں کا عذاب بھی اس کو دیا جائیگا۔ جنہوں نے اس کی بتائی ہوئی برائی کا ارتکاب کیا تھا اور ان کے عذاب میں بھی کمی نہ ہوگی اسی طرح اپنے اعمال میں سے اگر کوئی شخص نیک طریقہ چھوڑ

جائے تو تمام عمل کرنے والوں کا اس کو اجر ملے گا اور اگر بری عادت چھوڑ جائے تو ان تمام کا وبال بھی اس پر ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس قسم کی روایات کافی منقول ہیں اور مجالس صدوق سے منقول ہے کہ چھ قسم کے اعمال کا مومن کو مرنے کے بعد بھی ثواب ملتا رہے گا (۱) نیک اولاد ہو جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے استغفار کرے (۲) قرآن مجید چھوڑ کر مرے جس کی بعد میں تلاوت کی جاتی رہے (۳) کوئی کنواں کھودے جس سے آنے جانے والے راہ گیر مسافر پیاسے پانی پئیں (۴) کوئی ایسا درخت لگائے جس کا پھل اس کے مرنے کے بعد لوگ کھاتے رہیں۔ (۵) کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ کر مرے (۶) نیک سنت چھوڑ کر مرے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ اس کے طریقے پر چل کر خوشنودی خدا حاصل کرتے رہیں

صدقہ جاریہ کے افراد میں سے معصوم نے چند چیزوں کو بطور مثال کے پیش فرمایا ہے جو حاضرین مجلس کے مزاج کے موافق تھیں۔ دورِ حاضر میں جو صدقہ جاریہ سب سے اہم ہے وہ مدارس دینیہ کا قیام ہے کیونکہ جب تک وہ مدرسے قائم رہیں گے اور ان میں مومنین کی اولاد پڑھتی رہے گی یا جس قدر نفوس انسانیہ اس سے فیض پاتے رہیں گے ان سب کا ثواب ان لوگوں کے نامہ اعمال میں درج ہوتا رہے گا جو ان مدارس کے بانی یا محرک یا اس میں حسب حیثیت حصہ لینے والے ہوں گے۔ اسی طرح مساجد کی تعمیر کرنا یا امام کوٹ بنوانا بھی ایک بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے کہ جب تک اس میں نماز پڑھی جاتی رہے گی۔ یا مولا مظلوم کربلا کی عزاداری کا سلسلہ جاری رہیگا بانی اور معاونین کے اعمال میں نیکیاں درج ہوتی رہیں گی ایک حدیث میں گذر چکا ہے اگر کوئی عالم دین ایک ایسا ورقہ چھوڑ جائے جس میں علم درج ہو تو جب تک اس ورقہ سے استفادہ ہوتا رہے گا اس عالم کے نامہ اعمال میں نیکیاں بڑھتی رہیں گی پس عالم دین کے لئے سب سے بڑا صدقہ یہ ہے کہ ایسی کتابیں لکھے جن میں احیائے مذہب اور اقامۂ سنت نبوی کے علاوہ محمد و آل محمد علیہم السلام کے علوم و مآثر کی ترویج

آنے والی نسلیں ان سے استفادہ کر کے اپنے صحیح مذہب کو پہچانتے ہوئے معصومین کے اسوۂ حسنہ پر گامزن ہونے کی سعادت حاصل کریں اور دشمنانِ دین کے شکوک و شبہات کا جواب دینے کے قابل ہو سکیں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں مدارسِ دینیہ کے بنانے کی سعادت بخشی ایک مدرسہ دینیہ مقام جاڑا ضلع ڈیرہ اسمعیل خان میں ہے جس کا نام "باب النجف" ہے جس سے سینکڑوں طلبہ فیض یاب ہو چکے ہیں اور دوسرا مدرسہ دینیہ جو دریا خان میں ابھی قائم کیا ہے جس کا نام درس گاہِ امامیہ رکھا ہے خداوند کریم مومنین کو ان مدارس کی امداد کی توفیق عطا فرمائے اس کے علاوہ خدا نے تصنیف و تالیف کی سعادت بھی مرحمت فرمائی چنانچہ دیگر تصنیفات کے علاوہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر لکھ چکا ہوں اور مومنین ملک کے گوشہ گوشہ میں اس سے استفادہ کی سعادت حاصل کر رہے ہیں تفسیر کی کل چودہ جلدیں ہیں بعض جلدوں کا پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا ہے اور دوسرا چھپنے والا ہے تفسیر کا نام "انوار النجف فی اسرار المصحف" ہے خداوند کریم سے دعا ہے کہ میری اس تفسیر کو صدقہ جاریہ قرار دے اور اس کا ثواب میرے والدین کی روحوں کو پہنچائے جن کی ہمت پیہم اور پُرخلوص دعاؤں سے میں اس منزل کو پہنچا ہوں۔

صلہ رحمی

یعنی اپنے قریبیوں اور رشتہ داروں سے احسان کرنا حضرت رسالتمآب نے فرمایا۔ جو شخص اپنے کسی بھی رشتہ دار کی طرف جائے تاکہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے تو خدا اس کو ایک سو شہید کا اجر عطا فرمائے گا اور اس کے ہر قدم کے ساتھ چالیس ہزار نیکیاں درج ہوں گی اور چالیس ہزار برائیاں مٹائی جائیں گی اور چالیس ہزار درجے اس کے بلند ہوں گے اور وہ ایسا ہے گویا اس نے اللہ کی پورے خلوص کے ساتھ عبادت کی ہو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا صلہ رحمی سے اموال میں ترقی اور اعمال میں تزکیہ ہوتا ہے مصائب دور حساب آسان اور عمر زیادہ ہوتی ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ رزق زیادہ اور خاندان میں محبوبیت بڑھتی ہے پس اللہ سے ڈرو اور صلہ رحمی کرو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا صلہ رحمی سے خلق اچھا ہاتھ میں سخاوت

نفس میں پاکیزگی رزق میں زیادتی اور عمر لمبی ہوتی ہے آپ نے میسر نامی ایک شخص سے پوچھا کہ کیا تو اپنے باپ کے رشتہ داروں سے بھلائی کرتا ہے تو اس نے عرض کی کہ میں بازار میں مزدوری کرتا تھا اور دو درہم میری روزانہ آمدنی تھی تو میں ایک درہم اپنی پھوپھی کو اور ایک اپنی خالہ کو دے دیا کرتا تھا آپ نے فرمایا خدا کی قسم دو دفعہ تیرے اوپر موت نے حملہ کیا لیکن تیرے اس کار خیر سے وہ پیچھے ہٹ گئی

مہمان نوازی

مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسالتمآبؐ نے اولاد عبدالمطلب کو جمع کیا اور فرمایا اے اولاد عبدالمطلب مہمانوں کو کھانا کھلاؤ۔ کلام پاکیزہ کرو، سلام کو عام کرو، صلہ رحمی کرو اور اللہ کا سجدہ کرو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں تو بے شک سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ایک مسلمان کو کھانا کھلانا دس ہزار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔
- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ایک بھوکے مومن کو جس نے کھانا کھلایا اس پر جنت واجب ہے۔
- حضرت رسالتمآبؐ مہمانوں کو ٹھیرانا بہت پسند فرماتے تھے کہ مہمان نوازی کرنا نیک مومن کا کام ہے۔
- اور آپ نے فرمایا جب کوئی مہمان کسی کے ہاں جاتا ہے وہ اپنا رزق ساتھ لے جاتا ہے
- آپ نے فرمایا جب دسترخوان پر خاندان والے مل بیٹھتے ہیں تو بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ پڑھ لیں تو دسترخوان سے اٹھتے ہی ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔
- آپ نے ابوذر سے فرمایا کہ مومن کے ساتھ دوستانہ رکھو اور تیرے گھر کھانا وہی کھائے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو تم خود بھی فاسقوں کے ہاں کھانا مت کھاؤ پس ایسے شخص کو کھانا کھلاؤ جس کو اللہ کے لئے محبوب رکھتے ہو اور ایسے شخص سے کھاؤ جو تمہیں اللہ کے لئے محبوب سمجھے

● حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص مومن کو میٹھا لقمہ کھلائے خدا اس سے قیامت کی تلخی کو دُور کرے گا۔

● ایک مرتبہ امام حسین علیہ السلام مساکین کے پاس سے گزرے کہ وہ ایک چادر بچھا کر اُوپر روٹی کے ٹکڑے رکھے بیٹھے تھے انہوں نے آپ سے استدعا کی کہ اے فرزند رسولؐ آپ ہماری دعوت کو قبول فرمائیں چنانچہ آپ بیٹھ گئے اور فرمایا بے شک خدا تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اس کے بعد ان سے فرمایا کہ میں نے تمہاری دعوت کو قبول کیا ہے تو اب تم بھی میری دعوت کو قبول کرو اور میرے ساتھ چلو چنانچہ ان کو اپنے مہمان خانہ پر لائے اور گھر جا کر جناب رباب سے فرمایا کہ جو کھانا تیار ہے وہ لاؤ پس مہمانوں مسکینوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ نے تناول فرمایا۔

● حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا مہمان کا حق ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے اور فرمایا جو شخص خدا و رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے اس پر ضروری ہے کہ مومن کا اکرام کرے۔ آپ نے فرمایا جب مہمان آتا ہے تو آسمان سے اپنا رزق ساتھ لاتا ہے اور جب کھانا کھاتا ہے تو گھر والوں کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

● امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ مہمان دو دن ہوتا ہے اور تیسرے دن وہ گھر والوں میں شمار ہوتا ہے پس جو کچھ گھر میں پکے گا اس کو کھلایا جائے گا۔

روایت میں ہے جب کھانا شروع کرنا ہو تو سب سے پہلے میزبان ہاتھ دھوئے پھر اس کا دایاں آدمی اور اس طرح دُور چلتا جائے اور جب کھانا کھا چکیں تو پہلے میزبان ہاتھ دھوئے اور بائیں طرف دُور چلایا جائے اور حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک ہی برتن میں ہاتھ دھوئے جائیں اس سے اخلاق بڑھتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ میزبان کو آخر میں ہاتھ دھونے چاہئیں اور انہیں کھانا سب سے پہلے شروع کرنا چاہیے اور آخر میں ختم کرنا چاہیے۔

سلام و مصافحہ حسد و کدورت کے دُور کرنے اور باہمی رواداری و ملنساری کی فضا کو پیدا

کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے انسانیت کے بہی خواہوں نے سلام و مصافحہ کو حسن اخلاق کا
قرار دیا ہے چنانچہ ہر مذہب و ملت اور ہر قوم و فرقہ نے باہمی ملاقات کے جملہ آداب میں
سلام و مصافحہ کو اولی حیثیت دی ہے چنانچہ انگریزی عربی فارسی اور ہندی وغیرہ میں اس مفہوم
کو ادا کرنے کے لئے الگ الگ الفاظ و جُدا جُدا طریقے معرض وجود میں آئے ہیں اور قوموں نے
وہ بدل و جان اپنائے ہیں جو ان کا شعار ملی اور تہذیب قومی شمار کیا جاتا ہے۔ اسلام نے ابتدا
کرنے والے کے لئے سَلَامٌ عَلَیْکُمْ اور جواب دینے والے کے لئے عَلَیْکُمُ السَّلَام کے
لفظیں پیش کیں ہیں جن میں صلح و آشتی اور سکون و سلامتی کی نوید مسرت پائی جاتی ہے تکبر اور بڑائی
کے نشہ کو توڑنے کے لئے سلام کے آداب میں سے ہے کہ سلام میں پہل کی جائے چنانچہ کھڑا
ہوا بیٹھنے والے پر سلام کہے سوار پیدل پہ سلام کہے اور ایک شخص زیادہ پر سلام کرے اور
سلام دینا اگرچہ مستحب ہے لیکن اس کا جواب دینا واجب ہے پس سلام دینا مستحب کفائی
ہے اور اس کا جواب دینا واجب کفائی ہے یعنی ایک گروہ میں سے ایک آدمی کر دے تو
باقیوں سے استحباب یا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے چھوٹا بڑے کو سلام کہے گذرنے والا بیٹھے
ہوئے کو سلام کہے تھوڑے زیادہ کو سلام کہیں اور جو سب سے آخیر پہنچے وہ سب کو سلام کہے
سوار پیادہ کو سلام کہے خچر سوار گدھے سوار کو سلام کہے اور گھوڑے سوار خچر سوار کو سلام کہے
واحد جماعت کو سلام کہے اور قائم قاعد کو سلام کہے آپ نے فرمایا جب قوم کی طرف سے
ایک آدمی سلام کہے تو وہ سب کی طرف سے کافی ہے اور قوم میں سے جب ایک آدمی جواب
دے دے تو سب کی طرف سے کافی ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص امیر اور غریب کے سلام میں
فرق کرے وہ بروز محشر غضب پروردگار کا مستحق ہوگا اور آپ نے فرمایا کہ حضرت رسالتمآب
فرمایا کرتے تھے کہ میں تا زیست پانچ چیزوں کو ترک نہ کروں گا (۱) زمین پر بیٹھ کر مزدوروں

غلاموں کے ساتھ کھانا کھانا ② گدھے کی سواری کرنا ③ اپنے ہاتھ سے بکری کا دودھنا۔ ④ کھردرا اونی لباس پہننا ⑤ بچوں کو سلام کہنا اور یہ اس لئے تاکہ یہ چیزیں میرے بعد میں میری سنت بن جائیں اور دوسری روایت میں بکری کے دوہنے کے بجائے اپنے جوتے کی اصلاح کرنا مذکور ہے اور آپ سے عورتوں کو سلام کہنے کی روایت بھی منقول ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ حج و عمرہ کرکے آنے والوں کے سلام و مصافحہ میں جلدی کیا کرو قبل اس کے کہ وہ گناہوں میں ملوث ہوجائیں۔ آپ نے فرمایا کہ مقامی آدمی کے لئے سلام کے بعد مصافحہ کافی ہے لیکن سفر سے آنے والے مومن کا تحفہ سلام کے بعد اُسے گلے لگا کر ملنا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہود و نصاریٰ، آتش و شطرنج کھیلنے والے، بت ساز، بربط و طنبور بجانے والے اور گالی بکنے والے لوگوں پر سلام نہ کیا جائے۔ اسی طرح لغو گو شاعر، پاخانہ پھرنے والے اور شراب کے دسترخوان پر بیٹھنے والے پر سلام کہنا ممنوع ہے اور نمازی پر سلام کہنا نہ چاہیے لیکن اگر کوئی شخص نمازی پر سلام کہے تو جواب میں نمازی کو صرف وہی فقرہ کہنا چاہیے جو اس نے کہا ہے یعنی سلام علیکم کہے نہ کہ علیکم السلام۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

تمدن انسانی کی بقا و ارتقاء کا دارومدار اس پر ہے کہ ہر قوم و ملت میں ایسے افراد موجود ہوں جو افراد کے کردار کا نوٹس لیں اور افراط و تفریط کی روک تھام کے لئے مناسب اقدام کرکے توازن کو برقرار رکھنے کی سعادت حاصل کریں۔ پس معاشرہ کی برائیوں کو دور کرنے اور معاشرہ میں نیکیوں کی ترویج کرنے میں ان کا مثبت اقدام قوم و ملت کی فلاح کا ضامن ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اَلدَّالُ عَلَى الْفِعْلِ كَفَاعِلِهٖ یعنی کسی کام کی طرف رہبری کرنے والا ایسا ہے جس طرح کہ اس نے خود وہ کام کیا ہو۔ حضورؐ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اسلام میں بہترین عمل کونسا ہے تو آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان رکھنا اس نے عرض کی کہ اس کے بعد کونسی چیز ہے

تو آپ نے فرمایا کہ صلہ رحمی۔ اس نے عرض کی پھر کیا؟ آپ نے فرمایا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس نے عرض کہ بدترین عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا شرک۔ اس نے کہا پھر؟ آپ نے فرمایا قطع رحمی۔ اس نے کہا پھر؟ آپ نے فرمایا۔ برائیوں کا حکم دینا اور نیکیوں سے روکنا۔

حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جس شخص میں تین صفتوں میں سے ایک صفت بھی ہو وہ اس دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوگا جس دن کوئی دوسرا سایہ موجود نہ ہوگا اور ان تین صفتوں میں سے ایک صفت یہ ہے کہ جب کسی دوسرے مومن مسلمان کا عیب دیکھ کر بیان کرنے لگے تو پہلے اپنے عیب کو دُور کرے کیونکہ جب وہ اپنے عیب کو دُور کرے گا تو اُسے اپنے اندر ایک اور عیب نظر آجائے گا پس وہ اس کو بھی دُور کرے گا پھر تیسرا عیب نظر آئے گا اور اس کو بھی دُور کرنے کی کوشش کرے گا۔ حتیٰ کہ وہ شخص اپنے عیوب کے دُور کرنے میں مشغول ہو کر دوسروں کے عیب بھول جائے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جو شخص کسی جابر حکمران کے سامنے جائے اور اس کو خوف خدا اور تقویٰ کی نصیحت کرے تو اس کو جن و انس کے اجر کے برابر اجر ملے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پُوری اُمت پر واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں جب وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں پر واجب ہے جو طاقتور ہوں اور ان کی بات مانی جاتی ہو اور معروف و منکر کی پہچان بھی رکھتے ہوں۔ بخلاف اس کے جو شخص کمزور ہے یا جس کو خود معروف و منکر کی سمجھ نہیں اس سے یہ فریضہ ساقط ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ الآیہ یعنی تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے جو نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ گویا یہ فریضہ عام نہیں بلکہ ایک خاص گروہ کے لئے ہے اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ الآیہ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک گروہ تھا جو نیکیوں کی ہدایت کرتا تھا یعنی پُوری موسیٰ کی اُمت پر یہ فریضہ عائد نہ تھا بلکہ ایک مخصوص گروہ

کا یہ فریضہ تھا۔ الحدیث آپ سے پیغمبر کی اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا۔ اَفْضَلُ
الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ اِمَامٍ جَائِرٍ (یعنی حاکم ظالم کے سامنے کلمہ عدل کہنا بہت
بڑا جہاد ہے) کہ اس کا پھر کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے
یہ جان لے کہ آیا وہ نصیحت کو قبول کرے گا یا نہ؟ اگر یہ یقین پیدا ہو جائے کہ اس پر نصیحت
اثر انداز نہیں ہو سکتی تو ایسی صورت میں یہ فریضہ ساقط ہے آپ نے فرمایا امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر مومن کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرے یا جاہل کے لئے ہے جو درس سیکھے
لیکن وہ شخص جس کے پاس تازیانہ یا تلوار ہو (نصیحت کرنے والے کو جان کا خطرہ ہو) تو وہاں
یہ فریضہ ساقط ہے بلکہ آپ نے فرمایا (کہ ناسازگار حالات میں) اگر سلطان جائز کو اس نے
امر بالمعروف کے طریقہ پر وعظ کیا اور اس پر کوئی مصیبت بن گئی تو اس کو کوئی اجر نہ ملے گا
(کیونکہ اس نے خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے)

مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کہیں جا رہے تھے اور کسی شخص کو امر
بالمعروف کیا لیکن اس نے پرواہ نہ کی پس آپ نے سر جھکا لیا اور وہاں سے چل دیئے اور
فرمایا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص کسی زخمی آدمی کے زخم کا علاج
کر سکتا ہو اور علاج نہ کرے تو گویا اس کو زخمی کرنے کا مجرم ہے پھر آپ فرماتے تھے کہ دانائی
کی باتیں ایسے لوگوں سے نہ کہو جو اس کے اہل نہ ہوں ورنہ تم خود جاہل کہلاؤ گے اور علم کی باتوں
کا اہل سے بخل نہ کیا کرو ورنہ گنہگار ہو گے اور تمہیں طبیب ہونا چاہیئے کہ اگر دوا موثر ہو تو علاج
کرو ورنہ چھوڑ دو اور آپ نے فرمایا امر بالمعروف اور نہی المنکر واجب ہیں لیکن اس شخص
پر جو کر سکتا ہو اور اپنی اور ساتھیوں کی جان کا خطرہ نہ ہو ورنہ یہ فریضہ ساقط ہے۔

حضرت رسالتمآب سے ایک حدیث میں منقول ہے کہ خداوند کریم نے ایک قوم کو عذاب
کرنے کا ارادہ فرمایا اور جبرئیل کو حکم دیا تو جبرئیل نے عرض کی اے پروردگار ان میں سے
فلاں آدمی تو بالکل بے گناہ ہے پس ارشاد قدرت ہوا کہ اس کو بھی شامل عذاب کر دے کیونکہ

وہ ان بدکار لوگوں کو منع نہیں کرتا تھا حالانکہ میں نے اس کو منع کرنے کی طاقت و قدرت بھی دی تھی۔ پس آپ نے اپنی امت سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم ضرور اس فریضہ کو ادا کرو ورنہ عذاب خدا تم کو بھی شامل ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا جب تم کسی کو گناہ کرتے دیکھو تو اگر طاقت ہو تو زبردستی اس کو روک دو ورنہ صرف زبان سے نصیحت کرو اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر دل سے اس کو برا جانو۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اپنے ہاتھ یا زبان سے یا دل سے برائی کا انکار نہ کرے وہ زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر برائی کو دیکھو تو دل سے بے زاری اختیار کرو اور زبان سے نصیحت کرو اور اگر کر سکتے ہو تو اس شخص کے منہ پر تھپڑ مارو جو برائی کر رہا ہو۔

حضرت رسالتمآب نے فرمایا کہ جو شخص کسی برائی کے وقت موجود ہو اور اس کو ناپسند کرتا رہے تو وہ ایسے ہے جیسے کہ برائی سے وہ غائب ہے اور جو کسی برائی کے وقت غائب ہو لیکن اس پر راضی ہو تو وہ برائی میں گویا شریک اور حاضر ہے حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے ظلم کرنے والا ظلم پر راضی ہونے والا اور ظالم کی مدد کرنے والا تینوں برابر ہیں۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے جنگ جمل کے بعد ایک خطبے میں ارشاد فرمایا کہ اگر وہ لوگ صرف ایک مسلمان کو بھی ارادۃً قتل کرتے تو میرے لئے اس پورے لشکر کا قتل کرنا جائز تھا جبکہ انہوں نے نہ ان کو روکا اور نہ انکار کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قاتل کو قتل سے روک سکنے کے باوجود نہ روکنا ہے جیسا کہ وہ خود اس کے قتل میں شریک ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک کوفی سے فرمایا کہ تم امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کو دیکھتے رہتے ہو؟ تو اس نے عرض کی حضور! ان میں سے اب تو کوئی موجود نہیں ہے آپ نے فرمایا تو صرف انہی لوگوں کو قاتل سمجھتا ہے جو خود قتل کرے۔ حالانکہ خداوند کریم نے پیغمبر کے زمانہ کے یہودیوں کو سابق انبیاء کے قتل کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اور ان کی مذمت کی ہے اور یہ اس لئے کہ یہ لوگ اپنے اکابر کے فعل بد پر راضی تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب قائم آل محمد خروج فرمائیں گے تو قاتلان امام مظلوم کی ذریت سے بدلہ لیں گے راوی نے عرض کی وہ کام تو اُن کے باپ دادا نے کیا تھا پھر ان کو کیوں سزا دی جائے گی ؟ تو آپ نے فرمایا یہ چونکہ ان کے فعل بد پر راضی تھے اور ازراہِ فخر ان کے کارنامے بیان کرتے تھے اس لئے وہ بھی ان کے جرم میں شریک ہیں اور جو شخص کسی کے فعل پر راضی ہو وہ اس فعل کے کرنے والے کی طرح مجرم ہے حتاکہ اگر کوئی قتل مشرق میں ہو اور مغرب میں رہنے والا انسان اُس قتل پر راضی ہو تو وہ اس قتل کا مجرم ہوگا۔ آپ سے سوال کیا گیا۔ کہ حضرت نوحؑ علیہ السلام کی امت کو کیوں غرق کیا گیا حالانکہ ان میں بچے بھی تھے آپ نے فرمایا عذاب کے فیصلہ سے چالیس برس پہلے ان کی عورتوں کو بانجھ کر دیا گیا تھا لہٰذا ان کی نئی پود رک گئی۔ پھر ان کو غرق کیا گیا۔ مجرمین کو اس لئے کہ وہ حضرت نوحؑ کی تکذیب کرتے تھے اور باقیوں کو اس لئے کہ وہ تکذیب کرنے والوں کو روک سکنے کے باوجود روکتے نہیں تھے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ فرمایا کہ اہل معاصی سے ترش روئی کے ساتھ پیش آیا کرو یعنی ان کو محسوس ہو کہ تم ان کے فعل بد پر راضی نہیں ہو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم ہاتھ اور زبان سے برائی کو نہیں روک سکتے تو دل سے بیزاری اختیار کرلو اور اس شخص سے بائیکاٹ کرلو تاکہ وہ برائی سے باز آجائے خداوند کریم ہم سب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کی سعادت نصیب فرمائے

حقوق المومنین

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان مومن پر تیس ۳۰ حقوق واجب ہیں جن کو ادا کرنا ضروری ہے مگر یہ کہ وُہ معاف کر دے (۱) مومن کی لغزش پر پردہ ڈالنا اور اُسے معاف کر دینا (۲) مومن کی بہتی ہوئی آنسو پر رحم کرنا (۳) اس کی غلطی کو معاف کرنا (۴) اس کی غیبت کو رد کرنا (۵) اس کی خیر خواہی کرتے رہنا (۶) اس کی

دوستی کو برقرار رکھنا (۸) اس کے عہد کی رعایت کرنا (۸) اس کی بیمار پرسی کرنا (۹) اس کی نماز جنازہ میں حاضر ہونا (۱۰) اس کی دعوت کو قبول کرنا (۱۱) اس کے ہدیے کو قبول کرنا (۱۲) اس کو احسان کا بدلہ دینا (۱۳) اس کے احسان کا شکریہ ادا کرنا (۱۴) ضروری امور میں اس کی مدد کرنا (۱۵) اس کی ناموس کی حفاظت کرنا (۱۶) اس کی پیش آمدہ حاجت کو پورا کرنا (۱۷) اس کے سوال کی قدر کرنا (۱۸) اگر وہ چھینک دے تو اس کو رحم کی دعا کرنا یعنی کہے یرحمک اللہ (۱۹) اس کی گمشدہ چیز کو ڈھونڈنے میں حمایت کرنا (۲۰) اس کے سلام کا جواب دینا (۲۱) اس کے ساتھ بات پاکیزہ کرنا (۲۲) اس کے ساتھ نیکی کرنا (۲۳) اس کی قسم کی تصدیق کرنا (۲۴) اس کے دوست کو اپنا دوست سمجھنا اور اس کے ساتھ دشمنی نہ کرنا (۲۶/۲۵) ظالم و مظلوم ہونے میں اس کی مدد کرنا ظالم ہونے کی صورت میں مدد کا مقصد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے اور مظلوم ہونے کی صورت میں مدد کا مقصد یہ ہے ظالم کے ظلم کو اس سے روکے اور حتی الامکان اس کو اپنا حق دلوائے (۲۷) کسی مصیبت کے وقت اس کو چھوڑ نہ جائے (۲۸) اس کو رسوا نہ کرے (۲۹) جس خیر کو اپنے لئے پسند کرتا ہے اس کے لئے بھی وہی پسند کرے (۳۰) جس شر سے خود بچنا چاہتا ہے اس کو بھی اس سے بچائے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر ان حقوق میں سے کسی مومن نے اپنے مومن بھائی کی حق تلفی کی تو روز قیامت اس کا جوابدہ ہوگا اور اس کے خلاف فیصلہ سنایا جائیگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا جس شخص میں چھ خصلتیں ہوں وہ بروز محشر اللہ کی رحمت کے سامنے اور اصحاب الیمین میں سے ہوگا ان میں سے ایک یہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے عزیز ترین قریبیوں کے لئے پسند کرتا ہے اور دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے ایسی چیز پسند نہ کرے جو اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کے لئے پسند نہیں کرتا اور اس کے ساتھ خالص دوستی رکھتے۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے آخر میں فرمایا کہ جب وہ اس منزلت پر پہنچے گا تو اس کو اس کا پورا پورا احساس ہوگا پس وہ اس کی خوشی میں خوش ہوگا اور اس کی غمی میں شریک غم ہوگا پس اگر اس کے غم واندوہ

کو دور کرنے کا اس کے پاس کوئی علاج ہو گا تو کرے گا ورنہ اس کے حق میں دعائے خیر سے بخل نہ کرے گا۔

آپ نے فرمایا ایک مومن کے دوسرے مومن پر سات قسم کے حقوق واجب ہیں (۱) اس کی آنکھوں میں مومن کی عزت ہو (۲) دل میں اس کی محبت ہو (۳) مال میں اس کی ہمدردی ہو (۴) اس کی غیبت کو حرام سمجھے (۵) اس کی بیمار پرسی کرے (۶) اگر مر جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرے (۷) اور اس کے مرنے کے بعد اس کا ذکر خیر کرے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے مومن بھائی کی محبت پر بھروسہ کر کے اس کے حقوق کو ضائع نہ کرو کیونکہ وہ بھائی بھائی نہیں جو بھائی کی حق تلفی کرے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا مومن کا مومن پر حق یہ ہے (۱) بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلائے (۲) لباس نہ رکھتا ہو تو اس کی تن پوشی کا سامان کرے (۳) اگر وہ مصیبت زدہ ہو تو اس کی ہر ممکن امداد کرے (۴) اگر وہ مقروض ہو تو اس کے قرضے ادا کرے (۵) اور اگر مر جائے تو اس کی اولاد و عیال کی خبر گیری کرے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لئے آنکھ یا آئینہ یا دلیل کی حیثیت سے ہونا چاہیے کہ نہ اس سے خیانت کرے نہ اس کو دھوکا دے، نہ اس پر ظلم کرے نہ اس سے جھوٹ بولے اور نہ اس کی غیبت کرے۔

ایک حدیث میں ہے نہ اس کے ساتھ فریب کرے اور نہ اس کو محروم کرے اور ایک حدیث میں ہے نہ اس کے ساتھ وعدہ خلافی کرے آپ نے فرمایا کہ ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر بہت حقوق ہیں مثلاً یہ اس کے لئے جائز نہیں کہ خود شکم پر ہو کر کھائے اور میلوں میں اس کا بھائی بھوکا موجود ہو خود ٹھنڈے شربت پی رہا ہو اور پیاسا بھائی پانی کے لئے ترس رہا ہو اور خود لباس پہنے ہوئے ہو اور بھائی کی تن عریانی کا احساس نہ کرے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کم از کم

سات حقوق واجب ہیں

(۱) اس کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو اور اس کے لئے ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔

(۲) مومن کی ناراضگی سے بچو اور اس کی رضامندی حاصل کرو اور اس کا حکم مان لو۔

(۳) اپنی جان مال زبان ہاتھ اور پاؤں سے اس کی ہر ممکن مدد کرو

(۴) اس کے لئے آنکھ دلیل اور آئینہ بن کر رہو۔

(۵) ایسا نہ کرو کہ تم کھاؤ اور وہ بھوکا رہے تم پیئو اور وہ پیاسا رہے اور تم پہنو اور وہ برہنہ رہے

(۶) اگر تمہارے پاس خادم ہو اور اس کے پاس خادم نہ ہو تو تم پر واجب ہے کہ اپنے خادم کو بھیج دو تاکہ اس کے کپڑے دھوئے اس کے سامنے کھانا حاضر کرے اور اسکا بستر بھی بچھائے

(۷) اس کی قسم کو پورا کرو اس کی دعوت کو قبول کرو اس کی بیمار پرسی کرو اگر مر جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرو اگر اس کی کوئی حاجت ہو تو اس کے کہنے سے پہلے اسکو پورا کرو

حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جب ایک مومن دوسرے مومن کے پاس جائے اور میزبان اس آنے والے کے اکرام میں اپنی خدمت پیش کرے تو اس کو بخوشی قبول کرنی چاہیئے اور ٹھکرانا نہیں چاہیئے کیونکہ اکرام کا ٹھکرانا گدھے کا کام ہے مروی ہے کہ ایک مرتبہ دو شخص حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ان دونو کے سامنے گدے رکھے ان میں سے ایک تو اس پر بیٹھ گیا لیکن دوسرے شخص نے اس پر بیٹھنے سے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا اس پر بیٹھ جاؤ کیونکہ میں نے تمہارا اکرام کیا ہے اور اکرام کو ٹھکرانا گدھوں کا کام ہے۔

قضائے حاجت مومن

ایک مومن پر دوسرے مومن کے حقوق کی فہرست بہت طولانی ہے بعض کا ذکر ہو چکا ہے اور ان حقوق میں سے کسی حاجت مند مومن کی حاجت براری چونکہ نہایت اہم ہے اس لئے اس کو انفرادی طور پر بیان کرنا خالی از فائدہ نہیں۔ ایک دن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کعبہ کے سامنے تشریف فرما تھے۔

کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر فرمانے لگے۔ اے کعبہ! تیرے حقوق بہت ہیں لیکن خدا کی قسم ایک مومن کا دوسرے مومن پر حق تیرے حق سے بھی زیادہ ہے چنانچہ مروی ہے کہ کعبہ کا ایک طواف (جو سات چکروں پر مشتمل ہوتا ہے) اگر انسان بجالائے تو اس کے نامہ اعمال میں چھ ہزار نیکیاں درج ہوتی ہیں چھ ہزار گناہ معاف ہوتے ہیں اور چھ ہزار درجات بلند ہوتے ہیں لیکن حاجتمند مومن کی حاجت کو پورا کرنا طواف۔ طواف۔ حتیٰ کہ دس طوافوں سے افضل ہے۔

ایک شخص نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے گھر جائے اور وہ گھر میں موجود بھی ہو لیکن ملاقات کا وقت نہ دے تو ایسے مسلمان (مومن) کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان (مومن) دوسرے مسلمان (مومن) کے ہاں کوئی حاجت لے کر جائے اور وہ اس کو نہ اندر آنے کی اجازت دے اور نہ خود آ کر ملاقات کرے تو وہ اللہ کی لعنت میں اس وقت تک رہے گا جب تک کہ ان دونوں کی ملاقات نہ ہوگی۔ اس نے ازراہِ تعجب عرض کی کہ آقا! ایسا شخص اللہ کی لعنت میں رہتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا بے شک وہ اللہ کی لعنت میں ہی رہتا ہے۔

اسحٰق بن عمار سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کے چہرہ پر غصہ کے آثار دیکھے اور عرض کی حضور! آپ مجھ پر ناراض کیوں ہیں؟ آپ نے فرمایا تو نے مومنوں کے حق میں اپنا رویہ کیوں بدل دیا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تو نے اپنے دروازہ پر سنتری ٹھہرا رکھے ہیں جو غریب طبقہ کے شیعوں کو تیری ملاقات سے محروم کرتے ہیں؟ اسحٰق کہتا ہے میں نے عرض کی حضور! میں شہرت سے ڈرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا آنے والی مصیبت سے نہیں ڈرتا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب مومن ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان پر اللہ کی رحمت برستی ہے اور جس کی محبت زیادہ ہوگی اس پر ۹۹ حصے رحمت زیادہ ہوگی اور اگر محبت میں

دونوں برابر ہوں تو رحمت کا سایہ دونو پر برابر ہو گا حتاکہ کراماً کاتبین بھی ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ چلو ہم الگ ہو جائیں شاید انہوں نے راز و نیاز کی باتیں کرنی ہوں۔ الخبر

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص امام موسٰی کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے خواہش ظاہر کی کہ فلاں شخص کی طرف مجھے ایک سفارشی خط تحریر فرما دیجئے کیونکہ وہ شخص آپ کا محب ہے اور میرا اُس سے ذاتی کام ہے پس آپ نے سفارش نامہ تحریر فرمایا جس پر لکھا کہ یہ تمہارا مومن بھائی ہے اس کا کام ضرور کرنا جب یہ شخص بغداد میں پہنچا اور امام کا رقعہ اُس شخص کے حوالہ کیا تو وہ شخص اس کو اپنے گھر لے گیا اور اپنا سارا گھریلو سامان نصف و نصف تقسیم کر کے اس کو ایک نصف کے چن لینے کا اختیار دیدیا اور کہا کہ چونکہ امام نے تجھے میرا بھائی قرار دیا ہے لہذا تو میرے بھائی ہونے کی حیثیت سے میرے آدھے مال کا حقدار ہے پہلے یہ لے لے پھر تیرا ذاتی کام کر کے تجھے فارغ کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ علی بن یقطین جو سلطنت عباسیہ میں عہدۂ وزارت پہ فائز تھا اور شیعان آل محمدؐ میں سے تھا ایک دفعہ ایک غریب مومن نے جا کر اپنی حالت اس کے سامنے پیش کی تو کاروبار حکومت کی تھکان یا کسی دوسری وجہ سے علی بن یقطین نے اس غریب کی درخواست کو ردی کی ٹوکری میں ڈالکر لاپرواہی سے ٹھکرا دیا وہ غریب مومن مایوس ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اتفاق سے اسی سال علی بن یقطین نے سفر حج کیا اور مدینہ میں حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام کی زیارت کے لئے دردولت پر حاضر ہوا۔ امام عالی مقام خوش روئی سے اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ آثارِ غضب آپ کے چہرہ پر نمایاں تھے علی بن یقطین نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ ہمارا غریب شیعہ جب تمہارے پاس کوئی حاجت لے کر آتا ہے تو تم اس کی حاجت کو نظر انداز کر کے اس سے ترشروئی کا مظاہرہ کرتے ہو۔ لہذا تم ہم سے کسی اچھی پاداش کے مستحق نہیں ہو سکتے جب تک ان غریبوں کی دادرسی نہ کرو اس نے عرض کی حضورؐ! اب معاف فرمائیے۔ آئندہ ایسی غلطی نہ کروں گا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی جاؤ اور اس سے معافی مانگو اور پھر واپس پلٹ کر آؤ

تو میں راضی ہوں گا۔ اُس نے عرض کی یہاں سے بغداد کافی دُور ہے۔ آپ نے فرمایا پہنچانا میرا کام ہے اور معافی مانگنا تیرا کام ہے۔ جاؤ شہر کے باہر فلاں مقام پر ایک برق رفتار سواری تمہارے لئے موجود ہوگی اس پر سوار ہو جاؤ وہ تمہیں فوراً بغداد پہنچائے گی پس اس شخص سے معافی لے کر جب واپس پلٹو گے تو سواری کو اپنے مقام پر موجود پاؤ گے پس اُس پر پھر سوار ہو جانا وہ تمہیں دوبارہ اسی مقام پر لے آئے گی جہاں سے تم سوار ہو گئے اور میں تمہاری انتظار میں موجود ہوں گا۔ چنانچہ علی بن یقطین امام عالی مقام سے مرخص ہو کر جب مقام معین پر آیا تو دیکھا کہ ایک خوب رنگ خوش شکل شتر موجود ہے جس کو سوار ہونے کیلئے پالان یا دیگر ضروری سامان سے آراستہ کیا گیا ہے پس اس پر سوار ہُوا تو اُس نے اپنی برق رفتاری کی بدولت فوراً بغداد میں جا دم لیا پس علی بن یقطین اترے اور اس غریب مومن کا گھر تلاش کر کے دروازہ پر دستک دی۔ جب اس غریب مومن نے علی بن یقطین کی آواز پہچانی تو گھبرا گیا کہ حکومتِ وقت کے اتنے بڑے افسر نے رات کے وقت کیوں دروازہ کھٹکھٹایا ہے تو علی بن یقطین نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں میں اس وقت افسر کی حیثیت سے نہیں ہوں بلکہ ایک بھائی کی حیثیت سے اپنی غلطی کی معافی کے لئے حاضر ہوا ہوں چنانچہ اس غریب مومن نے کہا کہ جناب عالی میری کوئی ناراضگی نہیں اور میں نے معاف کیا ہے تو علی بن یقطین نے کہا کہ میں زمین پر لیٹتا ہوں اور اگر تو نے واقعتاً مجھے معاف کیا ہے تو اپنا گرد آلود قدم میرے منہ پر رکھو تاکہ مجھے اپنے تکبر کی سزا ملے) پس میں سمجھوں گا تم نے معاف کر دیا ہے اس نے ایسا کرنے سے ہر چند معذرت چاہی لیکن آخر کار علی بن یقطین کے اصرار پر اُس نے اپنا قدم اس کے منہ پر رکھا۔ پس علی بن یقطین واپس آیا تو وہی سواری حسبِ سابق موجود تھی۔ اس پر سوار ہُوا اور چشم زدن میں واپس مدینہ پہنچا، سواری کو چھوڑا اور در دولت امام پر حاضر ہُوا تو امام کو اپنی انتظار میں پایا اور اب جو دیکھا تو امام عالی مقام کا چہرہ گل گلاب کی طرح کھلا ہُوا ہے اور آپ نے خوشی سے علی بن یقطین کو خوش آمدید کہا اور اپنی رضا کا پروانہ دیا۔ یہ دو روایتیں صرف جلائے ایمانی

کے لئے ذکر کر دی ہیں تاکہ اپنے اندر محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کی محبت کی شمع روشن کرنے والوں کو درس حاصل ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو۔

بحث عقائد

اثباتِ خالق

عرصۂ شباب میں قدم رکھنے کے بعد جب عقل کی آنکھ کھلتی ہے تو گرد و پیش کے سرسری مطالعہ کے بعد اس کی توجہ خود بخود اس امر کی طرف فطرتاً مبذول ہو جاتی ہے کہ میں خود اور یہ سارا جہاں جو تغیرات کی آماجگاہ ہیں نہ تو قدیم ہیں اور نہ خود بنانے والے کے بغیر بنے ہیں۔ قدیم اس لئے نہیں کہ اس میں رونما ہونے والے تغیرات اس کے حدوث کی دلیل ہیں اور بنانے والے کے بغیر خود بن جانا اس لئے ناممکن ہے کہ جب حقیر سے حقیر چیز کسی بنانے والے کے بغیر نہیں بن سکتی تو اتنا بڑا جہاں بغیر کسی بنانے والے کے کیسے بن سکتا ہے پس ماننا پڑتا ہے کہ اس سارے جہاں کا خالق ضرور ہے اور جب ہم اپنے مقام پر یقین رکھتے ہیں کہ ہم خود اپنے جیسے کو پیدا نہیں کر سکتے تو یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم کو بھی جس نے پیدا کیا ہے وہ ہمارے جیسا نہیں پس ثابت ہوا کہ پورے جہاں کا خالق پورے جہاں کے افراد میں سے کسی فرد جیسا نہیں پس وہ نہ کسی جیسا ہے اور نہ کوئی اس جیسا ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ

بروایت بحار الانوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے آباء طاہرین علیہم السلام سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک دھریہ عقیدہ کا گروہ حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپؐ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کہتے ہو ان تمام ہونے والی چیزوں کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا گویا ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی تو اس عقیدہ پر تمہارے پاس کونسی دلیل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں پایا اور نہ ہمیں ان

چیزوں کی انتہا معلوم ہے لہٰذا ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ سب چیزیں ازلی بھی ہیں اور ابدی بھی بھی پس یہ قدیم بھی ہیں اور ہمیشہ کے لیے باقی بھی ہیں تو آپ نے فرمایا تو کیا تم نے ان کے قدیم ہونے اور دائمی ہونے کو پالیا ہے؟ اگر تم یہ کہو کہ ہم نے ان کے قدیم اور دائمی ہونے کو پالیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنا بھی ازلی و ابدی ہونا مانتے ہو اور یہ یقیناً جھوٹ غلط اور بے بنیاد بات ہے اس عقیدہ میں تمام لوگ تمہیں جھوٹا کہیں گے اور خود تمہارا وجدان بھی تمہیں جھوٹا کہے گا پس وہ کہنے لگے کہ حضورؑ! ہم نے واقعتاً ان چیزوں کی ازلیت و ابدیت کو نہیں پایا ہے تو آپ نے فرمایا جب تم دعویٰ کرتے ہو کہ چونکہ ہم نے ان کی ابتداء و انتہاء کو نہیں پایا لہٰذا یہ ازلی و ابدی ہیں تو تمہارے جواب میں کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہم نے ان کی ازلیت و ابدیت کو نہیں پایا لہٰذا یہ حادث ہیں تو پھر تمہارے پاس اپنے عقیدہ کی بہتری کی کیا سند ہے؟

پھر آپ نے فرمایا کہ یہ دن رات جو تم دیکھ رہے ہو کیا یہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! آپ نے فرمایا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں دن بھی ہو اور رات بھی؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس بات کے قائل ہو کہ ایک ختم ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ آتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ بے شک ایسا ہی ہے آپ نے فرمایا کہ معلوم ہوا اب سے پہلے کے جس قدر دن اور رات گذرے ہیں وہ سب حادث ہیں حالانکہ تم نے ان کو دیکھا نہیں ہے۔ لیکن حادث ہونے کا حکم لگا رہے ہو۔ پس اللہ کی قدرت کا انکار نہ کرو پھر آپ نے فرمایا کہ اب سے پہلے کے جس قدر شب و روز ہیں متناہی ہیں یا غیر متناہی؟ پس اگر کہو کہ غیر متناہی ہیں تو غیر متناہی ہونے کے باوجود یہ سلسلہ تم تک کیسے پہنچا؟ اور اگر کہو کہ متناہی ہیں تو ماننا پڑے گا کہ ایک وقت تھا جب یہ دن و رات نہ تھے اور بعد میں ہو گئے پس یہ حادث ثابت ہوئے انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کیا تم کہتے ہو کہ یہ سارا جہان قدیم ہے حادث نہیں ہے اور تم جس چیز کا اقرار کرتے ہو یا جس چیز کا انکار کرتے ہو یعنی قدیم و حادث ان کے معانی کو بھی سمجھتے

ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! تو آپ نے فرمایا کہ جہان کی جس قدر چیزیں ہمارے سامنے موجود ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب ایک دوسری کی طرف محتاج ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر یہ قطعاً نہیں رہ سکتیں جس طرح ایک مکان کہ اس کی ہر جزو اپنے قیام و بقا میں دوسری جزو کی محتاج ہے کہ اگر ان کا باہمی ربط و احتیاج ختم ہو جائے تو اس کا استحکام بلکہ ڈھانچہ بے کار و برباد ہو جائے گا پس کائنات کی تمام اشیاء کی یہی کیفیت ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر ان کی زندگی و بقا ناممکن ہے پس یہ جہان جس کے تمام اجزاء ایک دوسرے کے محتاج ہیں اپنی قوت و استحکام کی بنا پر قدیم ہے تو تم خود ہی بتاؤ کہ اگر یہ جہان حادث ہوتا تو کیونکر ہوتا؟ اور کیسے ہوتا؟ پس وہ لاجواب و مبہوت ہو گئے کیونکہ وہ سمجھ گئے کہ جس کو ہم قدیم کہہ رہے ہیں اس میں تو حادث کی تمام صفات موجود ہیں پس وہ کھسیانے سے ہو کر کہنے لگے ہم اپنے نظریات میں پھر سے غور کریں گے۔

بہرکیف عقل کے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں کہ اس جہان کے پیدا کرنے والا ایک خالق ہے جو ازلی و ابدی اور سرمدی و دائمی ہے وہ ہر شئے پر قادر ہے اور تمام صفات کمال کا جامع ہے اور صفات اس کی عین ذات ہیں

توحید پروردگار

جب عقل یہ تسلیم کرے کہ اس سارے جہان کا خالق جو ازلی و ابدی اور سرمدی و دائمی ہے موجود ہے تو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ وہ صرف ایک اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں کیونکہ یہ نظام اتم و اکمل اس کی وحدت کا شاہد بین ہے چنانچہ قرآن مجید میں اس کا استدلال اس طرح ہے کہ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا یعنی اگر آسمان و زمین میں اللہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ بھی ہوتے تو یہ نظام فاسد ہو جاتا جس کی وجہ دوسری جگہ بیان فرمائی کہ إِذًا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (المومنون) یعنی اگر متعدد خدا ہوتے تو ہر خدا اپنی پیدا کردہ مخلوق کو دوسرے کی پیدا کردہ مخلوق سے الگ کر لیتا اور مسئلہ تقسیم میں نزاع کی

صورت پیدا ہوتی پس ایک دوسرے سے چپقلش اور لڑائی ہوتی اور ہر خدا دوسرے پر اپنی فوقیت و برائی کو منوانے کی کوشش کرتا۔ اور چونکہ ایسا نہیں ہے تو ماننا پڑتا ہے۔ کہ پورے جہان کا خالق صرف ایک خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

توحید فی الذات یعنی اللہ کی ذات میں اس کا کوئی شریک نہیں چنانچہ فرماتا ہے:۔ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنی دو الٰہ نہ بناؤ کیونکہ الٰہ صرف ایک ہی ہے (النحل)

توحید فی الصفات۔ یعنی اللہ کی صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ یعنی اس کی مثل و شریک کوئی نہیں وہی ہر آواز کے سننے اور جاننے والا ہے (شوریٰ)

توحید فی الافعال یعنی اللہ کی تخلیق و ایجاد میں اس کا کوئی شریک نہیں پس وہ اکیلا ہی کل کائنات کا خالق و موجد ہے چنانچہ خود فرماتا ہے هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ (لقمان) یعنی یہ تو سب اللہ کی مخلوق ہے۔ پس دکھاؤ کیا پیدا کیا ہے؟ انہوں نے جو اس کے علاوہ ہیں (جن کو تم مانتے ہو) پس اس کے افعال میں نہ ملائکہ اس کے شریک ہیں اور نہ نبی و ولی اور جو ملائکہ و انبیاء یا اولیاء کو افعال میں اللہ کا شریک بنائیں وہ یقیناً مشرک ہیں۔

توحید فی العبادۃ یعنی اسی ایک خدا کی عبادت کرنی چاہیے چنانچہ فرماتا ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الکہف) یعنی جو بھی اللہ کی لقاء کا خواہشمند ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل بجا لائے اور اللہ کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائے۔

صفات ثبوتیہ پروردگار (جن کو اس کی ذات سے الگ نہیں مانا جاتا۔ بلکہ اس کی عین ذات ہیں۔

- اللہ قدیم ہے اس کی ذات پر کبھی عدم جاری نہیں ہوا اور نہ کوئی چیز اس سے پہلے ہے پس وہ سب سے پہلے اور ہمیشہ ہے۔ اور تمام مخلوق کو اُسی ایک نے اپنے ارادہ وقدرت کاملہ سے پیدا فرمایا ہے۔
- اللہ ابدی وسرمدی ہے کیونکہ وجود اس کا عین ذات ہے اور وہ واجب الوجود ہے
- اللہ حیّ ہے یعنی خود زندہ ہے اور تمام زندہ اشیاء کا خالق ہے۔
- اللہ عالم ہے اور علم اُس کی ذات سے الگ نہیں۔ وہ علماء وعلم کا خالق ہے۔
- اللہ قادر مختار ہے پس تمام مخلوق کو اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اور اپنے اختیار سے پیدا کیا ہے۔
- اللہ بغیر کانوں کے سُنتا ہے اور بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے پس وہ سمیع وبصیر ہے۔
- اللہ مدرک ہے یعنی اپنے علم وقدرت کے اعتبار سے تمام چیزوں پر وُہ پوری طرح محیط ہے اور حاوی ہے۔
- اللہ مرید ہے یعنی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔
- اللہ متکلم ہے یعنی اللہ جس چیز میں چاہے کلام کو پیدا کر سکتا ہے۔ وہ خود کلام کرنے میں زبان کا محتاج نہیں ہے۔

صفاتِ سلبیہ

یعنی وہ صفات جن سے اس کی ذات مبرا ہے۔

اللہ کی مثل نہیں، وہ جسم نہیں، نہ وہ عرض ہے، نہ جوہر ہے، نہ مرکب ہے، نہ اس میں اختلاف ہے، نہ وُہ کسی مکان میں ہے اور نہ کسی جہت میں ہے کیونکہ یہ سب مخلوق کی صفات ہیں اور اللہ کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ اللہ نہ کسی شے میں ہے نہ کسی شئے سے ہے اور نہ اس سے کوئی شئے ہے نہ وہ کسی شئے کے اوپر ہے نہ اس کے اُوپر کوئی شئے ہے نہ وہ کسی شئے سے مافوق ہے نہ تحت ہے اور نہ کوئی شئے اس سے منسوب ہے کیونکہ یہ سب حوادث کی صفتیں ہیں اور اللہ قدیم ہے پس حوادث کے

صفات سے پاک و مبرّا ہے۔

اللہ کسی شئی میں حلول نہیں کرتا اور نہ کسی شئے کے ساتھ وجود میں متحد ہوتا ہے۔ (یعنی وحدۃ الوجود کا قول باطل ہے)

اللہ کی رویت ناممکن ہے پس وُہ نہ دنیا میں نظر آتا ہے اور نہ قیامت کے روز نظر آئے گا نہ اس کو نیک لوگ دیکھ سکتے ہیں اور نہ عامۃ الناس اس کو دیکھ سکتے ہیں حتاکہ قلوب بھی اس کی کنہ حقیقت کو نہیں پا سکتے پس اپنی کنہ حقیقت کو وہ خود ہی دیکھ سکتا ہے البتہ قلوب اس کی عظمت کے آثار کا معائنہ کر سکتے ہیں اور آنکھیں اس کی مصنوعات کی سیر کر کے دعوتِ فکر کا سامان مہیا کر سکتی ہیں لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ یعنی اس کو کوئی آنکھ نہیں پا سکتی اور وُہ تمام آنکھوں کا ادراک کرتا ہے (الانعام)

اللہ کو نہ حواس ظاہرہ پا سکتی ہیں یعنی قوتِ باصرہ قوتِ ذائقہ قوتِ شامہ اور قوتِ لامسہ پس کان اس کی آواز نہیں سنتے آنکھ اس کا نظارہ نہیں کر سکتی زبان اس کا ذائقہ نہیں چکھ سکتی، ناک اس کی بو تک نہیں پہنچ سکتی اور ہاتھ اس کو چھو نہیں سکتے کیونکہ آواز رنگ ذائقہ بو اور سردی و گرمی وغیرہ نہ تھیں اور وہ تھا۔ پس وہ ان کیفیات کا خالق اور اعضاء کا بھی خالق ہے۔ اور ان سے پہلے ہے۔

اللہ کو حواس باطنہ بھی ادراک نہیں کر سکتی یعنی حس مشترک خیال قوتِ متصرفہ واہمہ اور حافظہ کیونکہ ان میں سے کسی کے مشابہ نہیں پس یہ قوتیں اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔

توحید پروردگار اور اس کی صفاتِ ثبوتیہ و سلبیہ کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ شیخ احمد احسائی اعلی اللہ مقامہ کی کتاب "حیوۃ النفس" سے ملخص کیا ہے۔ شیخ مرحوم پر جو الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وُہ توحید فی العبادۃ کے قائل نہیں بلکہ نماز میں إِيَّاكَ نَعْبُدُ کہتے ہوئے حضرت علیؑ کے تصور کو ضروری سمجھتے ہیں یہ محض حاسد ملاؤں کی بہتان تراشی ہے انہوں نے زیارت جامعہ کے الفاظ وَمُقَدِّمُكُمْ إِمَامَ طَلِبَتِي کی تشریح

کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی مرادوں میں آئمہ کی تقدیم کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو اپنا شفیع مانتے ہیں لَا اَنَّهٗ یُتَخَیَّلُ عِنْدَ الْعِبَادَةِ صُوَرُهُمْ وَ تَمْثِیْلُهُمْ کَمَا یَفْعَلُوْنَهٗ اَهْلُ التَّصَوُّفِ یعنی تقدیم کا یہ معنی نہیں کہ عبادت میں ان کی صورتوں اور مثالوں کا تصور کیا جائے جس طرح صوفی لوگوں کا دستور ہے کہ اپنے پیروں کا تصور کرتے ہیں اور پیر خود ان کو ایسا کرنے کا حکم دیتے ہیں اور شیخ نے صوفیوں کے مسلک کی پوری وضاحت کرنے کے بعد اُن پر لعنت بھیجی اور ان کے مسلک کو باطل ثابت کیا اور آخر میں پھر اپنے نظریئے کو ان لفظوں میں دھرایا:- فَلَا یَجُوْزُ اَنْ تَتَصَوَّرَ صُوْرَةَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ اَوْ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَوِ الْاَئِمَّةِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ عِنْدَ تَوَجُّهِكَ اِلَی اللّٰهِ تعالیٰ لِاَنَّ هٰذَا شِرْكٌ وَّ كُفْرٌ یعنی یہ جائز نہیں کہ تم نبی یا حضرت علیؑ یا آئمہ طاہرین علیہم السلام کا تصور نماز میں کرو جب تم اللہ کی طرف متوجہ ہو رہے ہو کیونکہ یہ کفر اور شرک ہے (شرح زیارت جامعہ صفحہ ۲۹۴ سطر ۱ تا ۱۳)

عدل توحید کے ساتھ ساتھ یہ اعتقاد رکھنا قرین عقل ہے کہ خداوند کریم ظالم نہیں بلکہ عادل ہے اور لوگوں کو بھی عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے پس بروز محشر اپنے عدل سے گنہگاروں اور نافرمانوں کو جہنم میں ڈالے گا اور اپنے فضل و کرم سے نیک لوگوں کو جنت عطا فرمائے گا۔

قضاء و قدر یعنی جبر و اختیار مسلمانوں میں جبریہ و قدریہ دو فرقے ہیں جبریہ صرف جبر و قضاء کے قائل ہیں یعنی قضاء اللہ کے ہاتھ میں ہے اور انسان بالکل مجبور ہے گویا نیکی یا برائی میں اس کو کوئی اختیار حاصل نہیں کیونکہ خیر و شر اللہ کی جانب سے ہیں ان کے مقابلہ میں قدریہ صرف قدر و اختیار کے قائل ہیں یعنی اپنے تمام افعال میں مختار کل ہے اور قضاء و جبر کو انسانی افعال میں کوئی دخل نہیں ہے۔ شیعہ مذہب کی رو سے یہ دونوں نظریئے باطل اور غلط ہیں بلکہ شیعہ مذہب یہ ہے لَا جَبْرَ وَ لَا تَفْوِیْضَ بَلْ اَمْرٌ

بَیْنَ الْاَمْرَیْنِ یعنی نہ انسان بالکل مجبور ہے اور نہ مختارِ کل ہے بلکہ دونوں کے بین بین ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام افعال کے بجالانے کے لیے بنیادی قوتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں اور ان قوتوں کے استعمال میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے چنانچہ نماز میں کہا جاتا ہے بِحَوْلِ اللّٰہِ وَقُوَّتِہٖ اَقُوْمُ وَاَقْعُدُ یعنی اللہ کے حول و قوت سے میں قیام و قعود کرتا ہوں حول و قوت خدا کی طرف سے ہے اور قیام و قعود بندے کا فعل ہے۔

جبریہ اور قدریہ دونو فرقوں پر بعض اوقات قدریہ کا اطلاق کیا گیا ہے اور ان دونو کے مقابلہ میں شیعہ فرقہ کو عدلیہ کہا جاتا ہے کیونکہ عدل پروردگار کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو اپنے افعال نیک و بد میں مختار ہونا چاہیئے پس ہمارے نزدیک جبریہ کا قول باطل ہے۔ کیونکہ ان کے قول سے عدلِ پروردگار کی نفی لازم آتی ہے اور قدریہ کا قول بھی باطل ہے کیونکہ ان کے قول سے قضاءِ پروردگار کی نفی لازم آتی ہے چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے مَنْ لَمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَعْبُدْ رَبًّا سِوَائِیْ وَلْیَخْرُجْ مِنْ اَرْضِیْ وَسَمَائِیْ یعنی جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو اور میری آزمائش پر صبر نہ کرے تو اسے چاہیئے کہ کسی اور پروردگار کی عبادت کرے اور میرے زمین و آسمان سے نکل جائے

ایک انسان پوری محنت اور جد و جہد سے ایک زمین کو آباد کر کے اس میں اچھے بیج کی کاشت کرتا ہے جس سے اس کو کافی آمدنی کی توقع ہوتی ہے لیکن فصل کی برداشت کے موقع پر کسی آفتِ ناگہانی کی بدولت اس کا سارا فصل یا کچھ حصہ تباہ ہو جاتا ہے تو یہ دو نتیجے بالکل واضح ہیں ایک ہے انسان کی محنت اور کد و کاوش کا نتیجہ جو متوقع تھا اور دوسرا ہے قضاءِ پروردگار کا نتیجہ جو فصل کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوا پس اس مقام پر انسانی فطرت اور عقل و دانش کا صحیح فیصلہ یہ ہے کہ قضاءِ پروردگار کا نتیجہ ہمارے اختیاری افعال کے نتیجہ پر غالب ہے یعنی ہم کچھ سوچتے ہیں اور نتیجہ کچھ ہوتا ہے گویا ہمارے ظاہری اسباب و ذرائع پر ایک مخفی طاقت غالب ہے جو ہمارے متوقع نتائج کو بدل سکتی ہے اور وہی خدا

ہے جس کا فیصلہ ہر فیصلے پر غالب ہے اور اس کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہر دانشمند کا فریضہ ہے بعض اوقات ہمارے متوقع نتیجہ کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا ہے تو ہم خوش ہوتے ہیں اور بعض اوقات اس کا فیصلہ ہماری توقعات کے خلاف ہوتا ہے جس سے ہم گھبرا جاتے ہیں اور دونو حالتوں میں اس کی قضا پر راضی رہنا بہت بڑی ایمانی جرأت ہے بہر کیف ان خلاف توقع نتائج کے باوجود عقل و خرد ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتی اور نہ انسانی فطرت اس مایوسی کو گوارا کرتی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس انسان کی ایک ناگہانی آفت کے ماتحت فصل تباہ ہو جاتی ہے وہ پھر دوبارہ بھی اپنی پوری امنگوں اور امیدوں کے ساتھ اسی زمین کی کاشت کرتا ہے اور قضا کے نتائج سے بے نیاز ہو کر پوری محنت و ہمت کو کام میں لاتا ہے اور بسا اوقات اس کی توقعات سے بھی زیادہ اس کو محنت کا پھل نصیب ہوتا ہے جس سے اس کی پہلی کوفت بھی دور ہو جاتی ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں انسانی کد و کاوش پر تقدیر اور قضا کی بالاتری کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا پس کوئی بھی کاروباری انسان اپنے اختیارات میں قضا کی بالادستی کو نہیں ٹھکرا سکتا اور کوئی بھی قضا کو تسلیم کرنے کے بعد قضا کے ڈر سے ہاتھ پر ہاتھ دھر کے کاروبار کو ٹھپ کرنے کا بھی قائل نہیں ہوتا اسی طرح حفظانِ صحت کے تمام تر اصولوں کی پاسداری کے باوجود اچانک بیماری میں مبتلا ہونے والا انسان قضا کے فیصلے کا کیسے انکار کر سکتا ہے ؟ یا زندگی کی حفاظت میں ہر ممکن و مناسب تدابیر پر عمل کرنے کے باوجود اچانک موت کو کیسے ٹھکرایا جا سکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تقدیر و قضا کے ان اچانک فیصلوں سے گھبرا کر انسان حفاظتی تدابیر کو بھی نظر انداز کر دے۔

جبریہ لوگوں نے تقدیر و قضا کے اچانک و ناگہانی فیصلوں سے گھبرا کر اپنے اختیارات کا سرے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ ہر نیکی یا بدی اللہ کی جانب سے ہے اور انسان مجبور محض ہے حالانکہ یہ بالکل خلافِ عقل اور غلط ہے اور اس سے عدل پروردگار کی نفی ہوتی

ہے کیونکہ اگر نیکی اور بدی دونو اللہ کی طرف سے ہوں تو جنت یا جہنم کا استحقاق نہ رہے
ہے اور گنہگاروں کو جہنم میں ڈالنا ظلم ہے جبکہ گنہگار کو گناہ کرنے میں مجبور مانا جائے۔
قدریہ لوگوں نے انسان کی تگ و دو اور کدوکاوش کو سامنے رکھا اور قضاء پروردگار
کی بالادستی کو بھول گئے پس ہمارا عقیدہ بین بین ہے کہ قضا بھی حق ہے اور اختیار بھی درست ہے
پس انسان جن جن امور میں خودمختار ہے ان میں نیکی کرنے پر وہ جنت کا مستحق ہوگا اور گناہ کرنے پر وہ جہنم کا سزاوار ہوگا
پس زندگی کے کاروبار میں اپنی تمدنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا اس کے فرائض میں سے
ہے اور قضا کے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا اس کی بلند ہمتی اور ایمانی سلامتی کی دلیل
ہے اور خداوند کریم خود بھی عادل ہے اور اپنی تمام مخلوق سے عدل و انصاف چاہتا ہے۔
ہم نے اس مسئلہ پر اپنی مختلف تصانیف میں بحث کی ہے مثلاً تفسیر انوار النجف جلد دوم ص۵۴
پر ملاحظہ فرمائیں اور حسب مواقع دوسری جلدوں میں بھی یہ بحث موجود ہے نیز کتاب عقائد
لمعۃ الانوار میں بھی اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے اور اسلامی سیاست میں عدل
کے باب میں اس پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے شائقین حضرات کو مطالعہ کی دعوت دی جاتی ہے

نبوّت

جب انسان عقل کی دنیا میں قدم رکھتا ہے اور اسے یقین کامل ہو جاتا ہے
کہ میرا اور سارے جہان کا خالق ایک اللہ ہے جس کی قدرتِ کاملہ اور حکمت
شاملہ نیز جس کی تنظیم محکم اور تدبیر متقن کا یہ سارا جہان شاہد بیّن ہے اور یہ بھی یقین ہو
جاتا ہے کہ اس پوری کائنات میں وجود انسانی تخلیق پروردگار کا عظیم شاہکار ہے اور انسان کی
عظمت و کرامت صرف زبانی دعویٰ نہیں بلکہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے پیش نظر
ہے جن کی بنا پر اس کو تاج کرامت کے لئے اہل قرار دیا گیا ہے اور اُن ذمہ داریوں کا تعلق
ان حقوق سے ہے جو انسان پر عائد ہوتے ہیں یعنی حقوق النفس، حقوق اللہ اور حقوق الناس۔
عقل انسانی چونکہ عرصہ دراز سے قوائے شہوانیہ و غضبیہ کے زیر اثر رہ کر اور نفس امارہ
کے ماتحت دب کر اپنے اوپر عائد شدہ مخصوص فرائض سے غافل اور متغافل رہتی ہے بلکہ بعض

اوقات اپنے صحیح نظریات کو بھی نظر انداز کر چکی ہوتی ہے اس لئے اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کر سکتی پس افواج جہالت پر غلبہ حاصل کرنے اور انسان کی صحیح رہنمائی کرنے کے لئے خدائی نمائندوں سے ہدایات حاصل کرنے کی محتاج ہے۔

پس نبوت خداوند کریم کی جانب سے نمائندگی اور رہبری کے فرائض انجام دینے کا نام ہے اور جو ذوات طاہرہ اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوں ان کو انبیاء (جس کی واحد نبی ہے) کہا جاتا ہے پس نبی اس انسان کامل کا نام ہے جو خداوند کریم کی جانب سے ہدایت خلق کے لئے نامزد ہو اور اس کے لئے چند شرائط یا علائم ہیں۔

(۱) اللہ کی طرف سے عہدۂ نبوت کا دعویٰ رکھتا ہو۔

(۲) اپنی نبوت کے لئے ٹھوس اور ناقابل تردید براہین اپنے پاس رکھتا ہو۔

(۳) اپنی نبوت کے اثبات کے لئے امت کے طلب کرنے پر معجزہ دکھا سکتا ہو۔

(۴) علم میں تمام اہل زمان سے برتر ہو۔

(۵) زندگی کے کسی حصہ میں کسی قسم کا گناہ نہ کرتا ہو نہ صغیرہ نہ کبیرہ یعنی معصوم ہو۔

(۶) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی کے لئے صاحب جرأت ہو۔

(۷) اپنے واضح بیان اور دلیل و برہان کے ذریعے سے لوگوں کو مسائل شرعیہ پوری طرح سمجھا سکتا ہو۔

(۸) طمع ولالچ اور جاہ طلبی سے بے نیاز ہو تاکہ کوئی طاقت اس کو اپنے مشن سے ہٹا نہ سکے

(۹) جس چیز کا حکم دے اس کا خود پوری طرح پابند ہو اور جس سے روکے اس سے خود رکنے والا ہو

(۱۰) سلاست بیانی اور روانی کلام میں اپنی مثال آپ ہو

(۱۱) خوش اخلاق ہو سخت مزاج اکھڑ اور تند طبع نہ ہو۔

(۱۲) بردبار حلیم و متین ہو چھچھورا پن اور جلد بازی اپنے اندر نہ رکھتا ہو۔

(۱۳) باوقار ہو اور خاندانی عظمت کا حامل ہو تاکہ اس کی بات کو آسانی سے ٹھکرایا نہ جاسکتا ہو۔

(۱۲) اپنے زمانے کا اخلاق و کردار اور قوم خاندان بلکہ جملہ صفات جمیلہ میں ممتاز ترین انسان ہو

تعداد انبیاء ہمارے عقیدہ کے مطابق بنا بر مشہور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اللہ نے مبعوث فرمائے ہیں۔ سب سے پہلا نبی حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں اور آخری پیغمبر جس کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں وہ تمام گذشتہ انبیاء سے افضل و برتر ہیں۔

نورِ پیغمبر ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد مصطفٰے کا نور اول مخلوق ہے پس سب سے پہلے اللہ نے ان کے نور کو زیور تخلیق اور خلعت وجود سے آراستہ فرمایا اور اس کے بعد ملائکہ لوح و قلم عرش و کرسی اور زمین و آسمان وغیرہ باقی مخلوق کو اپنی مشیت و ارادہ سے تدریجاً جیسے چاہا پیدا فرمایا پس وہ اللہ جس طرح اول مخلوق یعنی نور محمدؐ کا خالق ہے اسی طرح وہ چھوٹی و بڑی عرشی و فرشی اور علوی و سفلی سب مخلوق کا وہی خالق واحد ہے اور اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

پس یہ نور اول ایک وقت تک لامکان و لازمان رہا پھر جب مکان و زمان پیدا ہوئے تو یہ نور مکانی و زمانی ہوا پس یہ سوال بے جا ہے کہ ان کا نور کب اور کہاں پیدا ہوا کیونکہ یہ اس وقت پیدا ہوا جب وقت نہ تھا نیز کب اور کہاں کی لفظیں تھیں اور نہ لفظوں کا کوئی معنی و مصداق تھا۔ پس جب وقت پیدا ہوا تو یہ نور اس کے ساتھ ساتھ رہا اور جب مکان پیدا ہوا تو یہ مکانِ اعلیٰ میں رہا زیر عرش رہا اور تسبیح و تقدیس پروردگار میں مشغول رہا جبکہ یہی نور ہی تسبیح کنندہ تھا اور وہ خالق اس کی تسبیح کا سننے والا تھا۔ پس ملائکہ پیدا ہوئے تو اس نور کی تسبیح و تقدیس کو سُن کر تسبیح گذار بنے۔ پس تخلیق آدم کے بعد اس نور کو پیشانی آدم میں رکھا گیا پھر تدریجاً پاک صلبوں اور پاکیزہ رحموں سے گذرتا ہوا یہ نور صلب عبدالمطلب میں پہنچا اس کے بعد ایک حصہ صلب عبداللہ کی طرف منتقل ہوا اور دوسرا حصہ صلب ابوطالب میں پہنچا۔ پس صلب عبداللہ سے حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفٰے پیدا ہوئے اور صلب ابوطالب

سے سید الاولیاء حضرت علی مرتضیٰؑ جلوہ افروز ہوئے۔

اصلاب و ارحام پیغمبر

ہمارا عقیدہ ہے حضرت محمد مصطفیٰؐ کا سلسلۂ امہات حضرت آمنہ سے لے کر حضرت حوا تک سب پاک و پاکیزہ ہے یعنی نجاستِ شرک و کفر وغیرہ سے ان کا دامن کبھی کسی دور میں آلودہ نہیں ہوا اور نہ غیر اخلاقی افعال ان سے صادر ہوئے اسی طرح ان کا سلسلۂ آباء حضرت عبداللہ سے لے کر حضرت آدمؑ تک بھی کفر و شرک بلکہ جملہ انسانیت سوز حرکات سے مبرا و منزہ تھا

اعلانِ نبوت

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے اور پچیس برس کی عمر میں حضرت خدیجہ طاہرہ سے ان کی شادی ہوئی اور ان کے بطن مبارک سے آنحضرت کی اولاد صرف ایک ہی لڑکی ہے جس کا نام فاطمہؑ ہے چالیس برس کی عمر میں آپ نے اعلان نبوت فرمایا اور عورتوں میں سب سے پہلے جناب خدیجہ طاہرہ نے حضورؐ کے دعویٰ رسالت کی تصدیق فرمائی اور مشرف باسلام ہوئیں اور مردوں میں سے حضرت علی علیہ السلام نے بعمر دس برس حضورؐ کے اعلان رسالت کا خیر مقدم کیا اور تمام مورخین بلا استثنا حضرت خدیجہ طاہرہ اور حضرت علی علیہ السلام کے اس شرف کے قایل ہیں اور مورخین نے صاف اقرار کیا ہے کہ ایک وقت تک صحن کعبہ میں حضرت پیغمبرؐ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والے صرف دو آدمی تھے ایک حضرت علیؑ جو پہلو میں کھڑے ہو کر اور دوسری جناب خدیجہ جو پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے تھے۔

ہجرت

تقریباً تیرہ برس مکہ میں اسلامی تبلیغ فرمائی اور حضرت ابوطالب نے پہلے اعلان رسالت سے لے کر تادم زیست قدم قدم پر لمحہ بہ لمحہ حضورؐ کی پشت پناہی اور نگہبانی کا فریضہ ادا فرمایا اور ان کی زندگی تک کسی قریشی کو حضورؐ کی ایذا رسانی کی جرأت نہ ہوئی پس یہ وہ مومن کامل انسان ہیں جن کے ایمان کی تجلیات نے حضور رسالتمآبؐ کو دن بدن آگے بڑھنے کی دعوت دی حتیٰ کہ عرب بجائے خود دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ اور

جس طرح مردوں میں سے حضرت ابوطالبؑ نے حضورؐ کی تبلیغات کے لئے مردانہ حیثیت سے راستہ ہموار کیا اسی طرح عورتوں میں سے جناب خدیجہ طاہرہ نے اپنی حیثیت سے اسلامی تبلیغ میں واضح کردار ادا فرمایا پس جہاں ابوطالب کا قوتِ بازو اور رعب و دبدبہ حسادید قریش کو متاثر کرتا تھا وہاں جناب خدیجہ کی زر و دولت غریب طبقہ کی فاقہ شکنی اور تالیف قلبی کا موجب بن کر ان کو اسلامی تعلیمات سے وابستگی پر آمادہ کرتی تھی پس یہ کہنا بجا اور درست ہے کہ مکہ میں شجرہ اسلام کی آبیاری حضرت ابوطالبؑ اور جناب خدیجہؑ کی ہی مرہون منت ہے جب ایک ہی سال میں ان دونو کا انتقال ہوا تو بحکم پروردگار آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی مدینہ میں تقریباً دس برس اسلامی تبلیغ میں مصروف رہے آپ کی زندگی کے تمام جہاد وغزوات مدینہ میں ہی پیش آئے پس کل تیئس برس تقریباً اعلان نبوت کے بعد زندہ رہے۔

معجزات

تمام انبیاء کے مجموعی معجزات آپ سے منظر عام پر ظاہر ہوئے اور آپ کے معجزات میں سے اہم ترین معجزے دو ہیں ایک معراج اور دوسرا قرآن مجید۔

معراج

بعض لوگ معراج روحانی کے قائل ہیں لیکن شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ آپ بنفس نفیس اسی جسم عنصری کے ساتھ اور جسمانی لوازمات کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوکر بیت المقدس ہوتے ہوئے عالم بالا کی طرف تشریف لے گئے اور آسمانوں کو طے کرکے کرسی و عرش سے بڑھ کر حجابات و سرادقات کی منازل سے گذر کر پہلے براق پر پھر رفرف پر سوار ہوکر مقام قاب قوسین تک پہنچے اور خداوند کریم نے حضرت علیؑ کے لہجہ میں آپ سے گفتگو فرمائی۔

قرآن مجید

گذشتہ تمام انبیاء پر نازل ہونے والے صحیفے اور کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے مشہور کتابیں چار ہیں۔ (۱) تورات حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی (۲) زبور حضرت داود پر نازل ہوئی (۳) انجیل حضرت عیسیٰ پہ نازل ہوئی۔ (۴) قرآن مجید حضرت سلطان الانبیاء پر اترا۔ جس طرح نبیوں میں حضرت محمد مصطفیٰؐ سب

سے آخر میں آئے اور سب سے افضل تھے اسی طرح ان کی کتاب قرآن مجید سب کتابوں سے افضل و اشرف ہے ان کا دین سب دینوں سے برتر ہے اور ان کی امت سب امتوں سے افضل ہے۔

گذشتہ انبیاء کے معجزے ایک وقت محدود تک تھے اور قرآن مجید حضورؐ کا وہ معجزہ جو تا قیامت زندہ ہے۔ شیعہ کا ایمان قرآن مجید پر ہے کہ نہ اس میں کمی ہے اور نہ بیشی البتہ شیعہ قرآن کی ہر تفسیر پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ اس تفسیر پر ایمان رکھتے ہیں جو اہلبیت سے منقول ہو اور قرآن مجید کے متعلق شیعہ نظریات ہماری کتاب مقدمۂ تفسیر انوار النجف میں مفصل مذکور ہیں۔

امامت

سلسلۂ تبلیغ کو جاری رکھنے اور بندگانِ خدا تک احکام خداوندی پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ نبی کے چلے جانے کے بعد اس کا کوئی ایسا جانشین ہو جس کو اللہ کی جانب سے نیابت نبی کا عہدہ عطا ہو تاکہ نبی کے بعد پوری امت کی صحیح رہبری کرتے ہوئے اللہ کی طرف سے نمائندگی کی ذمہ داری کو نبھا سکے پس اسی صورت میں بندوں پر اتمام حجت بھی ہو گی اور لطفِ خداوندی کا فیض عام بھی ہو گا۔

پس نائب نبی یعنی امام کے لئے ضروری ہے کہ نبوت کے علاوہ باقی ان تمام صفات کا حامل ہو جو نبی میں موجود تھے اور چونکہ امت کے افراد کسی کے صفات ظاہرہ کو تو کسی حد تک جان سکتے ہیں لیکن صفاتِ باطنہ تک دسترس ناممکن ہے لہذا جس طرح نبی کا چننا اور بنانا امت کا کام نہیں بلکہ خدا خود ہی چنتا اور بناتا ہے اسی طرح نبی کے بعد ہونے والے جانشین یعنی امام امت کا انتخاب بھی امت کے ہاتھ میں نہیں بلکہ امام کو بھی اللہ ہی منتخب کرتا ہے اور نبی کا کام ہے کہ اپنی زندگی میں اس کا اعلان فرما دے اور پھر ہر امام اپنے سے بعد میں والے امام پر نص کرتا رہے گا۔ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیر پر حاجیوں کے جمِ غفیر میں حضرت علی علیہ السلام کو اپنا

جانشین نامزد فرمایا اور اللہ کا اعلان سنایا اس جلسہ عام میں تقریباً اسلامی دنیا کے ہر گوشہ سے نمائندگان قوم شریک تھے جن پر صحابہ کی مقدس لفظ کا انطباق ہوتا ہے۔ شرکاء جلسہ کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار کے لگ بھگ تھی پس پالان ہائے شتر کے مثالی اور تاریخی سٹیج پر ایک عظیم الشان تقریر کے دوران میں آپ نے حضرت علیؑ کو منبر پر اپنے پاس کھڑا کیا اور ان کے بازو سے پکڑ کر اس قدر بلند کیا کہ حاضرین جلسہ نے دیکھا اور سمجھا۔ پس آپ نے فرمایا مَن کُنتُ مَولاہُ فَعَلِیٌّ مَولاہُ یعنی جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا علیؑ مولا ہے اس اعلان کے بعد صحابہ کرام نے حضرت علیؑ کو پیغامات تہنیت و مبارک باد بھی پیش کئے اور علیؑ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی اور یہ حدیث سنی و شیعہ تواریخ میں تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بعد کے لئے امام حسن کی امامت کا اعلان فرمایا اور پھر ہر امام بعد والے امام کے لئے نص کرتے رہے اور حضرت پیغمبر علیہ السلام کے بعد امتِ اسلامیہ میں بنص پیغمبر اماموں کی تعداد بارہ ہے جو سب کے سب آلِ رسول بنتے ہیں۔

(١) پہلا امام حضرت علی علیہ السلام
(٢) دوسرا امام حضرت حسن علیہ السلام
(٣) تیسرا امام حضرت حسین علیہ السلام
(٤) چوتھا امام حضرت علی بن الحسین زین العابدینؑ
(٥) پانچواں امام حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
(٦) چھٹا امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام
(٧) ساتواں امام حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
(٨) آٹھواں امام حضرت علی رضا علیہ السلام
(٩) نواں امام حضرت محمد تقی علیہ السلام
(١٠) دسواں امام حضرت علی نقی علیہ السلام
(١١) گیارھواں امام حضرت حسن عسکری علیہ السلام
(١٢) بارھواں امام حضرت ولی العصر صاحب الزمان مہدیؑ

پس یہ بارہ امام پیغمبر کے بعد امتِ اسلامیہ میں حجت خدا ہیں اور سب کے سب معصوم ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ کے جانشین برحق ہیں اس لئے گذشتہ تمام انبیاء سے افضل و اکمل ہیں بلکہ خدا کی پوری خدائی میں حضرت محمد مصطفےٰ کے بعد تمام کائنات نوری و خاکی و عرشی و فرشی اور علوی و سفلی سے برتر اور اشرف ہیں۔

خلقت نوری

حضرت پیغمبرؐ کی مشہور و معروف حدیث ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ یعنی سب سے پہلے خدا نے میرے نور کو پیدا کیا پس وہ نور جو اول مخلوق ہے چہاردہ معصومین علیہم السلام اسی ایک ہی نور سے ہیں یعنی پیغمبرؐ اور جناب فاطمہؑ اور بارہ امام پس نوری تخلیق میں مخلوق اول ہونے کا شرف ان کو حاصل ہے۔

علل اربعہ کی بحث

مرحوم شیخ احمد احسائی نے شرح زیارت جامعہ میں محمد و آل محمد علیہم السلام کو کائنات کے لئے علل اربعہ قرار دیا ہے۔

مجھے اُن کی یہ جدت پسند نہیں اور نہ میں اس تعبیر کو فائدہ مند سمجھتا ہوں بلکہ یہ اصطلاح اُلٹا ذہنی انتشار و اختلاف کی موجب ہوئی ہے جس کو بہت کم لوگ سمجھا اور سلجھا سکتے ہیں ورنہ اکثر قارئین اس دلدل میں خود بھی اُلجھ جاتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی ایک اُلجھاؤ پیدا کر دیتے ہیں۔

علت فاعلیہ

بلاشک و شبہ خداوند کریم تمام کائنات کا خالق واحد ہے اس بارے میں نہ وہ کسی مدد و آلہ کا محتاج ہے نہ کسی تحریک و تشویق کا حاجتمند ہے اور نہ کسی صلاح و مشورہ کی اس کو ضرورت ہے۔ بے شک اپنے لطف خاص سے اس نے محمد و آل محمد علیہم السلام کو نوازا اور کل کائنات کو ان کی خاطر ہی خلق فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ (اگر تو نہ ہوتا (اے پیغمبرؐ) تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا) تو چونکہ اس نے اپنے لطف خصوصی کے پیش نظر اور اپنے اختیار و مشیت سے ہی ان کو باعث تخلیق کائنات قرار دیا ہے لہذا باعث تخلیق ہونے کے پیش نظر مجازاً اگر ان پر علت فاعلی کا اطلاق کیا جائے جبکہ فاعل حقیقی خود اسی کی ہی ذات ہے اور اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں تو اس کو کفر یا شرک نہیں کہا جا سکتا جس طرح کاشتکار کو کہا جاتا ہے کہ اس نے فلاں زمین سے اسقدر غلہ پیدا کیا یا زمین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس زمین نے اس قدر غلہ پیدا کیا ہے حالانکہ درحقیقت پیدا کرنے والا وہی ایک اللہ ہے جس کا کوئی

شریک نہیں ہے بلکہ وہ تو فرماتا ہے کاشتکار اور زارع بھی میں خود ہوں۔ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ کیا تم زراعت کرتے ہو یا میں زراعت کرنے والا ہوں تو ہم کاشتکار کو ہاتھ پاؤں دل و دماغ اور جملہ قوتیں دینے والا اللہ ہے اسی طرح زمین کو قوت نامیہ عطا کرنا بھی اس کا فیض ہے۔ لہٰذا اگر مجازاً غلہ پیدا کرنے یا غلہ اگانے کی نسبت آلہ ہونے کے اعتبار سے کاشتکار کی طرف اور محل و مکان ہونے کے لحاظ سے زمین کی طرف دی جائے تو نہ کفر لازم آتا ہے اور نہ اس میں کوئی شرک ہے اور شیخ مرحوم نے اسی مثال کے ذریعے سے متعدد مقامات پر محمدؐ و آل محمدؐ کا مجازاً علت فاعلیہ ہونا بیان کیا ہے۔

علّت مادیہ

مجھے محمدؐ و آل محمد علیہ السلام کا کائنات کے لئے علتِ مادیہ قرار دینا بھی پسند نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ خداوند کریم نے معلولات کو اپنی علل کا اور مسببات کو اپنے اسباب کا مرہون منت قرار دیا ہے اور ہر ہونے والی چیز کے لئے حرکات و اسباب کا سلسلہ اس نے قائم کر دیا ہے لیکن اوّل مخلوق ہونے کی بنا پر باقی تمام مخلوق کیلئے ان کو اصل واحد قرار دینا اور تمام نیک و بد طاہر و نجس اور علوی و سفلی مخلوق کے لئے ان کو مادہ قرار دینا جن میں ان کی اپنی ذوات طاہرہ بھی داخل ہیں اور اُن کے دشمن بھی شامل ہیں کوئی اچھی تعبیر نہیں ہے اگرچہ بعض احادیث میں صراحت سے موجود ہے کہ ہمارے ہی نور سے عرش و کرسی زمین و آسمان اور شمس و قمر وغیرہ کی تخلیق ہوئی ہے اور علتِ مادیہ قرار دینے والے اس کی توجیہ بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ خیر کا خالق ہے اور شر اس کا عکس ہے جس طرح حیات کا خالق ہے اور موت اس کا عکس ہے یعنی وہ ملکہ کا خالق ہے اور عدم اس کا عکس ہے جس طرح جسم مخلوق ہے اور سایہ اس کا عکس ہے جو اس کو لازم ہوتا ہے پس طاہر و نیک و نوری مخلوق محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے نور کے وجودی پہلو سے مخلوق ہوئی اور نجس و بد و خاکی مخلوق اس کے عکس سے پیدا ہوئی۔ بہر صورت اس قسم کے مسائل کو عوام الناس کے ذہن سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

علّتِ صوریہ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی ذواتِ طاہرہ کو صورتِ کائنات کہنا بھی سابق کی طرح ایک پیچیدہ تاویل کے ماتحت ہے جس کو ہر ذہن صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا۔

علّتِ غائیہ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو پوری کائنات کے لئے علّتِ غائیہ کہنا بھی مجھے پسند نہیں ہے بلکہ میں اس کو درست نہیں سمجھتا جبتک کہ تاویل و توجیہ کا دروازہ نہ کھولا جائے حالانکہ علّتِ فاعلیہ و صوریہ و مادیہ ان کو نہ تسلیم کرنے والے بھی علّتِ غائیہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو تسلیم کرنے میں شیخ مرحوم کے ہمنوا ہیں۔ جہانتک میرے عقل و فہم کی رسائی کا تعلق ہے میرے نزدیک کل کائنات (جس میں محمدؐ و آلِ محمدؐ بھی شامل ہیں) کی علّتِ فاعلیہ بھی خدا ہے اور علّتِ غائیہ بھی وہی خدا ہے اور ان دونو حیثیتوں میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ فاعل وہ ہے جو کائنات سے اوّل ہو اور غایت وہ ہے جو آخر میں ہو۔ اور محمد و آلِ محمد علیہم السلام کائنات میں سب سے اوّل ہیں لیکن کائنات سے پہلے نہیں کیونکہ وہ خود کائنات میں ہو کر اوّل مخلوق ہیں اور کل کائنات سے پہلے صرف وہی ایک ذات ہے جو سب سے اوّل بھی ہے اور سب سے آخر بھی ہے اور وہ اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

مثلاً کرسی کا موجد کرسی سے پہلے ہوتا ہے اور کرسی کی غایت کرسی بننے کے بعد ہوتی ہے اور کرسی کا مادہ و صورت خود کرسی کا جسم ہے پس غایت وہی ہوگی جو کائنات کے بن چکنے کے بعد مرتب ہو اور اس میں شک نہیں کہ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کائنات بن چکنے کے بعد اس کے وجود پر مرتب نہیں ہوئے بلکہ کائنات کے مادہ و صورت کا اہم جزو ہیں اور ایسی جزو ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتے تو اس کل کائنات کی تکوین ہی نہ ہوتی اور کائنات کا وجود مکمل تب ہوگا جب اس کی آخری جزو بھی معرضِ وجود میں قدم رکھے گی اور وہ ہے حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کا دَور۔ پس اس لحاظ سے زمانِ رجعت کو ہی علّتِ غائیہ قرار دیا جائے گا۔

اور اگر زمانِ رجعت بھی کائنات کا حصہ شمار ہو تو کائنات کی غایت اس کی فنا ہے اور پھر قیامت اور پھر جنت یا جہنم۔ پس اول بھی خدا ہے اور آخر بھی خدا ہے جس کی رضا کا نتیجہ جنت اور غضب کا نتیجہ جہنم ہو گا۔

امام غائب

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر کا آخری جانشین بارہواں امام حضرت مہدی علیہ السلام غائب ہیں اور طویل غیبت کے بعد اللہ کے امر سے ایک دن ظہور فرمائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام چرخِ چہارم سے اتر کر ان کی بیعت کر کے ان کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے ان کی حکومت پوری روئے زمین پر ہو گی اور زمین کو امن و سکون اور عدل و انصاف سے پُر کریں گے جس طرح کہ جور و ظلم سے پُر ہو چکی ہو گی اور قرآن مجید میں اللہ کا وعدہ ہے اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (یعنی میری زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے)

غلو اور تفویض

علمائے امامیہ کے نزدیک ائمہ طاہرین علیہم السلام کے حق میں غلو یا تفویض کا قول صرف باطل ہی نہیں بلکہ کفر اور شرک ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ کا حضرت عزیر و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے حق میں غلو برداشت نہیں کیا اور ان کو شدت سے روکا ہے چنانچہ ارشاد ہوا لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ۔ یعنی اپنے دین کے معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرو پس اگر محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے حق میں غلو کو جائز قرار دیا جائے تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور لازم آئے گی یا تو یہود و نصاریٰ کے غلو کے خلاف قرآن مجید کے غیر مبہم فیصلے کو کالعدم ماننا پڑے گا اور اسے منسوخ ثابت کرنا ہو گا اور یہ ناممکن ہے کیونکہ اس سے دعوتِ توحید کی سراسر نفی لازم آتی ہے۔ اور یا قرآن مجید میں جنبہ داری تسلیم کرنی پڑے گی کہ جس نظریے کو غلط قرار دیکر اس نے یہود و نصاریٰ کو اس سے روکا ہے بعینہٖ اسی نظریئے کو مسلمانوں کے لئے اس نے صحیح قرار دیا ہے اور یہ بات جہاں ایک طرف قرآن میں تضاد بیانی کو ظاہر کرتی ہے وہاں اسلامی تعلیمات کے تقدس کو پامال کر کے رکھ دیتی ہے جو قرآن مجید ایسی عظیم الشان کتاب کے لئے شایانِ شان

نہیں ہے پس ماننا پڑتا ہے کہ غلو کرنا کسی بھی قوم کے لئے قرآن مجید کی رُو سے جائز نہیں ہے خواہ حضرت عزیر کے حق میں ہو یا حضرت عیسیٰؑ کے حق میں ہو یا حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے حق میں ہو۔

معصومین علیہم السلام سے ایک حدیث میں منقول ہے کہ لَا تَقُوْلُوْا اَنَا رَبًّا وَقُوْلُوْا فِیْنَا مَا شِئْتُمْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا یعنی ہمیں رب نہ کہو اور باقی جو کہو درست ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں خدا کا شریک نہ بناؤ اور خدائی افعال و اوصاف ہماری طرف منسوب نہ کرو البتہ مخلوق ہونے کی حیثیت سے جو کمال ہماری طرف منسوب کرو وہ دُرست ہے بلکہ پھر بھی تم جو کچھ ہمارے متعلق بیان کرو گے وہ ہمارے حق ادائیگی نہ ہو گی یعنی ہمارے مراتب تمہاری فہم و دانش سے بالاتر ہیں۔ غلو کا معنی ہے محمد و آل محمد علیہم السلام کو خدا یا خدا کا شریک ماننا اور تفویض میں کئی اقوال اور صورتیں بیان کی گئی ہیں اور اس کی واضح صورت یہ ہے کہ کہا جائے کہ خدا نے ان کو پیدا کر کے باقی تمام مخلوق کی پیدائش روزی اور جملہ کائنات کا نظم و نسق ان کے حوالے کر دیا ہے اور خود بے کار محض اور مجبور مطلق ہے یا یہ کہ ان کو اختیارات دے کر خود ان کا محتاج و بے بس ہے اور اب اس کے پاس کچھ نہیں رہا لہٰذا نہ اس سے دُعا مانگنے کی ضرورت ہے اور نہ اس کو پکارنے کا کوئی فائدہ ہے تو یہ عقیدہ رکھنا بالکل ملحدانہ ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والا یقیناً کافر و مشرک ہے اور جو بھی شیعہ ہے وہ محمد و آل محمد علیہم السلام اللہ کے متعلق نہ غلو کا قائل ہے اور نہ تفویض کا قائل ہے بلکہ شیعوں کے نزدیک محمدؐ و آل محمد علیہم السلام اللہ کے مخلوق ہیں اور اوّل مخلوق ہیں، اشرف مخلوق اور افضل مخلوق ہیں اور اس کی بے مثال عبادت گذار مخلوق ہیں۔ ہاں جس طرح ان کا نور تمام انوار سے اشرف و اعلیٰ ہے اسی طرح اُن کے اجسام تمام اجسام سے کامل تر اور اُن کی طینت تمام طینتوں سے افضل و اکمل ہے۔ پس ان کا نور تمام انوار میں بے مثال ہے اور اُن کے اجسام جسموں میں بے مثال ہیں اور ان کی طینت طینتوں میں بے مثال ہے لہٰذا یہ خدا کے بے مثال

کی بے مثال مخلوق ہیں اسی لئے ارشاد ہے لَا یُقَاسُ بِنَا اَحَدٌ یعنی ہمارے ساتھ کسی کا قیاس نہ کرو۔ یعنی ان کو کسی جیسا کہنا اور سمجھنا غلطی ہے پس ان کو خدا جیسا کہنا شرک ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اور ان کو اپنے جیسا کہنا کفر ہے کیونکہ یہ اپنی مثال آپ ہیں۔ نوری جنبے کے لحاظ سے یہ خدا سے وابستہ ہیں اور بشری جنبے کے اعتبار سے ہم ان تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں پس وہ فیوضِ توحید اُدھر سے لے کر ہم تک پہنچاتے ہیں اور ہماری دعائیں ان ہی کی وساطت سے بارگاہِ اجابت تک پہنچ سکتی ہیں۔

افراط و تقصیر

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا هَلَکَ فِیَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ غَالٍ وَ مُبْغِضٌ قَالٍ یعنی میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے یعنی اپنی عاقبت کو برباد کریں گے ایک وہ جو محبت کے نشہ میں اگر مجھے حد سے بڑھاتے ہوئے غلو کریں گے اور دوسرے وہ جو بغض کی پٹی آنکھوں پر باندھ کر مجھے اپنے حقیقی مرتبے سے کمتر سمجھیں گے پس جن لوگوں نے محمد و آل محمد علیہم السلام کی محبت میں حدود شریعت کو پھاند کر ان کو اللہ کا شریک بنا دیا وہ بھی ہلاک ہوئے اور جن لوگوں نے ان کو ہر حیثیت سے اپنے جیسا مان کر ان کی خصوصیات اور ان کے کمالات و معجزات و کرامات کا انکار کر دیا وہ بھی ہلاک و برباد ہوئے اور ایسے لوگ اگرچہ اپنے تئیں شیعہ کہلواتے رہیں لیکن درحقیقت وہ شیعہ نہیں بلکہ احادیث کے مضامین و مفاہیم کی روشنی میں وہ دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ کے زمرہ میں شامل ہیں۔

مسئلہ استمداد

دشمنانِ آل محمدؐ کے نزدیک چونکہ اللہ اور مخلوق کے درمیان آل محمدؐ کو وسیلہ قرار دینا ان کے مسلک کے باطل ہونے کی بین دلیل بنتی ہے لہٰذا ان کے قلب و جگر پر ان کو وسیلہ کہنا کوہ گراں کی طرح شاق ہے اسی بنا پر یا علی مدد اور یا عباس وغیرہ کے نعرے ان کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتے ہیں۔

لیکن سوچنے کے قابل یہ بات ہے کہ اگر ایک فرقے کے نظریئے کے ماتحت اللہ

اور مخلوق کے درمیان وسیلہ کی ضرورت نہ ہو تو کیا آزادیٔ ضمیر کے ماتحت اُس فرقہ کو یہ حق بھی پہنچتا ہے کہ وسیلہ کی ضرورت محسوس کرنے والوں کو زبردستی اپنا ہم خیال بنائے اور اُن پر اپنا نظریہ ٹھونسنے کی سعی لاحاصل میں دماغ کھپاتا پھرے ؟ تو میرے خیال میں انسانی فطری نظریاتی آزادی کے حق میں ووٹ دینے والے لوگ اس طرزِ عمل کو پست ہمتی اور کوتاہ نظری سے ہی تعبیر کریں گے۔

شیعہ لوگ جہاں اور جب بھی آلِ محمدؐ کو پکارتے ہیں یقیناً ان کو خدا یا خدا کا شریک جان کر نہیں پکارتے بلکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے جو والہانہ محبت ان کو ہوتی ہے اس کا اظہار یا محمدؐ یا علیؑ، یا فاطمہؑ، یا حسنؑ، یا حسینؑ، یا عباسؑ علیہم السلام کے الفاظ زبان پر لا کر کرتے ہیں اور اس طرح ان کو روحانی تسکین حاصل ہوتی ہے جس طرح ہر محب کو محبوب کے ذکر سے تسکین ہوا کرتی ہے۔

ثانیاً امیر شام نے جو حضرت علیؑ کی محبت پر بین لگایا تھا اور گلی گلی کوچہ کوچہ میں آپؑ پر سب وشتم کرنے کا آرڈی ننس جاری کیا تھا حتاکہ ہر خطیب و واعظ حضرت علیؑ کو منبروں پر سب کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتا تھا کیونکہ اس طریقہ سے وہ مقرب بارگاہِ حکومت سمجھا جاتا تھا اور جب تک اموی حکمرانوں کی جانب سے سب کرنیوالوں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی سب ہوتا رہا اور جب حکومت نے پہلو بدلا تو نظریاتی تبدیلیاں بھی منظر عام پر آگئیں۔ زبانوں سے تشدد کے قفل کھلے تو آلِ محمدؐ کے حق میں کچلے جانے والے جذبات، محبت از سرِ نو ابھرنے لگے پس جتنا بھی نامِ علیؑ کو دبایا گیا اس سے کہیں زیادہ ابھرتا گیا اور ولائے آلِ محمدؐ کی دبی ہوئی چنگاریاں از سرِ نو سلگنے لگیں اور دن بدن زور پکڑتی گئیں حتاکہ دلوں میں شعلۂ عشق بن کر بھڑک اٹھیں۔ پس زبانیں دل کے جذبات کو منظر عام پر لانے کے لئے بے تابانہ علی علی کا نعرہ بلند کرنے لگیں اور جہاں کہیں بھی دشمنانِ علیؑ کا جمگھٹ دیکھا متوالوں نے زور شور سے نعرہ ہائے حیدری بلند کرنا اپنا فریضۂ محبت قرار دیا۔ چنانچہ یا علی مدد کا ہمہ گیر فقرہ اسی

فلسفہ کے ماتحت روز افزوں اپنا حلقہ اثر بڑھاتا چلا گیا ہے۔ کیونکہ کسی بھی نظریہ پر جب تشدد کا پہرہ بٹھا دیا جاتا ہے تو دُور رس نگاہیں خواہ مخواہ اس کا تعاقب کرتی ہیں اور طبیعتیں اس کے جائز و ناجائز کا سراغ لگا کر کسی نتیجہ تک پہنچنے کے لئے بے چین رہتی ہیں، اسی لئے وُہ تحریک بہت زیادہ دور رس ہو جاتی ہے اور ہمہ گیر بن جاتی ہے جس کو تشدد سے دبانے کی کوشش کی جائے۔ ہم نے بعض موالیوں سے دریافت کیا کہ تم السلام علیکم کے بجائے یا علی مدد کیوں کہتے ہو تو جواب ملا کہ ہم چونکہ دشمنانِ علیؑ کو سلام کے قابل نہیں سمجھتے اسی لئے پہلے آزمائشی طور پر یا علی مدد کہتے ہیں پس اگر مخاطب نے مولا علی مدد کہکر محبت علیؑ کا ثبوت پیش کیا تو ہم اس کو سلام کے قابل سمجھ کر السلام علیکم کہتے ہیں ورنہ خاموشی سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

بہر کیف شیعہ کے نزدیک، چونکہ محمد و آل محمد علیہم السلام اللہ اور مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں۔ لہذا ان کی مدد سے مراد ان کو بارگاہِ خداوندی تک وسیلہ بنانا ہے لہذا یہ کہنا یا علی مدد اور یا عباس اور کنی یا اس قسم کے اور خطابات جن میں آل محمدؐ کو پکارا جاتا ہے۔ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے منافی نہیں۔ کیونکہ محمد و آل محمد علیہم السلام کی مدد درحقیقت اللہ کی مدد ہے۔ تفسیر انوار النجف جلد ۲ میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

آل محمدؐ کا مقام

حضرت علیؑ سے حضرت حجۃ العصر عج تک بارہ امام ہیں جو یکے بعد دیگرے حضرت محمد مصطفےٰؐ کے صحیح قائمقام اور جانشین ہیں لہذا گذشتہ تمام انبیاء سے افضل و اکمل ہیں اور انبیاء چونکہ باقی نوری و خاکی اور علوی و سفلی مخلوقات سے افضل ہوتے ہیں لہذا محمد و آل محمد علیہم السلام اللہ کی کل کائنات و مخلوقات سے اعلیٰ و اشرف ہیں اور تمام موجودات عالم کی سلطانی کا تاج ان کے سر پر ہے پس وُہ اللہ کی اعلیٰ و افضل مخلوق ہیں اور اللہ و مخلوق کے درمیان کامل وسیلہ ہیں۔

عزاداری

چونکہ عقل کا اہم اور اٹل فیصلہ ہے کہ جہاں ہادیانِ دین کی رہبری میں انسان

اوصافِ رذیلہ سے بچتے ہوئے خصائلِ حمیدہ کو اپنا کر اللہ کے نزدیک اپنا صحیح مقامِ قرب حاصل کرے وہاں ان ہادیانِ برحق کی یاد کو تازہ رکھنے کا بھی انتظام و اہتمام کرے جن کی بدولت اس کو انسانیت کا صحیح مقام نصیب ہوا ہے تاکہ اُن کے آثارِ حمیدہ اور مآثرِ جلیلہ کے تذکرہ سے دلوں کو غذاءِ ایمانی پہنچتی رہے اور اقوامِ عالم کے سامنے ان کے روشن کردار کی شمع تبلیغِ حق کے طور پر انسانوں کو اپنا گرویدہ بناتے ہوئے ان کو اسلامی تعلیمات سے مانوس کرسکے۔ اور تاریخ اسلام کا منہ کالا کرتے ہوئے امیر شام معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے دَورِ حکومت میں حضرت علی علیہ السّلام کے ذکرِ خیر پر پابندی عائد کی تھی اور سرکاری آرڈی ننس کے ذریعے حضرت علیؑ کی توہین و تنقیص کی نشر و اشاعت کو خوشنودئ حکومت کا وسیلہ قرار دیا تھا چنانچہ اس زمانہ کے تمام ذرائع و ابلاغِ عامہ کو اسی مقصد کے لئے بے دریغ استعمال کیا گیا تھا پس مبلغ و واعظ مقرر و خطیب اور مصنّف و مؤلف سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے حکومت کے دامِ تزویر میں پھنس گئے تھے اور انہوں نے اس بارے میں جھوٹی حدیثیں بھی گھڑلی تھیں

ہم نے اپنی کتاب "اسلامی سیاست" میں افسوسناک اموی سازش کا پیش منظر اور پس منظر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے پس بھیڑ چال لوگوں نے اس اموی تحریک سے اچھا خاصا اثر لیا اور علی و اولادِ علی علیہم السّلام کے خلاف اُگلی جانے والی زہر نے آنے والی نسلوں کے لئے بھی مسلسل زہریلے جراثیم چھوڑے چنانچہ آج تک بعض علاقوں میں حضرت علی علیہ السّلام کا نام تک سننے کو طبیعتیں گوارا نہیں کرتیں اور یہ صرف اسی دَور کے دُور رس پروپیگنڈے کے ہی مہلک اثرات ہیں

حضرت امام حسین علیہ السّلام کی شہادت اور آلِ محمّد کی مخدّراتِ عصمت کی اسیری اور دربدری نے اموی پروپیگنڈے کی قلعی کھول کے رکھ دی پس لوگوں کے لئے حق و باطل کے دونوں راستوں کو جاننا آسان ہو گیا لیکن جابر و قاہر حکومتوں نے اس واقعہ کو دبانے اور بے اثر ثابت کرنے کے لئے فقہاءِ اسلام کے سامنے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا اور تشدد و اکراہ کے شکنجے ڈھیلے ہوتے گئے تو زبانوں سے بھی قفل کھلتے گئے اور نیز حقیقت

پر ڈالے ہوئے باطل کے پردے بھی روز بروز اٹھتے گئے، پس دنیا نے دیکھ لیا کہ حق کسی بھی صورت میں باطل کے تمام تر ہتھکنڈوں کے باوجود مٹ نہیں سکتا بلکہ جتنا اسے دبایا جائے وُہ اس سے بھی زیادہ ابھرتا چلا جاتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام کے زمانہ میں اموی و عباسی دونوں طاقتیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں امویوں کے دَور اقتدار کی انتہاء اور عباسیوں کی ابتدأ کا زمانہ تھا پس اُنہوں نے مسجد نبوی میں علوم قرآنیہ کے درس دیئے اور لوگوں کو حقیقی اسلام کی تعلیمات سے بہرہ ور کیا اور اموی پروپیگنڈے کے زہریلے اور دور رس اثرات کو زائل کرنے کے لئے مجالس عزا کے انعقاد کا حکم دیا۔ تاکہ لوگ ظالم اور مظلوم کے درمیان فرق معلوم کر کے حق اور باطل کے درمیان فرق کر سکیں۔ پس اس سلسلہ میں اہل ایمان پر عائد شدہ ذمہ داریوں میں سے یہ بھی اہم ذمہ داری ہے کہ آل محمد کے ایام کو پُورے اہتمام سے منایا جائے پس ان کی ولادت کے ایام میں اُن کے فضائل سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے اور اُن کے مصائب کے ایام میں دُشمنوں کے مظالم اور آل محمدؐ کی مظلومی کو منظرِ عام پر لایا جائے تاکہ سیدھے سادے مسلمان حقائق کا علم حاصل کرنے کے بعد آل محمدؐ کے دامن سے وابستہ ہونے کی سعادت حاصل کر سکیں۔

اموی پروپیگنڈے سے متاثر ہونے والے بعض مولویوں نے فتویٰ دیدیا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت کی داستان کا منبروں پر بیان کرنا گناہ ہے کیونکہ اس واقعہ سے سابق بزرگوں کے متعلق بدگمانیاں بڑھتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ ہائلہ کربلا صرف یزید تک محدود نہیں بلکہ اس سے پہلے کے حکمرانوں کا بھی اس میں ہاتھ ہے۔

ذاکری

اس مقام کا بیان کرنا اگرچہ بہت سخت ہے اور دَورِ حاضر کی ذاکری روش نے اس کو افسوسناک حالت تک جا پہنچایا ہے لیکن اپنی ذمہ داری کے احساس کے ماتحت عرض کرنا بھی ضروری ہے خدا کرے اس کو استفادہ کی نیت سے دیکھا جائے نہ کہ نکتہ چینی کی

منظر سے اس میں شک نہیں کہ آل محمدؐ کی ذاکری ایک بہت مقدس کام ہے اور ذاکری کے ذریعہ سے آل محمدؐ کے پیغامات کی نشر و اشاعت اور ان کی مظلومیت کی داستان سنا کر ظالموں سے نفرت انگیزی ایک بہت بڑی عبادت ہے لیکن جب سے یہ ذاکری کسب معاش اور جلب دولت کا وسیلہ بنی ہے اس میں خلوص مفقود ہوتا جا رہا ہے حتاکہ جائز و ناجائز کے فرق سے بھی ناآشنا ہوتی جا رہی ہے۔ خوش الحانی سے ذاکری کرنا ممنوع نہیں لیکن بعض اوقات گانے والوں کی نقالی کرنا ذاکری کو داغدار کرتا ہے اور ایسی فضا پیدا کر دی گئی ہے کہ مصائب کے الفاظ خواہ کس قدر ہی پُر درد ہوں رونا نہیں آتا لیکن جونہی میٹھی اور دل پسند سُروں کا استعمال ہو فوراً طبعیتیں رونے کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اس رجحان کے بدلنے کے لئے غیر معمولی حوصلہ چاہیے اور اس سے زیادہ ذاکری کے میدان میں جو افسوسناک پہلو اختیار کیا گیا ہے وہ ہے روایت سازی اور یہ ایک نہایت خطرناک جسارت ہے ہر مجلس پڑھنے والا اپنی کامیابی کی خاطر اپنے بیان میں نمک مسالہ لگانا اپنا حق سمجھتا ہے اور روایتیں نئی نئی تیار کر کے مورخ کہلانا اپنا کمال سمجھتا ہے جہاں کتابوں میں ایک روایت کا نام و نشان تک نہیں ہوتا یا صرف ایک اشارہ مل جاتا ہے وہاں اسٹیج پر ہم پُورے گھنٹے کا مضمون سنتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں۔ کہ اس قدر روایت کہاں سے آگئی۔

تعجب بالائے تعجب اس امر پہ ہوتا ہے کہ خدا و رسول و آئمہ پر جھُوٹ منسوب کرنے کی ذرہ بھر جھجک نہیں ہوتی۔ اور چونکہ ماہِ رمضان کا روزہ خدا و رسولؐ و آئمہ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے سے باطل ہوتا ہے اگر کوئی مولوی یہ مسئلہ بتا دے تو فوراً اس کو دشمن اہلبیت کہہ کر خاموش کرا دیا جاتا ہے پھر ایسے خطرناک مقام پر کھڑا ہونے والا عالم ایسے دوراہے پر اپنے آپ کو محسوس کرتا ہے کہ بدھر قدم اٹھائے تاریکی ہی تاریکی ہے اگر خاموشی اختیار کرے تو اپنے فرائض سے کوتاہی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے روگردانی پہ بارگاہ خدا میں جوابدہی کا ڈر ہے اور اگر کہے کہ ایسا کرنا حرام ہے تو عوام کالانعام کی گمراہی کا ڈر ہے۔ کاش ہماری قوم اس نزاکت کو

محسوس کرتی اور ذاکرین میں اتنی ہوش ہوتی کہ کتب مصائب کا مطالعہ کر کے مزید فرضی واقعات کو بالکل منظر انداز کر دیتے۔

بعض اوقات ایسے واقعات پڑھے جاتے ہیں جن سے آل محمد کی توہین لازم آتی ہے لیکن رد کرنے کی جسارت کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ البتہ جہاں جہاں مناسب حال ہو تو اس کو مناسب حال کہہ کر جھوٹ سے گلو خلاصی ہو سکتی ہے لیکن پھر بھی کتب مصائب کے بھرپور مطالعہ کی ضرورت ہے۔

پھر افسوسناک پہلو یہ بھی سامنے آتا ہے کہ درسوں سے فارغ ہونے والے مولوی صاحبان جب اسٹیج پر قدم رکھتے ہیں تو وہ بھی تاریخ سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں اور ذاکروں کی ہی نقالی پر اکتفا کرتے ہیں اور اُن سے سُننے والے بڑے طمطراق سے کہہ دیتے ہیں کہ فلاں عالم سے ہم نے سُنا تھا حالانکہ اس روایت کا اصل مدرک ذاکر ہی ہوتا ہے ان کمزوریوں پر جسقدر رویا جائے کم ہے خداوند کریم اسٹیج پر آنے والوں کو صحیح مطالعہ کرنے اور جھوٹ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قیامت

خداوند کریم نے اپنے لطف عمیم اور فیض جسیم سے انسانی زندگی کو خوشگوار بنانے اور پُرامن و پُرسکون کرنے کے لیے جہاں اقدار انسانیہ کی تعلیم و ترویج کے لئے اپنی جانب سے معصوم نمائندے بھیجے وہاں کرامت و شرافت انسانیہ کے مقبول عام کرنے کی خاطر باز پرس کے لیے بھی ایک دن مقرر فرما دیا تاکہ اپنی ہدایات پر عمل کرنے والوں کو انعام و اکرام کے طور پر جنت عطا فرمائے اور انسانی شرافت کی حدود کو توڑ کر معاشرتی و تمدنی زندگی کو بدامنی دبے چینی کی نذر کرنے والوں کو دائمی جہنم کی سزا دے۔

کفار مکہ اور مشرکین قریش کے لئے جو آوارہ مزاجی اور آزادانہ عیاشی کی خاطر ہر بھیانک جرم کے کرگذرنے کو اپنی روشن ضمیری، بلند نگری، ارتقاء پسندی اور جرأت مندی شمار کرتے تھے۔ جس طرح عقیدہ توحید بار خاطر تھا اسی طرح قیامت کا تصور بھی فرسودہ خیالی سمجھتے تھے پس قرآن مجید نے جہاں توحید کے عقیدہ پر ناقابلِ تردید براہین پیش کرکے انہیں باطل مصنوعی خداؤں کے بجائے خدائے واحد حقیقی کا قائل کیا اسی طرح عقیدہ قیامت کو بڑے زور و شور سے بیان کیا اور اس بارے میں ان کے دلوں میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو احسن انداز سے رد فرما کر نے والے روزِ جزا و سزا کو ایسے طرزِ بیان سے پیش کیا کہ لوگ جوق در جوق حوزۂ اسلامیہ میں داخل ہوتے چلے گئے۔

ان کا سب سے بڑا اور سنگین سوال یہ تھا کہ مٹی ہو جانے اور گل سڑ جانے کے بعد انسان کو دوبارہ کس طرح اٹھایا جائے گا۔ اس کا جواب نہایت مختصر اور قابلِ قبول طریقہ سے دیا کہ جو اللہ تمام مخلوق کو پہلی دفعہ کتم عدم سے معرضِ وجود میں لا سکتا ہے اور پہلی دفعہ ایسا پیدا کیا۔ کہ کسی لحاظ سے اس میں کوئی سقم نہیں نہ تخلیق میں سقم ہے نہ نظم و نسق میں کوئی خرابی ہے اور کائناتِ عالم میں بار بار تدبر کرنے کی دعوت دی کہ اگر ان میں کوئی سقم ہے تو بتاؤ اور جب کوئی سقم نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس کا پیدا کرنے والا قادرِ حکیم ہے تو جو پہلی دفعہ پیدا کر سکتا ہے اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے کیونکہ دوبارہ چیز کا بنانا اس کی ایجاد سے بدرجہا آسان تر ہوتا ہے پس تمام انسان انہی دنیاوی جسموں کے ساتھ زندہ ہو کر محشور ہوں گے۔

بہر کیف جب انسان کو یقین ہو جائے کہ میں نے ایک دن ضرور اللہ کی بارگاہ میں جوابدہی کے لئے کھڑا ہونا ہے تو اس کو عاداتِ رذیلہ سے بچنے اور اوصافِ حمیدہ سے متصف ہونے کا ایک اور محرک دستیاب ہو جائے گا پس انسانی کردار کی تصحیح کے لئے خالق نے انسان پر احسان کے طور پر کئی محرک پیدا کر دیئے تاکہ انسانی زندگی پُرسکون رہے۔

(۱) اس نے انسان کو عقل بخشی تاکہ اس کے ذریعے سے بُری عادات سے اجتناب کرکے نیک

عادات کو اپنے اندر جذب کرے۔

(۲) اُس نے اپنی جانب سے معصوم نمائندے نبی اور امام بھیجے تاکہ انسانوں کے لئے صحیح و غلط راستوں کی نشاندہی کریں اور سیدھے رستے پر چلنے کے فوائد اور غلط راستہ پر چلنے کے نقائص کی وضاحت کریں۔

(۳) موت مقرر کر دی اور اس کے وقت کا علم انسان کو نہ دیا تاکہ ایک طرف زندگی میں اطمینان محسوس کرے اور دوسری طرف زندگی کو چند روزہ سمجھتے ہوئے ناپاک عادات سے گریز کرے اور نیک عادات کو اپنائے کیونکہ موت کے تصور کے پیش نظر ظلم و جور اور دیگر بُری صفات سے بچنے کی صورت آسان ہو جاتی ہے اور نفس پرستی کا جوش ٹوٹ جاتا ہے۔

(۴) قیامت کا دن جزا و سزا کے لئے مقرر کر دیا تاکہ اگر انسان کو آوارگی کی طرف نفس امارہ دعوت دے تو قیامت کا تصوّر اس کو بھٹکنے سے بچائے۔

(۵) میزان و حساب کا اعلان کر کے انسان کو ہر چھوٹی سے چھوٹی غلطی کرنے سے روک دیا اور ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو چھوڑنے سے منع کر دیا تاکہ معاشرہ انسانی نہایت خوشگوار رہے۔

(۶) نیکی کرنے والوں کو جنت الخلد کی پیش کش کر دی کہ قیامت کے دن صرف باز پرس اور جوابدہی پر اختتام نہ ہو گا۔ بلکہ خدا کے فرمانبرداروں اور حقوق النفس حقوق اللہ اور حقوق الناس سے عہدہ برا ہونے والوں کو دائمی انعام کے طور پر جنت عطا ہو گی جس میں نہ موت ہو گی نہ غم ہو گا اور نہ حزن و ملال ہو گا۔

(۷) انسانی شرافت و کرامت کی قدر نہ کرنے والوں اور انسانی اقدار کو پامال کرنے والوں کو قیامت کے دن حساب کے بعد جہنم کے جیلخانہ میں قید دی جائے گی جس کا عذاب اختتام پذیر نہ ہو گا۔

(۸) قرآن مجید میں خدا نے اپنے احسان و اکرام کا بار بار تذکرہ کر کے لوگوں کو احسان شناسی کے طور پر بھی بری عادات سے بچنے اور نیک عادات کو اپنانے کی طرف رغبت دلائی دعا ہے

کہ خداوند کریم تمام انسانوں کو شرافتِ انسانیہ کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہی نظام مصطفےٰ ہے جس کے لئے امن پسند شرفا ترستے ہیں۔

ذکرِ موت

جہاں آبادی کے تناسب کو قائم رکھنے کے لئے موت ضروری ہے وہاں اخلاق ناشائستہ سے گریز کرنے اور شائستہ عادات سے مزین ہونے کے لئے موت کا ڈر بہت بڑا محرک ہے اسی لئے جب کسی نے اپنی قساوتِ قلبی یا کسی دوسری نہ چھوٹنے والی بدعادت کا شکوہ کیا تو معصوم نے اس کو ذکرِ موت کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ اس مضمون کی ایک روایت گذر چکی ہے اور اسی ہی مصلحت کی بناء پر قبرستان میں جانا اور اہلِ قبور کا فاتحہ پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے تاکہ جہاں ان کے ایصال ثواب کا فائدہ ہو وہاں خوف موت کی وجہ سے برائیوں سے نفرت کی دعوت بھی ہو اور نیک لوگ اپنی زندگی میں اپنی قبر اور کفن تیار کر لیتے ہیں تاکہ ان کو دیکھ کر نیک اعمال کی طرف رغبت پیدا ہو اور برائیوں سے کنارہ کشی حاصل ہو۔ لمبی امیدیں جو انسان کو آخرت کے اعمال سے غافل کر دیتی ہیں ان کو ذکرِ موت سے ہی گھٹایا جا سکتا ہے۔

خداوند کریم نے موت کو اپنے علم تک محدود رکھا ہے اور مخلوق کو اس کا علم نہیں دیا تاکہ زندگی کے کاروبار میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور تمدنی زندگی کی رونق خراب نہ ہو نیز اچانک موت کی آمد کے خطرہ سے انسان ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھ سکے پس نیکی کے کاموں میں عجلت اور برائیوں کو چھوڑنے اور توبہ کرنے میں تعجیل اسی صورت میں ہی ہو سکتی ہے جب موت کے وقت کا پتہ نہ ہو

مومن کی موت

بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت رسالتمآب سے نقل فرمایا کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو خدا دو ہواؤں کا رُخ اس کی طرف پھیر دیتا ہے ایک کا نام مُنسیہ اور دوسری کا نام مُسخیہ ہے پس جب ہوائے مُنسیہ چلتی ہے تو اُس کو اپنے عزیز و اقارب سب بھول جاتے ہیں اور جب مُسخیہ چلتی ہے تو وہ اپنے رُوح کی سخاوت کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے اور موت کو پسند کر لیتا ہے۔ حضرت امام

جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کیا مومن قبض رُوح کو ناپسند بھی کرتا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ بلکہ ملک الموت قبض روح کے لیے اس کے پاس آتا ہے تو پہلے مومن گبھراتا ہے لیکن ملک الموت اس کو کہتا ہے اے اللہ کے دوست تم گبھراؤ نہیں مجھے اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد مصطفےٰ کو نبی برحق مبعوث فرمایا میں تیرے مہربان باپ سے بھی زیادہ تجھ پر شفقت اور نرمی کا سلوک کروں گا۔ اب ذرا آنکھیں کھولو اور دیکھو چنانچہ وہ دیکھتا ہے تو اس کے سامنے حضرت پیغمبرؐ حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ اور باقی آئمہ کی مثالیں موجود ہوتی ہیں اور اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت رسول خدا حضرت امیرالمومنین جناب بتولؑ جناب حسنؑ اور جناب حسینؑ اور باقی آئمہ طاہرینؑ علیہم السلام موجود ہیں جن کے ساتھ تو نے رہنا ہے پس وہ ان کی زیارات سے مشرف ہوتا ہے پس رب العزت کی جانب سے ایک منادی ندا کرتا ہے۔ یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اِلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَهْلِ بَیْتِهٖ اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً بِالْوِلَایَةِ مَّرْضِیَّةً بِالثَّوَابِ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ یعنی مُحَمَّدًا وَّ اَهْلَ بَیْتِهٖ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ ترجمہ اے نفس مطمئنہ (جو محمد و آل محمد سے مطمئن ہے) اپنے رب کی طرف رجوع کر کہ تو ولایت پر راضی ہے اور تجھے ثواب سے راضی کیا گیا ہے پس میرے بندوں (یعنی محمد و آل محمد علیہم السلام) کے زمرہ میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو پس اس وقت مومن مرنے والے کے لئے قبض روح سے زیادہ کوئی شیئے محبوب تر نہیں ہوتی اور خوشی خوشی اُس ندا کے ساتھ چلا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ جب مرنے والے مومن کا کلام بند ہو جاتا ہے تو حضرت رسالتمآبؐ اور دوسرے بزرگوار تشریف لاتے ہیں پس رسولِ خدا دائیں جانب اور دوسرے بائیں جانب بیٹھتے ہیں اور حضرت رسولِ خدا فرماتے ہیں کہ اے بندۂ خدا یہ تیرا وہی امام ہے جس کی تو وِلا رکھتا تھا اور جس چیز کا تجھے خوف تھا اب تو اس سے امن میں آچکا ہے پس دروازہ جنت کو اس کے سامنے کھول کر کہا جائے گا کہ یہ تیری جنت

میں رہائش گاہ ہے اگر تو چاہے تو تمہیں واپس دنیا کی طرف لوٹاتے ہیں اور اب وہاں بھی تیرے لئے سونے وچاندی کا انبار ہوگا لیکن مومن جواب میں کہتا ہے کہ اب مجھے واپس دنیا میں جانے کی ضرورت نہیں ہے پس اس کا رنگ سفید ہو جائے گا اور پیشانی پر پسینہ کے قطرات نمودار ہوں گے ہونٹ سکڑیں گے ناک کے نتھنے کھلیں گے اور بائیں آنکھ سے آنسو نکلیں گے۔ اور ان علامتوں میں سے کوئی ایک علامت بھی ظاہر ہو تو وہ کافی ہے پس رُوح جسم سے باہر آئے گی تو پھر ایک مرتبہ اس کو واپس دنیا میں جانے کا اختیار دیا جائے گا لیکن مومن آخرت کو دنیا سے ترجیح دے گا پس رُوح خود اپنے جسم کے غسل دینے اور جسم کو حرکت دینے میں غسال کے ساتھ شریک ہوتی ہے جب جسم کو کفن میں داخل کیا جاتا ہے اور تابوت یا چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو قبرستان کی طرف اس کی رُوح سب سے آگے چلتی ہے پس (استقبال کے طور پر مومنوں کے ارواح اس کو آکر ملتے ہیں اور اس کو سلام کے بعد اللہ کی جانب سے ملنے والی نعمات کی خوشخبری سناتے ہیں۔ پس جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو کمر تک رُوح اس میں واپس آجاتی ہے اور اُس سے (عقائد کا) سوال کیا جاتا ہے پس جب جواب دے چکتا ہے تو اُس کے سامنے جنّت کا وہی دروازہ کھول دیا جاتا ہے جو مرنے سے پہلے رسولؐ اللہ نے اس کو دکھلایا تھا پس مومن کو جنّت کا نور ٹھنڈک اور خوشبوئیں گھیر لیں گی۔ اس مقام پر پہنچ کر سائل نے دریافت کیا کہ حضورؐ! پھر فشار قبر کہاں گیا؟ آپ نے فرمایا یہ چیز مومنین کے لئے نہیں ہے۔ اسی بات کا تو ایک زمین دوسری زمین پر فخر کرتی ہے کہ میری پشت کے اُوپر ایک مومن چل رہا ہے اور تیری پشت پر مومن نے قدم نہیں رکھا۔ اب جو قبر میں پہنچے گا تو زمین کہے گی اے مومن جب تو میری پشت پر چلتا تھا تو میں تجھے دوست رکھتی تھی اب جبکہ تو میرے پاس پہنچ گیا ہے تو تُو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں پس اس کی حدِ نگاہ تک قبر کشادہ ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم تمہارے اعمال ہی قبول ہوا کرتے ہیں اور بخشش ضرور تمہارے ہی لئے ہے پس راحت سرور خنکی چشم اور تمہارے درمیان

صرف قبض روح کا ہی فاصلہ ہے۔
آپ نے پھر تفصیل سے اس مقصد کو دہرایا اور فرمایا کہ مرنے کے وقت جناب رسولِ خدا حضرت علیؑ حضرت جبرئیلؑ اور حضرت (عزرائیل) ملک الموت مرنے والے کے پاس بیٹھتے ہیں۔ پس حضرت علی علیہ السلام کہتے ہیں اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ شخص ہم اہلبیت کا دوست ہے آپ بھی اس سے محبت کریں پس حضرت رسولِ خدا جبریل کو فرماتے ہیں۔ کہ یہ شخص اللہ و رسولؐ و آل رسول کا محب ہے اور جبریل یہی کلمہ ملک الموت کے سامنے دہرا کر کہتا ہے کہ تم بھی اس سے محبت کرو اور اس کے ساتھ نرمی کرو چنانچہ ملک الموت نزدیک ہو کر کہتا ہے اے بندہ خدا کیا تجھے آزادی کا پروانہ مل چکا ہے اور برأت کے لئے امان نامہ تجھے حاصل ہو چکا ہے یعنی تو نے دنیا میں عصمت کبریٰ کے ساتھ تمسک کیا تھا۔ پس مرنے والا بتوفیق خدا جواب دیتا ہے کہ ہاں! پس ملک الموت پوچھتا ہے کہ وہ (عصمت کبریٰ) کیا چیز ہے؟ تو مومن کہتا ہے کہ وہ ولایت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے پس ملک الموت کہتا ہے کہ درست ہے اور تجھے جس چیز سے خطرہ تھا اب تو امان میں آچکا ہے اور جس چیز کی تجھے امید تھی وہ تجھے مل چکی ہے اب حضرت رسولؐ خدا حضرت علی اور حضرت فاطمہ علیہم السلام کی ہمراہی کی تمہیں مبارک ہو پس اس کی روح نہایت نرمی سے قبض کی جاتی ہے پس اس کا کفن اور حنوط (مسک اذفر) جنت سے آتا ہے اور اس کو جنت کے کفن میں داخل کیا جاتا ہے اور جنت کا حنوط اس کو کیا جاتا ہے اور زرد رنگ کے حلہ بہشتی کا اس کو لباس پہنایا جاتا ہے پس جب قبر میں اتارا جاتا ہے تو اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس کی خوشبو اس کے مشام تک پہنچتی ہے پھر اس کے سامنے دائیں بائیں ہر طرف ایک ماہ کی مسافت کے برابر قبر کو کشادہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ نَمْ نَوْمَةَ الْعُرُوْسِ یعنی اس کیف سے سو جاؤ جس طرح شادی کی پہلی رات جوڑا خوشی و سرور کی لہروں میں ڈوب کر بستر آرام و راحت پہ سویا کرتا ہے اور تمہیں نعیم جنت اور رضائے پروردگار کی مبارک ہو

پس وُہ جنت میں آلِ محمدؐ کی زیارت کا شرف حاصل کرتا ہے اور اُن کے ہمراہ کھاتا اور پیتا ہے اور ان کے ساتھ باتیں بھی کرتا ہے پھر جب ہمارا قائم ظہور فرمائے گا تو یہ مومن ٹولہ ٹولہ ہو کر لبیک لبیک کہتے ہوئے ان کی خدمت میں پہنچیں گے۔ پس باطل پرست شک میں مبتلا ہوں گے اور مقربون نجات پائیں گے۔ حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ یا علیؑ تیری اور میری ملاقات وادیٔ سلام میں ہو گی۔

کافر کی موت

روایت سابقہ میں ہے کہ جب کافر مرنے لگتا ہے تو حضرت علیؑ کہتے ہیں یا رسول اللہ! یہ ہم اہل بیت سے بغض رکھتا تھا۔ اور حضرت رسولِ خداؐ جبریل سے کہتے ہیں اور جبریل ملک الموت سے کہہ کر اس کی موت کی سختی کی سفارش کرتا ہے پس ملک الموت مرنے والے کی قریب آ کر پوچھتا ہے کہ کیا تو نے آزادی کا پروانہ اور امان نامہ حاصل کر لیا ہے یعنی عصمت کبریٰ کے ساتھ تُو نے تمسک پکڑا تھا؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ نہیں۔ پس ملک الموت کہتا ہے اے دشمنِ خدا! تجھے اللہ کے غضب عذاب اور آتشِ جہنم کی بشارت ہو کیونکہ تجھے جس چیز کا ڈر تھا اب تو اس میں گرفتار ہو چکا ہے پس اس کی رُوح کو سختی سے قبض کرتا ہے پھر تین سو شیاطین اس کے منہ پر تھوکتے ہیں اور جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کی طرف دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے کہ اس کی بدبو اور گرمی سے قبر پُر ہو جاتی ہے۔ الخبر ملخصًا

وادیٔ سلام

بروایت کافی حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر تمہارے سامنے سے پردے اٹھا دیئے جائیں تو تم دیکھو گے کہ مومن گروہ گروہ بن کر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ وُہ اجسام ہوتے ہیں۔ یا ارواح تو آپ نے فرمایا کہ ارواح ہوتے ہیں اور مومن جہاں کہیں بھی مرتا ہے اس کی رُوح کو

وادی سلام میں پہنچایا جاتا ہے جو جنت عدن کا ٹکڑا ہے۔ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا بھائی بغداد میں ہے اور میں وہاں اس کی موت کو پسند نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا فکر مت کرو جہاں بھی مرے کوئی حرج نہیں۔ مشرق و مغرب میں جہاں بھی مومن مرتا ہے اس کی رُوح کو وادی سلام میں بھیجا جاتا ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ وادی سلام کونسی جگہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ ظہر کوفہ (یعنی نجف اشرف کا علاقہ) مومن وہاں اکٹھے بیٹھ کر آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا جب ایک نئی رُوح اُن کے پاس پہنچے تو ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ اس کو آرام کر لینے دو کیونکہ یہ ایک سخت خطرے سے گذر کر آیا ہے پھر بعد میں پوچھتے ہیں۔ کہ فلاں، فلاں کی کیا حالت ہے؟ تو وہ جواب میں جس کے متعلق کہہ دے کہ میں اس کو زندہ چھوڑ آیا ہوں تو وہ اس کے لئے نیکی کے خاتمہ کی دُعا کرتے ہیں اور اپنے پاس پہنچنے کی اُمید رکھتے ہیں اور جس کے متعلق کہدے کہ وہ تو پہلے مرچکا ہے وُہ کہتے ہیں کہ وُہ ہلاک ہوگیا (کیونکہ اگر جنتی ہوتا تو یہاں تک پہنچ چکا ہوتا) معصوم سے دریافت کیا گیا کہ مومن مرنے کے بعد اپنے گھر والوں کے پاس بھی آتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! سائل نے پوچھا کتنے عرصہ میں؟ تو آپ نے فرمایا جمعہ کے دن یا ہر مہینے میں ایک دفعہ یا ہر سال میں ایک مرتبہ اور یہ اس کے اعمال کی طاقت پر منحصر ہے۔

وادی برہوت

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا جہنم کا بدترین کنواں جس میں کفار کے ارواح رہتے ہیں اس کا نام برہوت ہے اور فرمایا زمین کے پانیوں میں سے بدترین پانی برہوت کا پانی ہے اور وُہ حضر موت کے علاقہ میں ہے جہاں کفار کے ارواح بھیجے جاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ کفار کے ارواح کو جہنم کی آگ میں رات بھر معذب کیا جاتا ہے اور جب صبح ہوتی ہے تو ان کو علاقہ یمن کی وادی برہوت میں بھیجا جاتا ہے جس کی گرمی دنیا کی آگ سے بہت زیادہ ہے پس کافروں کے ارواح وہاں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔

پھر شام کے وقت جہنم کی طرف واپس کئے جاتے ہیں اور روایت میں ہے کہ جو لوگ آلِ محمدؐ سے عداوت رکھتے ہیں اور ناصبی ہیں وہ بھی قبل از قیامت کافروں کی طرح داخلِ عذاب رہیں گے اور جب قیامت قائم ہو گی تو نارِ خلد کی طرف روانہ کئے جائیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے ارواح بھی وادی برہوت میں بھیجے جاتے ہیں۔

موت کے وقت عمل کی حاضری

بروایت کافی حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ مرتے وقت انسان کے سامنے تین چیزوں کی مثال کو لایا جاتا ہے۔

(۱) مال کی مثال کو اس کے سامنے لایا جاتا ہے تو مرنے والا اپنے مال کو دیکھ کر حسرت بھرے لہجے سے کہتا ہے میں نے تجھے بڑی محبت و پیار سے جمع کیا تھا۔ کیا اب تو میری مدد کر سکتا ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ مجھ سے تو صرف کفن ہی لے سکتا ہے اور بس۔

(۲) پھر حسرت بھری نگاہوں سے اپنی اولاد کی مثال کو دیکھتا ہے کہ میں تمہارا محافظ اور دوست تھا اب تم میری کیا مدد کر سکتے ہو تو جواب ملتا ہے کہ ہم قبر تک تیرے ساتھی ہیں۔ اور دفن کر کے ہم واپس آ جائیں گے۔

(۳) تیسرے نمبر پر عمل کی مثال اس کے سامنے آتی ہے تو نہایت یاس و ناامیدی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے کہ بخدا میں تم سے گریز کرتا تھا اور تم میرے اوپر ایک بارِ گراں تھے لیکن اب اس عالمِ وحشت میں میں حاجتمند ہوں تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔ عمل کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ قبر و حشر میں تیرے ساتھی ہیں اور تجھے کسی بھی حالت میں چھوڑ کر نہ جائیں گے پس مومن اور خدا دوست انسان کے لئے عمل نہایت خوبصورت پاکیزہ اور دلکش منظر میں پیش ہو کر اسے دارالامان جنت النعیم کی خوشخبری سناتا ہے۔ پس انسان دریافت کرے گا کہ تو کون ہے؟ تو جواب دے گا میں تیرا نیک عمل ہوں تو نے اب دنیا سے منتقل ہو کر جنت کی طرف جانا ہے پس مومن اپنے غاسل اور اٹھانے والوں کو

جانتا ہے اور جب قبر میں داخل ہوتا ہے تو دو فرشتے اس سے سوالات کرتے ہیں اور وہ صحیح جواب دیتا ہے پس اس کی قبر کو حدِ نگاہ تک وسیع کر دیتے ہیں اور اس کے سامنے جنت کا دروازہ کھول دیتے ہیں لیکن غیر مومن کے لئے عمل نہایت بُری شکل میں پیش ہو کر اس کو دوزخ کی بشارت دیتا ہے اور قبر میں جب فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں تو وہ لاجواب ہوتا ہے پس اس کے سامنے جہنم کا دروازہ کھول دیتے ہیں پس تا روزِ قیامت سانپ اور بچھو اس کو ڈستے رہتے ہیں اور وہ معذّب رہتا ہے ہم نے روایت میں اختصار سے ترجمہ پیش کیا ہے

فشارِ قبر پہلے ایک روایت میں گذر چکا ہے کہ مومن کے لئے فشارِ قبر نہیں ہوگا لیکن دوسری روایات میں ہے کہ معصوم نے فرمایا بہت کم لوگ ہوں گے جو فشارِ قبر سے بچ سکیں گے اور حضرت سعد بن معاذ صحابی رسولؐ کے متعلق وارد ہے کہ حضورؐ نے خود اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور ستر ہزار ملائکہ نے اس کی تشییع میں شمولیت کی حضرت پیغمبرؐ نے آسمان کی طرف سر بلند کیا اور پھر فرمایا سعد جیسے انسان کیلئے بھی فشارِ قبر ہے اور فرمایا یہ اس لئے ہے کہ گھریلو معاملات میں اپنی اہل کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش نہ آتا تھا۔

عالمِ برزخ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عمر بن یزید نے سوال کیا کہ حضور! میں نے آپ سے سُنا ہے کہ ہمارے شیعہ جنّت میں جائیں گے آپ نے فرمایا میں نے سچ کہا ہے خدا کی قسم وہ جنّت میں جائیں گے۔ راوی نے عرض کی کہ گناہانِ کبیرہ کا کیا بنے گا؟ تو آپ نے فرمایا بروزِ محشر نبیؐ و علیؑ کی سفارش سے مومن کا انجام جنّت ہوگا البتہ مومنوں کیلئے برزخ کے عذاب کا خطرہ تو ہے راوی نے پوچھا کہ برزخ کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا قبر میں وقتِ موت سے لیکر حشر و نشر کے حساب کے زمانہ تک۔

نفخِ صور خداوند کریم نے اس عالم کی تخلیق کے ساتھ اس کی انتہا کی بھی ایک حد مقرر کی ہے لیکن جس طرح اس کی ابتدا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ ابتدا کی تاریخ کونسی ہے کیونکہ زمانہ اور زمانیات کا تعین کائنات عالم کی ابتداء کے بعد ہُوا ہے پس جس طرح اس کی ابتداء کا تعین ناممکن ہے اسی طرح اس کی انتہا کی تاریخ کا تعین بھی ناممکن ہے اور خداوند کریم جس طرح اس عالم کی ابتداء کو جانتا ہے اسی طرح اس کی انتہا کو بھی وہی جانتا

ہے کیونکہ وہ اسکی ابتداء سے پہلے بھی ہے اور اس کی انتہاء کے بعد بھی ہے یعنی ازلی بھی ہے اور سرمدی بھی ہے۔ اور جسطرح کسی بھی انسان کو نہ اپنی موت کا وقت معلوم ہے اور نہ کسی دوسرے انسان کی موت کا وقت جانتا ہے بلکہ کسی نبات و حیوان کی موت کے وقت کا بھی تعین کسی کے پاس نہیں ہے بلکہ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی کسی صنعت کی صحیح اور فکس گارنٹی بھی کوئی کاریگر نہیں دے سکتا مثلاً راج نہیں بتاسکتا کہ میری بنائی ہوئی دیوار کی مدت عمر کیا ہے گھڑی ساز نہیں بتاسکتا کہ میری بنائی ہوئی گھڑی کی فکس اور صحیح عمر کیا ہے وعلی ہذا القیاس، حالانکہ یہ یقین ہے کہ ان مصنوعات کی بقا کی کوئی نہ کوئی حد ضرور ہے جس طرح کہ ہر ذی روح کی حیات کی حد مقرر ہے تو جب انسان انتہائی کمال حاصل کرنے کے باوجود بھی موجودات عالم کی کسی بھی جزئی کی انتہا کا تعین نہیں کرسکتا تو پوری کائنات کی انتہا کا تعین وہ کیسے کرسکتا ہے۔

پس یہ پورا عالم جس طرح ازلی نہیں اسی طرح یہ سرمدی و ابدی بھی نہیں کیونکہ حادث کی شان یہی ہے پس ماننا پڑتا ہے کہ اس عالم کی فنا کا ایک دن ضرور آئے گا جبکہ تمام عالم ایک مرتبہ آغوش عدم میں جا دم لے گا لیکن اس دن کا تعین سوائے علام الغیوب خالق کے اور کسی کو نہیں ہے۔

شریعت مقدسہ نے اس فنا کو نفخ صور کا نتیجہ قرار دیا ہے یعنی بحکم پروردگار حضرت اسرافیل صور پھونکے گا اور سب ذی روح بیک وقت موت کی نیند سو جائیں گے مضمون روایات کے ماتحت پہلے زمین والے فنا ہوں گے پھر اہل سما پر فنا آئے گی۔ حتاکہ جبرئیل میکائیل، عزرائیل بھی مرجائیں گے اور اسرافیل بھی بحکم پروردگار موت کا ذائقہ چکھے گا اور زمین و آسمان پر بھی فنا آئے گی پس ایک لمبی مدت تک سناٹا چھایا رہے گا اور اس مدت کو بھی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا پس ایک ندا گونجے گی۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ - یعنی دنیا میں اپنی ملکیتوں کے دعوی کرنے والوں کو سرزنش کے طور پر خطاب ہوگا کہ بتاؤ اب ملک کس کا ہے؟ تو ندائے غیبی خود اس کا جواب دے گی۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یعنی سب ملک حقیقتاً اس اللہ کا ہے جو واحد اور قہار ہے (یہ سوال وجواب زبانِ تکوین سے ہی ہوں گے) پھر ایک مدت کے بعد جس کو اللہ ہی جانتا ہے دوبارہ اسرافیل اٹھایا جائے گا اور وہ پھر دوسری دفعہ نفخ صور کرے گا پس تمام مردہ زندہ ہوجائیں گے اور یہی حشر ونشر ہوگا اور اسی روز کو

روزِ قیامت کہا جاتا ہے۔

حشر و نشر

بحار الانوار سے منقول ہے حضرت رسالتمآبؐ نے اولادِ عبدالمطلب کو جمع کر کے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی مبعوث فرمایا ہے تم مرنے کے بعد ایک دن اٹھو گے جس طرح سونے کے بعد جاگتے ہو اور مرنے کے بعد دو گھر ہیں ایک جنت اور دوسرا جہنم۔ اور ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ قیامت جمعہ کے روز قائم ہو گی۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ بروزِ محشر ایک لاکھ بیس ہزار صفیں ہوں گی۔ جن میں سے اسّی ہزار صفیں صرف امتِ پیغمبر آخر الزمانؐ کی ہونگی اور باقی چالیس ہزار صفیں باقی تمام امتوں کی ہوں گی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب لوگ بروزِ محشر اٹھیں گے تو آدمی کے ساتھ آدمی اس طرح ہو گا۔ کہ قدموں کے بدلنے کی جگہ بھی نہ ہو گی جس طرح ترکش میں تیر ایک دوسرے کے ساتھ رکھے ہوئے ہوتے ہیں کہ حرکت نہیں کر سکتے۔

آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا بروزِ محشر لوگ برہنہ محشور ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ یہی کفن اُن کا لباس ہوں گے۔ سائل نے پوچھا کیا وہ اس عرصہ دراز تک بوسیدہ نہ ہو جائیں گے تو آپ نے فرمایا جو ذات مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے وہ کفنوں کو بھی تازہ کر سکتی ہے پھر سوال کیا گیا کہ جو لوگ کفن کے بغیر دفن کئے گئے ان کا کیا حشر ہو گا؟ تو آپ نے فرمایا خداوند کریم ان کے ستر کا انتظام فرمائے گا۔ الخبر۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اپنے مُردوں کو اچھے کفن پہنایا کرو کیونکہ قیامت کے دن لوگ اپنے کفنوں پر فخر کریں گے۔

مواقفِ قیامت

بروایت بحار الانوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ حساب لئے جانے سے پہلے اپنے نفسوں کا خود حساب لے لو کیونکہ قیامت کے دن پچاس مواقف ہوں گے اور ہر ہر موقف پر تمہارے اوقات کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ٹھیرنا پڑے گا (چنانچہ ایک دن کی مقدار

پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے) یعنی ہر فریضہ کی بازپرس کا موقف الگ الگ ہوگا۔ کسی موقف پر نماز کسی پر زکوٰۃ، کسی پر حج کا حساب پوچھا جائے گا اور احادیث میں ہے۔ کہ سب سے پہلے نماز پوچھی جائے گی اگر یہ صحیح ہوگی تو باقی فرائض کا حساب لیا جائے گا۔ ورنہ اسے جہنم میں بھیج دیا جائے گا لیکن آل محمد علیہم السلام سے تواتر کے ساتھ وارد ہونے والی روایات کے ماتحت سب سے پہلے ولاء آل محمدؐ کا سوال ہوگا اگر مقام ولا میں پورا اُترے گا تو باقی فرائض کا سوال ہوگا ورنہ اُلٹے منہ اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

میزان اور حساب

یعنی انسانوں کی نیکیوں اور برائیوں کا حساب ہوگا اور ذرہ ذرہ کا سوال ہوگا نہ ایک ذرہ برابر نیکی کو نظر انداز کیا جائے گا اور نہ ذرہ برابر گناہ کو چھپایا جا سکے گا اور حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ مشرکین کے لئے میزان کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ وہ بلاحساب جہنم میں جائیں گے۔ پس میزان اور حساب صرف اہل اسلام کے لئے ہوگا یعنی جن کے عقائد صحیح ہوں گے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اعمال کو تولا نہیں جاتا بلکہ میزان سے مراد یہاں عدل ہے پس جس کے اعمال خیر کا پلڑا بھاری ہوگا یعنی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ جنت میں جائے گا اور جس کی برائیوں کا پلڑا بھارا ہوگا یعنی برائیاں زیادہ ہوں گی وہ دوزخ میں جائے گا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حساب و میزان کی سختی یا نرمی، عقل و علم کے ماتحت ہوگی۔ یعنی جس کو دنیا میں اُس نے عقل و علم عطا فرمایا اس سے بازپرس بھی زیادہ ہوگی اور جو عقل و علم میں کمزور ہوں گے ان کا حساب بھی سرسری اور آسان ہوگا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے كُلُّ اُمَّةٍ يُحَاسِبُهَا اِمَامُ زَمَانِهَا۔ یعنی ہر اُمت کا حساب اس کے امام زمانہ کے سپرد ہوگا۔

شہادت (گواہی)

تمام انبیاء بروز محشر بارگاہ توحید میں اپنی تبلیغ کی شہادت دیں گے اور آئمہ معصومین علیہم السلام اُمت وسطیٰ کی حیثیت سے لوگوں پر شہادت دیں گے اور جناب رسالتمآبؐ ان کے حق میں شہادت دیں گے۔ اور

جب مقام حساب میں بعض لوگ اپنے کئے ہوئے گناہوں کا انکار کریں گے تو اُن کے اپنے اعضاء اُن کے خلاف شہادت دیں گے چنانچہ قرآن مجید میں صاف اور واضح لفظوں میں اعلان کیا گیا ہے۔

اعمالنامہ بروز محشر ہر شخص کا اعمالنامہ بطور گواہی و تصدیق کے اس کو دیا جائیگا اور انسان دیکھ کر حیران ہوگا کہ اس میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی نیکی یا برائی بھی نظر انداز نہیں کی گئی اور سخت تاریکی یا تنہائی کے مقام پر کی گئی نیکی یا برائی کا بھی اس میں اندراج ہوگا پس جن لوگوں کو اعمالنامے بائیں ہاتھ میں ملیں گے وہ ان کی کامیابی کی نشانی ہوگی پس وہ جنّت کی طرف جائیں گے اور جن کو اعمال نامے بائیں ہاتھ میں ملیں گے یہ ان کی ناکامی کی دلیل ہوگی اور وہ جہنّم میں داخل ہوں گے اور مروی ہے کہ مومن کے اعمالنامے کے سرانے پر ولاء علیؑ بن ابی طالب تحریر ہوگی اور لوگوں کا بلاوا اپنے اپنے امام کے نام سے ہوگا۔ چنانچہ جو اُمّت جس امام کی پیروکار تھی وہ اس کے پیچھے اور اس کے نام سے محشور ہوگی

لواء الحمد بروایت بحار الانوار حضرت پیغمبرؐ سے منقول ہے فرمایا یا علیؑ تمام امتوں میں سے سب سے پہلے میری اُمّت کا حساب ہوگا۔ اور بروز محشر سب سے پہلے ندا تجھے آئے گی اور تجھے میرا جھنڈا دیا جائے گا۔ جس کا نام لواء الحمد ہے اور آدمؑ سے لے کر آخر تک تمام مخلوق میرے جھنڈے کے سایہ کے نیچے ہوگی جس کی لمبائی ایک ہزار سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔ اس کی سنان سُرخ یاقوت کی اس کی ڈنڈی خالص چاندی کی اور اس کی نوک سبز موتیوں کی ہوگی۔ اس کے تین پھریرے ہوں گے۔ ایک مشرق کو، ایک مغرب کو اور ایک وسط دنیا پر ہوگا اور اس پر تین سطریں تحریر ہوں گی۔ ایک سطر پر بسم اللہ دوسری پر الحمد اور تیسری سطر پر کلمۂ طیبہ نقش ہوگا۔ یا علیؑ جب تو اُس کو اُٹھا کر چلے گا تو حسنؑ تیرے دائیں اور حسینؑ تیرے بائیں ہوں گے اور تیرا مقام میرے اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان ہوگا۔ اور عامہ کی روایات میں بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام تک سابق تمام پیغمبر

لوا الحمد کے سائے میں ہوں گے اور حامل لوا مولا علی علیہ السلام ہوں گے۔

کوثر

حضرت رسالتمآب نے ارشاد فرمایا جو شخص میرے حوض پر ایمان نہیں رکھتا۔ خدا اس کو اس سے سیراب نہ کرے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے جس کی چوڑائی شام سے یمن تک کے برابر ہے اور اس پر پیالے ستاروں کی تعداد کے برابر ہوں گے اس کا پانی دودھ سے سفید تر اور شہد سے شیریں تر ہوگا۔ اس کی زمین زمرد و یاقوت کی ہوگی اور اس کا گھاس مسک اذفر ہوگا۔ اس سے پینے والا پھر کبھی پیاس محسوس نہ کرے گا اور میرے رب کی طرف سے یہ شرط ہے کہ اس سے صرف وہ لوگ پئیں گے جن کے دل پاک نیت صاف اور میرے وصی کے تابع فرمان ہوں گے اور ایسے لوگ جو اس کے شیعہ نہ ہوں اس حوض سے دور بھگا دیئے جائیں گے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں حضرت رسول خدا اور اپنی عترت کے ہمراہ حوض پر ہوں گا پس جو ہمارا بننا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ عقیدہ و عمل میں ہماری پیروی کرے ہمارے لئے اور ہمارے دوستوں کے لئے حق شفاعت ہے پس ہم حوض سے اپنے دشمنوں کو ہٹائیں گے اور دوستوں کو پلائیں گے وہ حوض ہر وقت پُر رہے گا کیونکہ اس میں تسنیم اور معین کی دو نہریں گرتی ہیں اور اس کے کناروں پر زعفران کی بہار ہوگی اور اسی حوض کا نام ہی کوثر ہے اور رسالتمآب سے ایک مشہور حدیث منقول ہے کہ خدا نے کوثر مجھے عطا فرمایا ہے اور اسکا ساقی علیؑ ہوگا۔ اسی بناء پر حضرت علیؑ کو ساقی کوثر کا لقب حاصل ہے

شفاعت

بروز محشر محمدؐ و آل محمدؐ کیلئے حق شفاعت ہے اور وہ گنہگاروں کے حق میں سفارش کریں گے۔ آپ نے فرمایا بروز محشر تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے: انبیاء، علماء اور شہداء اور آپ نے فرمایا جو شخص میری شفاعت پر ایمان نہیں رکھتا خدا اس کو میری شفاعت نصیب نہ کرے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص تین چیزوں کا انکار کرے وہ ہمارا شیعہ نہیں (۱) معراج (۲) قبر کا سوال و جواب (۳) شفاعت۔ گزشتہ اکثر موضوعات کے متعلق وارد شدہ روایات کو ہم نے اختصار

کے پیشِ نظر مقام ضرورت کے ترجمہ تک ہی محدود رکھا ہے تاکہ طول نہ ہو جائے۔

صراط

بروایت بحار الانوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ صراط بال سے باریک تر اور تلوار سے تیز تر ہے اور اس کے اُوپر سے گزرنے والوں کے طبقات ہوں گے بعض بجلی کی طرح بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح بعض چل کر اور بعض گھٹنے ٹیک کر جائیں گے اور کئی لٹک لٹک کر گذریں گے آپ نے فرمایا صراط دو ہیں ایک دنیا میں دوسری آخرت پس دنیا میں صراط سے مراد (معرفت) امام حق ہے اور آخرت میں صراط وہ ہوگی جو جہنم کے اُوپر بچھی ہوگی۔ پس جو شخص دنیا میں امام حق کی معرفت رکھتا ہوگا۔ وہ آخرت والی صراط سے بآسانی گذر سکے گا۔ ورنہ گر کر جہنم کا ایندھن بنے گا اور سُنی و شیعہ کتب میں یہ روایت تواتر کا درجہ رکھتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ لَا یَجُوْزُ اَحَدٌ الصِّرَاطَ اِلَّا مَنْ کَتَبَ لَهٗ عَلِیُّ بْنُ الْجَوَاز یعنی صراط سے بروز محشر کوئی بھی نہ گذر سکے گا۔ مگر وہ جس کو علیؑ اپنے ہاتھ سے گذرنامہ لکھ کر دیں گے اور اس حدیث کو ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے

جنت الخلد

خداوند کریم نے اپنے فضل و کرم سے اپنے اطاعت گذاروں کے لئے آخرت میں جنت کا انتظام فرمایا ہے اور دنیاوی زندگی کی کامیابی کے لئے جنت کا تصور ایک بہت بڑا محرک ہے اور اللہ نے اس جنت میں ہر قسم کی آرام اور راحت و عیش کا سامان مہیا فرمایا ہے وہاں دُکھ درد بیماری تکلیف نہ ہوگی حتیٰ کہ موت بھی نہ ہوگی۔ کھانے کی غذائیں پینے کے مشروبات لذیذ ترین ہوں گے چنانچہ کھانے کے لئے ہر قسم کا میوہ تیار ہوگا اور پینے کے لئے پانی خالص شہد شراب اور دودھ کی چار نہریں جاری ہوں گی جو کبھی بدذائقہ اور باسی نہ ہوں گی بلکہ تازہ و لذیذ رہیں گی۔ پھر مکینوں کے لئے حورانِ جنت کا ساتھ ہوگا۔ مکانات عالی شان ہوں گے۔ حسد و کینہ بغض و عداوت وغیرہ کا نام و نشان تک نہ ہوگا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ایک دروازے سے نبی اور صدیق دوسرے دروازے سے (سابق اُمتوں کے) شہید اور صالح اور باقی پانچ دروازوں سے ہمارے شیعہ اور محب ہی داخل ہوں گے

تفسیر انوار النجف کی متعدد جلدوں میں جنّت اور اس کی نعمات و درجات کو مفصل بیان کیا گیا ہے ضرورتمند حضرات ان کا مطالعہ فرما کر اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ اور روایات میں ہے کہ جنّت میں بوڑھا کوئی نہیں جائے گا جس کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان جوان ہو کر ہی جنّت میں جائے گا اور وہاں جوان ہی رہے گا۔

دوزخ

جو لوگ اللہ کے نافرمان اور حقوق اللہ حقوق نفس اور حقوق النّاس کے چور ہوں گے اور دنیا میں انسانیت سوز حرکات کی بدولت تمدّنِ انسانی کے فساد کے موجب ہوں گے اُن کے لئے دنیاوی رسوائیوں کے علاوہ اللہ نے دوزخ کا گھر تیار کیا ہے جو ان کو بطور سزا ملے گا اور اس میں ہمیشہ ان کو رہنا ہو گا اور اس میں شک نہیں کہ اگر لوگ خدا کی باز پرس اور سزائے جہنّم کا یقین کر لیں تو دنیا میں ان سے حرکاتِ ناشائستہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ہادیانِ دین نے جہاں لوگوں کو تعلیماتِ اسلامیہ سے انسانیت کے صحیح راستے کا درس دیا ہے وہاں آخرت کی یقین دہانی اور جنّت و نار پر ایمان کی ضرورت پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور قرآن مجید میں بھی اسی طرزِ عمل کی تبلیغ ہے۔

دوزخ کے سات طبقے بیان کئے گئے ہیں کہ ترتیب وار ایک دوسرے سے سخت تر ہیں اور ان میں اعمالِ زشت کی بدولت کفار و مشرکین و منافقین اور دشمنانِ آلِ محمد معذب ہوں گے جس طرح اہل جنّت کے لئے ناز و نعمت کا انتظام ہو گا اس کے برعکس دوزخیوں کے لئے ہر قسم کے عذاب کا بندوبست ہو گا، کھانے کے لئے زقوم اور پینے کے لئے غسلین ہو گا۔ آتشی طوق و زنجیر ان کو پہنائے جائیں گے اور دائمی طور پر جہنّم میں جلتے رہیں گے نہ اُن پر موت آئے گی اور نہ رہائی ملے گی اور نہ تخفیف ہو گی جب اُن کے چمڑے جل جائیں گے تو پھر اسی چمڑے کو نیا کر کے پہنایا جائے گا اور مجرم کو اپنے جرم کی سزا دینا عین عدل ہے۔

قسیم الجنّة والنّار علی ہے

علمائے اسلام نے بلا استثناء اس حدیث کو حضرت پیغمبرؐ سے نقل کیا ہے کہ جنّت و نار کا قسیم علیؑ بن ابیطالب علیہ السلام ہے چنانچہ حضرت امام شافعی کی طرف منسوب ہے علیٌ حُبُّہ

حبّہ امام الانس والجنۃ - وصی المصطفےٰ حقا قسیم النار والجنۃ

یعنی علی کی محبت جنت کی ڈھال ہے وہ جن و انس کا امام حضرت محمدؐ کا وصی اور جنت و نار کا قسیم ہے۔

مقامِ اعراف

جنت اور دوزخ کے درمیان ایک مقام ہوگا۔ جس کو اعراف کہا گیا ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ جن لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں گی تو ان کو مقام اعراف میں رکھا جائے گا۔ پس وہ جنت میں استحقاق کی بنا پر نہ جا سکیں گے البتہ رحمت و فضل پروردگار کے ماتحت جنت میں داخلے کی آس لگائے بیٹھے ہوں گے اور کہتے ہیں نوشیرواں عادل اور حاتم طائی کو جنت نہ ملے گی۔ لیکن اول الذکر عدالت کی بنا پر اور ثانی سخاوت کی وجہ سے دوزخ میں بھی نہ ڈالا جائیگا۔ پس وہ اعراف میں ہوں گے (خداوند کریم حقیقت کو بہتر جانتا ہے) مروی ہے کہ اعراف کے مقام پر ائمہ آل محمد کھڑے ہوں گے اور اپنے دوستوں کی سفارش کرکے انکو جنت میں داخل کریں گے

عَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ الایہ۔ ان موضوعات پر اثر کی تفصیلات تفسیر انوار النجف کی مجلدات میں حسب موقع بیان کی گئی ہیں

ملائکہ

قرآن اور نبوی فرمان کی رو سے ملائکہ پر ایمان رکھنا ضروری ہے جن کی تعداد روایات میں جن و انس سے زیادہ ہے یہ روحانی مخلوق ہیں اور ان کی غذا تسبیح و تقدیس پروردگار ہے نیز وہ معصوم ہیں اور ان سے کسی قسم کی نافرمانی سرزد نہیں ہوتی۔ ان میں سے چار فرشتے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل تمام فرشتوں کے سردار ہیں اور حضرت جبرئیل تمام ملائکہ کے سردار ہیں جو انبیا کی طرف وحی لانے پر مامور ہیں۔

شیعہ عقیدہ کی رو سے انبیا ملائکہ سے افضل ہیں چنانچہ تمام ملائکہ کا حضرت آدمؑ کے سامنے جھک جانا اس امر کی دلیل ہے اور حضرت خاتم الانبیاءؐ تمام انبیاء و ملائکہ وارواح سے افضل ہیں حضرت علی علیہ السلام پیغمبر آخر الزمان کے صحیح قائم مقام اور جانشین ہونے کی حیثیت سے نیز مصداق اَنْفُسَنَا ہونے کے اعتبار سے حضرت محمد مصطفےٰؐ کے علاوہ خدا کی ساری مخلوق سے افضل و برتر ہیں خواہ وہ انبیاء ہوں یا ملائکہ اور حضرت مہدی علیہ السلام جب ظہور فرمائیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان کے پیچھے نماز ادا کرنا اس امر کی دلیل بیّن ہے کہ خاتم الانبیاءؐ کے جانشین سابق انبیاء سے افضل ہیں بلکہ ان پر حق حکومت رکھتے ہیں اور جب انبیاء سے افضل ہیں تو ملائکہ سے ان کا افضل ہونا خود بخود واضح ہے

بعض مواعظ پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ

بروایت واقی ابوالاسود دئلی سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ ربذہ میں ابوذر غفاری کی ملاقات کیلئے گیا تو مجھے اُنہوں نے ایک حدیث سُنائی کہ میں ایک دن مسجد نبوی میں پہنچا اس وقت حضرت پیغمبر اور حضرت علی علیہما السلام کے علاوہ اور کوئی آدمی موجود نہ تھا پس میں نے فرصت کو غنیمت سمجھا اور عرض کی حضورؐ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں آپنے فرمایا یا اَبَا ذَر اِنَّکَ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ یعنی اے ابوذر تو ہمارے گھر کا آدمی ہے۔ میں تجھے ایک جامع وصیت کرتا ہوں اس کو یاد رکھنا۔

اے ابوذر! اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم نہیں دیکھتے تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے اور یہ جان لو کہ پہلی عبادت اس کی معرفت ہے اللہ ہر شیئے سے پہلے ہے اور اس سے پہلے کوئی شیئ نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ثانی نہیں اور وہ ہمیشہ رہے گا اس کی کوئی انتہا نہیں آسمانوں اور زمینوں اور اُن کے اندر اور اُن کے درمیان کی ہر چیز کا موجد و خالق ہے وہ لطیف و خبیر ہے اور علی کُل شیئ قدیر ہے اس کے بعد میرے اُوپر ایمان رکھو اور یہ اقرار کرو کہ اللہ نے مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے میں بشیر و نذیر ہوں اور اللہ کے اذن سے اس کی طرف دعوت دینے والا ہوں اور سراج منیر ہوں اس کے بعد میرے اہلبیت سے ولا رکھو جن سے خُدا نے رجس کو دُور رکھا اور ان کو پاک رکھا جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔ اے ابوذر میری اہلبیت کی مثال میری اُمت میں کشتی نوح کی طرح ہے جو اس پر سوار ہو گا نجات پائے گا اور جو پیچھے رہے گا غرق ہو گا اور ان کی مثال بنی اسرائیل کے باب حطہ کی سی ہے جو داخل ہو گا وہ با امن ہو گا

اے ابوذر! جوانی، تندرستی، خوشحالی، فراغت اور زندگی کو غنیمت سمجھو۔ اے ابوذر! آج ہو سکنے والے کام کو کل تک ٹالنے سے بچو کیونکہ آج کا دن تمہارا ہے اور کل کا یقین نہیں پس اگر کل کا دن نصیب ہو گیا تو اس کو بھی آج کی طرح گذار لو گے اور اگر بالفرض کل کا دن نصیب نہ ہوا تو آج کی سستی اور کوتاہی پر پشیمانی سے بچ جاؤ گے۔ اے ابوذر اکثر لوگ آنے والے دن کی انتظار میں وقت

کو ضائع کر بیٹھتے ہیں اور وہ ان کو نصیب نہیں ہوتا۔ اے ابوذر! دنیا میں اپنے آپ کو مسافر سمجھو اے ابوذر! صبح کے وقت شام کی اُمنگ نہ رکھو اور شام کے وقت اپنے نفس کو صبح کی اُمید نہ دلاؤ تجھے کیا معلوم کہ کل تجھے کس نام سے پکارا جائے گا (زندہ یا مُردہ) اے ابوذر! درہم و دینار پر بخل کرنے سے عمر کے خرچ کرنے پر بخل زیادہ کرو (یعنی اس کو ضائع مت کرو)

آپ نے فرمایا اے ابوذر! بروزِ محشر قدر و منزلت کے لحاظ سے بدترین انسان وہ عالم ہوگا جس کے علم سے کسی کو فائدہ حاصل نہ ہو۔ اے ابوذر! جو شخص علم کو اس نیت سے حاصل کرے کہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالے تو ایسا شخص جنت کی بُو نہ پائے گا۔ اے ابوذر! جو شخص لوگوں کو فریب دینے کیلئے علم حاصل کرے وہ بھی جنت کی بُو نہ پائے گا۔ اے ابوذر! اگر تجھ سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جس کو تو نہ جانتا ہو تو صاف کہہ دینا کہ میں نہیں جانتا تاکہ اس کے انجام بد سے بچ جاؤ اور جس مسئلہ کا علم نہ ہو اس میں فتویٰ نہ دینا تاکہ قیامت کے عذاب سے نجات پاؤ۔

اے ابوذر! کچھ جنتی لوگ جہنم والوں سے ازراہِ عبرت پوچھیں گے کہ ہم تو تمہارے وعظ و نصیحت پر عمل کر کے جنت میں پہنچ گئے ہیں تم خود جہنم میں کیسے آگئے ہو پس وہ جواب دیں گے کہ ہم نیکی کا حکم کرتے تھے اور خود عمل نہ کرتے تھے۔

اے ابوذر! بندہ نہ تو اللہ کے حقوق کو ادا کر سکتا ہے اور نہ اس کی نعمتوں کا شمار کر سکتا ہے پس صبح و شام اس کی بارگاہ میں توبہ کرتے رہو۔ اے ابوذر! دن بدن عمر گھٹ رہی ہے اور اعمال محفوظ ہیں اور موت کا کوئی وقت نہیں وہ تو اچانک آئے گی نیکی کا بیج بونے والا نیک انجام دیکھے گا اور بُرائی کرنے والا پشیمان ہوگا اور ہر کاشت کرنے والے کو اپنی کاشت کا ثمرہ ملتا ہے سُستی کرنے والے کو مقدر سے کم نہیں ملتا اور حرص کرنے والے کو مقدر سے زیادہ نہیں نصیب ہوتا جس کو خیر عطا ہو تو عطا کرنے والا اللہ ہوتا ہے اور جو شر سے بچ جائے تو بچانے والا بھی اللہ ہوتا ہے۔ اے ابوذر! متقی لوگ سردار ہیں اور فقیہ لوگ قائد ہیں اور اُن کے پاس بیٹھنا فائدہ بخش ہے۔ مومن اپنے گناہ کو اس طرح سمجھتا ہے کہ گویا وہ ایک چٹان کے نیچے ہے۔

جس کے گرنے کا ڈر ہے اور کافر اپنے گناہ کو اس طرح سمجھتا ہے گویا ایک مکھی تھی جو ناک پر بیٹھی اور اڑ گئی۔ اے ابوذر! وہ اللہ کا پیارا بندہ ہے جس کو اپنے کردہ گناہ سامنے نظر آتے ہیں اور اُن کے انجام بد سے خوفزدہ رہے اور وہ اللہ کا مبغوض بندہ ہے جو گناہ کر کے ان کو بھول جائے۔

اے ابوذر! یہ نہ سوچا کرو کہ گناہ معمولی تھا جو ہو گیا بلکہ یہ سوچا کرو کہ وہ کون ذات ہے جس کی تم نے مخالفت کی ہے۔ اے ابوذر! مومن گناہ کے بعد اس طرح بے چینی سے تڑپتا ہے جس طرح کوئی پرندہ جال میں پھنس جانے کے بعد تڑپتا ہے۔ اے ابوذر! کامیاب انسان وہ ہے جس کا فعل اس کے قول کے مطابق ہو اور ناکام ہے وہ آدمی جس کا فعل اس کے قول کے مطابق نہ ہو۔ اے ابوذر! بعض گناہ رزق کو روک دیتے ہیں۔

اے ابوذر! جس چیز کی ضرورت نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو اور جہاں مطلب نہ ہو وہاں زبان کو بند رکھا کرو اور زبان کو اس طرح مقفل رکھو جس طرح خزانے کو مقفل رکھتے ہو۔

اے ابوذر! میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے اور مجھے نماز اس طرح محبوب ہے جس طرح بھوکے کو روٹی اور پیاسے کو پانی بلکہ بھوکا انسان روٹی کھا کر اور پیاسا انسان پانی پی کر سیر ہو جاتا ہے لیکن میں نماز سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔

اے ابوذر! جب تک تم نماز میں مشغول ہو تو گویا تم ایک عظیم بادشاہ کے دروازہ پر دستک دے رہے ہو اور جو شخص زیادہ دیر تک دروازہ کھٹکھٹاتا رہے آخر کار اس کے لئے دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اے ابوذر! ان لوگوں کے لئے طوبیٰ ہے جو جنّت کی طرف جھنڈا اٹھا کر آگے آگے چلیں گے اور وہ وہ لوگ ہوں گے جو سحر کے وقت یا باقی اوقات میں مساجد کی طرف پیدل کرنے والے ہوں۔

اے ابوذر! دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنّت ہے۔ اے ابوذر!

جو شخص رو سکے اسے رونا چاہیے۔ (خوفِ خدا سے) اور جو نہیں رو سکتا۔ اس کو غمزدہ ہونا چاہیے کیونکہ سنگ دل انسان اللہ سے دُور ہوتا ہے۔ اے ابوذر! اللہ کا وعدہ ہے کہ میں دو خوف اور دو امن ایک بندے کو نہ دوں گا۔ پس جو شخص میری گرفت سے نڈر اور با امن رہے ہے اس کو بروزِ محشر امن نہ دوں گا اور جو دنیا میں مجھ سے خوف زدہ رہے اس کو بروزِ محشر خوفزدہ نہ کروں گا۔

اے ابوذر! بعض گناہ کرنے کے بعد بھی انسان جنّت میں چلا جاتا ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضورؐ! وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا گناہ کرنے کے بعد جب گناہ کی طرف توجّہ کرتا ہے تو خوفِ خُدا اس پر مسلّط ہو جاتا ہے پس وہ اپنے گناہ کو سامنے رکھ کر توبہ کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جنّت میں پہنچ جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اے ابوذر! اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مکھی یا مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی۔ تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ ہوتا۔

اے ابوذر! دنیا ملعون ہے مگر اس قدر کہ اس کے ذریعے رضائے خُدا حاصل کی جائے۔

اے ابوذر! جبریل میرے پاس دنیا کے خزانے لایا اور کہا یہ دنیاوی خزانے لو اور جو کچھ اللہ کے نزدیک آپ کے لئے ہے اس میں بھی کوئی کمی نہ ہو گی۔ تو میں نے کہا۔ اے جبریل مجھے ان خزانوں کی کوئی حاجت نہیں ہے جب پیٹ بھر کر کھا لوں گا تو اللہ کا شکر ادا کروں گا اور جب بھوکا رہوں گا تو اللہ سے مانگ لوں گا۔

اے ابوذر! جب اللہ انسان پر احسان کرتا ہے تو اس کو دین میں فقہ اور دنیا سے پرہیزگاری عطا فرماتا ہے اور اس کو اپنے عیوب کی طرف متوجّہ کر دیتا ہے۔ اے ابوذر! جب اپنے کسی بھائی کو دنیا سے زاہد دیکھو تو اس کی باتیں سُنا کرو کیونکہ وہ دانائی کی باتیں کرے گا۔ میں نے عرض کی حضور! زاہد کون ہوا کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا جو قبرستان کو فراموش نہ کرے۔ اور زینت دنیا میں سے زائد از ضرورت کو چھوڑ دے اور باقی کو فانی

پر ترجیح دے۔ اور آنے والے کل کو اپنی زندگی میں شمار نہ کرے اور اپنے آپ کو مرنے والوں میں محسوب کرے۔

اے ابوذر! (میرا دستور اور سنت یہ ہے) کہ موٹا کپڑا پہن لیتا ہوں، زمین پر بیٹھ جاتا ہوں، اپنی انگلیوں کو کھانے کے بعد چاٹ لیا کرتا ہوں۔ پس جو شخص میری سنت سے روگردانی کرے وہ میرا نہیں ہے۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ اے ابوذر! ایسے ملائکہ بھی ہیں۔ جو روزِ خلقت سے حالتِ قیام میں مصروفِ عبادت ہیں اور اپنے سروں کو بلند نہیں کرتے اور دوسری دفعہ کے نفخِ صور تک اسی حالت میں رہیں گے۔ وہ یہی کچھ کہتے ہیں۔ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ مَا عَبَدْنَاكَ كَمَا يَنْبَغِي لَكَ یعنی ہم تیرے تسبیح گذار ہیں اور تیری حمد کرتے ہیں اور ہم تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکے۔ اے ابوذر! اگر ایک انسان کے پاس ستر نبیوں کے اعمال بھی موجود ہوں تو روزِ محشر کی سختی کے مقابلہ میں اپنے تمام اعمال کو ہیچ سمجھے گا۔ اگر غسلین کو (جو جہنمیوں کی غذا ہے) مشرق میں ڈالا جائے تو اس کی گرمی سے مغرب والوں کی کھوپڑیاں جل جائیں گی اور اگر جہنم کی ایک سانس دنیا پر ظاہر ہو تو تمام ملک مقرب اور نبی مرسل زمین پر گھٹنے ٹیک کر نفسی نفسی کی فریاد کرنے لگیں گے۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا فرزند اسحٰق بھی بھول جائے گا اور وہ بھی نفسی نفسی کی آواز بلند کرے گا۔ اے ابوذر! اگر اہلِ جنت میں سے ایک عورت آسمان کی طرف سے زمین کی طرف تاریک رات میں جھانک لے تو پوری روئے زمین پر چاندنی پھیل جائے گی اور تمام زمین والے اس کی خوشبو محسوس کریں گے اور اگر کسی جنتی کا کوئی کپڑا دنیا میں لٹکایا جائے تو دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ کریں گی اور دیکھنے والے مدہوش ہو جائیں گے۔

اے ابوذر! جنازے کے ہمراہ جہاد کے وقت اور قرآن خوانی کے وقت اپنی آواز کو نیچا کر لیا کرو۔ اے ابوذر! جب کسی جنازہ کے ساتھ چلو تو اپنی فکر کو اسی میں محدود کر لو

کیونکہ آخر کار تم نے بھی اسی طرف ہی جانا ہے۔ اے ابوذر! جب کوئی چیز خراب ہو جائے تو اس کا علاج نمک ہوتا ہے لیکن جب نمک خراب ہو جائے تو علاج کیا ہوگا؟ اے ابوذر! تفکّر کے ساتھ دو رکعت نماز بہتر ہے اس رات بھر کی نماز سے جس میں دل غافل ہو۔ اے ابوذر! حق کڑوا ہوتا ہے اور باطل آسان ہوتا ہے لیکن اس کا انجام ناقابلِ برداشت ہوا کرتا ہے اور بعض اوقات ایک گھنٹہ کی شہوت پرستی عرصہ دراز تک پریشانی و پشیمانی کی موجب ہوا کرتی ہے۔

اے ابوذر! حساب لئے جانے سے پہلے اپنے نفس کا حساب لے لو اور تولے جانے سے پہلے اپنے آپ کو تول لو۔

آپ نے فرمایا۔ اے ابوذر! تین قسم کے لوگوں کی وجہ سے اللہ ملائکہ پر مباہات کرتا ہے (۱) وہ شخص جو ایک اجاڑ زمین میں ہو پس اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھے پس اللہ فرماتا ہے اے فرشتو۔ دیکھو میرا بندہ تنہا میری عبادت میں مشغول ہے اور میرے سوا اس کو دیکھنے والا بھی کوئی نہیں ہے پس ستر ہزار فرشتے نازل ہو کر اس کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہیں اور دوسرے دن تک اس کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں (۲) وہ شخص جو رات کو اٹھ کر نماز میں مشغول ہو پس اللہ فرشتوں سے کہتا ہے کہ دیکھو میرے بندے کی روح میرے پاس ہے اور اس کا جسم سجدہ میں ہے (۳) وہ شخص جو مقامِ جہاد میں دشمنانِ خدا سے مصروفِ قتال ہو اور ساتھیوں کے دور جانے کے باوجود اپنے مقام پر ڈٹا رہے اور آخر کار شہید ہو جائے۔ اے ابوذر! جو شخص بھی زمین کے کسی حصہ میں اللہ کی عبادت کرے تو زمین کا وہ ٹکڑا بروزِ محشر اس کے حق میں گواہی دے گا اور جس منزل میں کوئی قوم قیام کرے بوقتِ صبح وہ منزل یا تو اس قوم پر درود بھیج رہی ہوگی یا لعنت کر رہی ہوگی۔ اے ابوذر! ہر صبح اور ہر شام زمین کے ٹکڑے ایک دوسرے سے احوال پرسی کرتے ہیں کہ کیا تیری پشت پر سے آج کوئی اللہ کا ذکر کرنے والا بھی گزرا ہے؟ کیا تیرے اوپر آج کسی نے اللہ کا سجدہ

بھی کیا ہے؟ پس بعض زمینیں ہاں میں جواب دیتی ہیں اور بعض کہتی ہیں کہ نہیں۔ پس وہ زمین دوسری زمینوں پر فخر کرتی ہے جس پر کوئی اللہ کا ذاکر اور عبادت گزار قیام کرے

اے ابوذر! مومن کے مرجانے کے بعد زمین چالیس دن تک اس کے لئے گریہ کرتی ہے

اے ابوذر! جب انسان کسی جنگل میں وضو یا تیمم کرکے اذان و اقامت کہہ کر نماز شروع کرتا ہے تو بامر خدا ملائکہ اس کے پیچھے صفیں باندھ کر نماز پڑھتے ہیں اور جب وہ دعا مانگتا ہے تو وہ آمین کہتے ہیں اور جو شخص صرف اقامت کہے اور اذان نہ کہے تو صرف اس کے دونوں مؤکل فرشتے ہی اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔

اے ابوذر! جو شخص جوانی میں لذات دنیا کو چھوڑ کر اللہ کی اطاعت میں بسر کرے تو بہتر صدیقوں کا اجر اس کو عطا ہوتا ہے۔ اے ابوذر! غفلت کرنے والوں سے ذکر کرنے والوں کا درجہ اس قدر بلند ہے جس قدر بھاگنے والوں سے ثابت قدم رہنے والوں کا درجہ بلند ہوا کرتا ہے۔

اے ابوذر! نیک کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے اور بری صحبت سے تنہائی بہتر ہے اسی طرح اچھی بات کرنا خاموشی سے بہتر ہے اور بیہودہ بات کہنے سے خاموشی بہتر ہے۔ اے ابوذر! ساتھی نہ بنانا مگر مومن کو اور تیرے گھر میں کھانا وہی کھائے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو اور تم خود بھی فاسق لوگوں کے ہاں کھانا مت کھایا کرو۔ اے ابوذر! اس آدمی کو کھانا کھلاؤ جس کو اللہ کے لئے دوست رکھتے ہو اور اس کے گھر کھانا کھاؤ جو تمہیں اللہ کے لئے ہی دوست رکھتا ہو

اے ابوذر! سفید ریش مسلمان کا احترام حاملین قرآن (جو قرآن پر عامل بھی ہوں) کا احترام اور عادل بادشاہ کا احترام کرنا اللہ کا اجلال ہے (یعنی اللہ کے حکم کا احترام ہے) اے ابوذر! اچھی بات کرنا صدقہ ہے اور نماز کی طرف جاتے ہوئے ہر قدم صدقہ ہے۔ اے ابوذر! جو شخص اللہ کی دعوت کو لبیک کہے اور مساجد کی آبادی میں حسن کردار کا حامل ہو تو اللہ کے نزدیک اس کا ثواب جنت ہے۔ میں نے عرض کی کہ یا مسجد کی آبادی سے کیا مطلب ہے تو آپ

نے فرمایا۔ مساجد میں آواز کو بلند نہ کیا جائے۔ باطل و بیہودہ باتیں نہ کی جائیں اور اس میں خرید و فروخت نہ کی جائے اور جب تک اس میں رہو لغو بات نہ کرو اور اگر مسجد کے یہ آداب ترک کرو گے تو بروز محشر اپنے نفس کو ہی ملامت کرو گے اور جتنی دیر تک مسجد میں رہو گے ہر سانس کے بدلہ میں خدا جنّت کا ایک درجہ عطا فرمائے گا اور فرشتے تم پر درود پڑھیں گے پس ہر سانس کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اے ابوذر! زحمت گوارا کر کے وضو کو کامل کرنا گناہوں کا کفارہ ہے اور مساجد کی طرف قدم بڑھانا راہِ خدا میں جہاد کرنے کے برابر ہے اے ابوذر! اللہ فرماتا ہے میرے پیارے بندے وہ ہیں جو میری وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ محبّت کریں اور ان کے دل مساجد سے وابستہ ہوں اور سحر کے وقت استغفار کریں۔ پس اگر اہلِ زمین پر عذاب نازل کرنا چاہوں تو ان ہی لوگوں کی بدولت عذاب کو ٹال دیتا ہوں اے ابوذر! مساجد میں ٹھیرنا اچھا نہیں مگر تین چیزوں کے لئے (۱) نماز کیلئے (۲) ذکرِ خدا کے لئے (۳) علم حاصل کرنے کے لئے

اے ابوذر! جس کے پاس تین چیزیں نہیں وہ بروزِ محشر خسارہ میں ہوگا (۱) پرہیزگاری اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے (۲) علم جس کی بدولت بیوقوفوں کی جہالت کو رد کر سکے (۳) حسنِ خلق جس کی بدولت لوگوں کے ساتھ رواداری کر سکے۔

اے ابوذر! اگر تو قوی تر بننا چاہتا ہے تو اللہ پر توکل کرو اور اگر کریم تر بننا چاہتا ہے تو تقویٰ اختیار کرو اور اگر غنی تر بننا چاہتا ہے تو اپنے ہاتھ کی دولت سے اللہ کے خزانہ پر زیادہ وثوق رکھو۔

اے ابوذر! اگر تمام لوگ اس ایک آیت سے تمسک پکڑلیں تو سب کے لئے کافی ہوگی۔ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ

آپ نے فرمایا اے ابوذر! اگر کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگے جس طرح موت سے

بھاگتا ہے تو رزق اس کو ڈھونڈے گا۔ جس طرح موت ڈھونڈ لیا کرتی ہے۔

اے ابوذر! غیبت سے بچو کیونکہ غیبت کا گناہ زنا سے سخت ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کرنے کے بعد انسان توبہ کر سکتا ہے لیکن غیبت کے بعد توبہ نہیں جبتک کہ وہ خود معاف نہ کرے، جس کی غیبت کی گئی۔ اے ابوذر مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اس سے لڑنا کفر ہے اور اس کا گوشت کھانا اللہ کی نافرمانی ہے۔ آپ نے فرمایا جب مومن کا وہ عیب بیان کرو جو اس میں ہو تو اس کو غیبت کہا جاتا ہے اور اگر اس میں نہ ہو تو تو اس کو بہتان کہا جاتا ہے۔ اے ابوذر! جو شخص مومن کی ہونے والی غیبت کی تردید کرے تو خدا پر حق ہے کہ اس کو جہنم سے آزاد کر دے اور ایسے شخص کی خدا دنیا و آخرت میں نصرت فرماتا ہے اور اگر مومن کی تردید کر سکنے کے باوجود نہ کرے تو خدا اس کو دنیا و آخرت میں رسوا کرتا ہے۔ یہ حدیث بہت طویل ہے میں نے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض مقامات کا ترجمہ پیش کیا ہے اور اس حدیث کے بعض اجزا سابق موضوعات میں بھی مذکور ہو چکے ہیں۔ خداوند کریم ہمیں محمد و آل محمد علیہم السلام کے اسوہ حسنہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وما علینا الا البلاغ و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا واجزھما بالاحسان احسانا و بالسیئات عفوا و غفرانا

۹ بجے شب یکم محرم ۱۳۹۹ھ یکم دسمبر ۱۹۷۸ء

مفسر قرآن علامہ حسین بخش جاڑا طاب ثراہ کی شہرہ آفاق تصانیف

تفسیر انوار النجف: اردو زبان میں بہترین تفسیر ہے

شیعہ مذہب حق ہے: اختلافی مسائل پر مکمل نتیجہ خیز بحث ہے

لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار: شیعہ عقائد پر روشنی ڈالی گئی ہے

امامت وملوکیت: علامہ مودودی کی کتاب خلافت وملوکیت کا جواب ہے

احباب رسول: کتاب اصحاب رسول کا جواب ہے

مجالس المرضیہ: علامہ سید محمد باقر شاہ چکڑالوی کی مجالس کا مجموعہ ہے

مجالس الفاخرہ: علامہ حسین بخش جاڑا کی مجالس کا مجموعہ ہے

اصحاب الیمین: شہدائے کربلا کے بارے میں لکھی گئی ہے

انوار شرعیہ: مسائل فقہیہ پر مشتمل رسالہ ہے

انوار شرافت: خواتین کے مسائل پر مبنی ہے

معیار شرافت: اخلاقیات کے موضوع پر لکھی گئی ہے

اسلامی سیاست: اصول دین کی تشریح پر مفصل بحث ہے

نماز امامیہ: شیعہ نماز کا طریقہ اور بعض ضروری مسائل پر مشتمل ہے

مناظرہ مصر: اتحاد بین المسلمین پر مبنی مناظرہ ہے